ماہنامہ

حنا

جنوری 2018ء

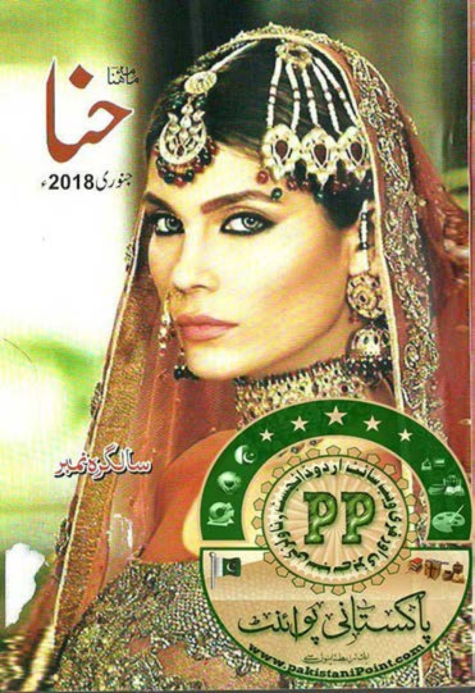

سالگرہ نمبر

PP
پاکستانی پوائنٹ
www.pakistaniPoint.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامیات

حمد میر تقی میر 7
نعت منیر عالم 7
پیارے نبیﷺ کی پیاری باتیں ادارہ 8

انشاء نامہ

سب مایا ہے ابن انشاء 12
جب عمر کی نقدی ختم ہوئی پروین شاکر 14

سروے

سروے فوزیہ شفیق 17

سلسلے وار ناول

دل گزیدہ ام مریم 24
پربت کے اُس پار کہیں نایاب جیلانی 174

افسانے

میں تم اور چائے حیا بخاری 119
راہ ہدایت وجیہہ بخاری 194
اسی بے خودی میں سندس جبیں 210

ناولٹ

می رقصم بشریٰ سیال 130
شہر دل کے راستے تحسین اختر 156

مکمل ناول

وہ جو محبتوں کا قرار تھا خدیجہ اسحٰق 42
میری زندگی ہے نغمہ سباس گل 80

انتباہ: ماہنامہ حنا کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول یا سلسلے کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جا سکتا ہے، اور نہ کیسی ٹی وی چینل پر ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلے وار قسط کے طور پر کسی بھی شکل میں پیش کیا جا سکتا ہے، خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کاروائی کی

مستقل سلسلے

حاصل مطالعہ تحریم محمود 232 رنگ حنا بلقیس بھٹی 238
بیاض تسنیم طاہر 235 حنا کا دستر خوان افراح طارق 247
حنا کی محفل عین غین 241 کس قیامت کے یہ نامے فوزیہ شفیق 251
میری ڈائری سے صالحہ محمود 243

☆☆☆

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، ماهنامه حنا پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

کچھ باتیں ہماری

قارئین کرام! جنوری 2018ء کا پہلا شمارہ بطور "سالگرہ نمبر" پیش خدمت ہے۔

اس شمارے کے ساتھ ہی حنا اپنی عمر کے چالیسویں سال میں داخل ہو گیا ہے۔ اس عرصہ میں ہمیں آپ سب کا جو پیار ملا ہے اس پر ہم آپ کے بے حد مشکور ہیں۔

2018ء کا سورج طلوع ہو چکا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ نیا سال آپ کے خوابوں کی تکمیل کرے اور یہ نیا سال ہمارے وطن اور پوری مسلم اُمہ کے لئے امن و امان اور ترقی کا پیغام لے کر آئے آمین۔

آپ سب کو نیا سال مبارک۔

گزشتہ دنوں امریکہ کے صدر ٹرمپ نے بیت المقدس کو اسرائیل کا دارلحکومت تسلیم کر کے پوری دنیا میں بھونچال برپا کر دیا۔ پوری دنیا خاص طور پر مسلم دنیا میں اس فیصلے پر احتجاج کیا جا رہا ہے مگر ٹرمپ اپنے فیصلے پر ڈٹے ہوئے ہیں بلکہ مخالفین کو دھمکیاں بھی دے رہے ہیں۔ ٹرمپ نے اس فیصلے کے خلاف سلامتی کونسل میں مصر کی قرارداد کو ویٹو کر دیا مگر اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں چند ممالک کے سوا تمام ممالک نے ٹرمپ کے فیصلے کے خلاف ووٹ دیا۔ حالانکہ امریکہ نے اس قرارداد کے حق میں ووٹ دینے والوں کی امداد پر نظر ثانی کرنے کی بھی دھمکی دی تھی۔ حالات جس نہج پر جا رہے ہیں لگتا ہے کہ امریکہ اپنے فیصلوں سے عالمی سطح پر تنہائی کا شکار ہو رہا ہے۔ اس فیصلے کے خلاف سب سے دبنگ ردعمل ترک صدر طیب اردوان کا ہے۔ جس نے مسلمانوں کے دلوں کی ترجمانی بہت جرأت مندانہ انداز میں کی ہے۔ کاش پاکستان کو بھی طیب اردوان جیسا رہنما ملے جو جرأت مند، بے لوث، آنکھوں میں آنکھ ڈال کر بات کرنے کا عادی اور دیانتدار ہو۔ (آمین)

ابن انشاء:۔ جنوری کی گیارہ تاریخ کو ہمارے بزرگ ابن انشاء کی برسی ہے۔ اس موقع پر آپ سب سے مرحوم کے لئے دعا کی درخواست ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں ان کے درجات بلند فرمائے۔ (آمین)

اس شمارے میں:۔ نئے سال کا سروے، سہاس گل، خدیجہ اسحٰق اور فرحت انصاری کے مکمل ناول، تحسین اختر، بشریٰ سیال اور سندس جبیں کے ناولٹ، وجیہہ بخاری، فوزیہ سرور، حیاء بخاری اور ام مریم اور نایاب جیلانی کے سلسلے وار ناولوں کے علاوہ حنا کے بھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار طاہر محمود

حمد باری تعالیٰ

دل رفتہ جمال ہے اس ذوالجلال کا
مجمع جمیع صفات و کمال کا

ادراک کو ہے ذات مقدس میں دخل کیا
ادھر نہیں گزار گمان و خیال کا

حیرت سے عارفوں کو نہیں راہ معرفت
حال اور کچھ ہے یاں اپنوں کے حال و قال کا

ہے قسمت زمین و فلک سے غرض نمود
جلوہ وگرنہ سب میں ہے اس کے جمال کا

مرنے کا بھی خیال رہے میر گر تجھے
ہے اشتیاق جان جہاں کے وصال کا

میر تقی میر

نعت رسول مقبول ﷺ

ہے تیری ذات میں اسوۃ سب کے لئے
تو وہ اسوۃ حسن تجھ پہ لاکھوں سلام

تو ہے ختم الرسل تو ہے خیر البشر
تو ہے نور البشر تجھ پہ لاکھوں سلام

تو ہے شفیع الامم تو ہے بحر کرم
تو ہے ابر کرم تجھ پہ لاکھوں سلام

تو امام الرسل ہر دوارض و سماء
تو حبیب خدا تجھ پہ لاکھوں سلام

تو ہے شہر علم تو ہے فخر البشر
تو ہے بحر سخاء تجھ پہ لاکھوں سلام

کیوں نہ تجھ پہ فدا ہو دل و جاں مری
تو ہے جان منیر تجھ پہ لاکھوں سلام

منیر عالم

پیارے نبی کی پیاری باتیں

ادارہ

سخاوت

ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا۔

''اے ابو ذر (رضی اللہ عنہ)! مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے پاس کوہ احد کے برابر سونا ہو، اور تیسرے دن تک اس میں سے میرے پاس ایک اشرفی بھی بچ رہے، سوائے اس کے جو ادائے قرض کے لئے ہو، تو اے ابو ذر میں اس مال کو دونوں ہاتھوں سے خدا کی مخلوق میں تقسیم کر کے اٹھوں گا۔'' (صحیح بخاری، کتاب الاستقراض ص 321)

ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چھ اشرفیاں تھیں، چار تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خرچ کر دیں اور دو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بچ رہیں، ان کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام رات نیند نہ آئی۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا۔

''معمولی بات ہے، صبح ان کو خیرات کر دیجئے گا۔''

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اے حمیرا! (حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا لقب ہے) کیا خبر ہے میں صبح تک زندہ رہوں یا نہیں۔''

قناعت وتوکل

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسرے دن کے واسطے کسی چیز کا ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

یعنی جو چیز ہوتی کھلا پلا کر ختم فرما دیتے اس خیال سے کہ کل پھر ضرورت ہو گی، اس کو محفوظ نہ رکھتے تھے، یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غایت درجہ توکل تھا کہ جس مالک نے آج دیا ہے، وہ کل بھی عطا فرمائے گا، یہ صرف اپنی ذات کے لئے تھا، ورنہ ازدواج کا نفقہ ان کے حوالے کر دیا جاتا تھا کہ وہ جس طرح چاہیں تصرف میں لائیں، چاہیں رکھیں یا تقسیم کر دیں، مگر وہ بھی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازدواج تھیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں ایک بار دو گونین درہموں کی نذرانہ کے طور پر پیش کی گئیں، جن میں ایک لاکھ درہم سے زیادہ تھے، انہوں نے طباق منگوایا اور پھر بھر کر تقسیم فرما دیا، خود روزہ دار تھیں، افطار کے وقت ایک روٹی اور زیتون کا تیل تھا، جس سے افطار فرمایا۔

باندی نے عرض کیا۔

''ایک درہم کا اگر آج گوشت منگا لیتیں تو آج ہم اسی سے افطار کر لیتے۔''

ارشاد فرمایا۔

''اب طعن دینے سے کیا ہو سکتا ہے اسی

وقت یاد دلا دیتی تو میں منگا دیتی۔" (خصائل نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

"مجھ کو یہ بات خوش نہیں آتی کہ میرے لئے کوہ احد سونا بن جائے اور پھر رات کو اس میں سے ایک دینار بھی میرے پاس رہے، بجز ایسے دینار کے جس کو کسی واجب مطالبہ کے لئے تھام لوں اور یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمال سخاوت وجود وعطا کی دلیل ہے، چنانچہ اسی کمال سخاوت کے سبب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقروض رہتے تھے، حتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جس وقت وفات پائی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زرہ اہل وعیال کے اخراجات میں رہن رکھی ہوئی تھی۔ (نشر الطیب)

انکسار طبعی

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! بروئے عادت سخت گو نہ تھے اور نہ تکلف سخت گو بنتے تھے اور نہ بازاروں میں خلاف وقار باتیں کرنے والے تھے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے تھے بلکہ معاف فرما دیتے تھے، غایت حیا سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ کسی شخص کے چہرے پر نہ ٹھہرتی تھی اور کسی نا مناسب بات کا اگر کسی ضرورت سے ذکر کرنا ہی پڑتا تو کنایہ فرماتے۔

اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے بڑھ کر دل کے کشادہ تھے، بات کے سچے تھے، طبیعت کے نرم تھے، معاشرت میں نہایت کریم تھے اور جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت کرتا، اس کی دعوت منظور فرماتے اور ہدیہ قبول فرماتے اگرچہ (وہ ہدیہ یا طعام دعوت) گائے یا بکری کا پایہ ہی ہوتا اور ہدیہ کا بدل بھی دیتے تھے اور دعوت غلام کی اور آزاد کی اور لونڈی کی اور غریب کی سب کی قبول فرما لیتے اور مدینہ کی انتہائی آبادی پر بھی اگر مریض ہوتا، اس کی عیادت فرماتے اور معذرت کرنے والے کا عذر قبول فرماتے اور کبھی اپنے اصحاب میں پاؤں پھیلائے ہوئے نہیں دیکھے گئے، جس سے اوروں پہ جگہ تنگ ہو جائے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتا اس کی خاطر کرتے اور بعض اوقات اپنا کپڑا اس کے بیٹھنے کے لئے بچھا دیتے اور گدا تکیہ خود چھوڑ کر اس کو دے دیتے اور کسی شخص کی بات بیچ میں نہ کاٹتے اور تبسم فرمانے میں اور خوش مزاجی میں سب سے بڑھ کر تھے، جب تک کہ حالت نزول وحی یا وعظ یا خطبہ کی نہ ہوتی (کیونکہ ان حالتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک جوش ہوتا تھا) جس میں تبسم اور خوش مزاجی ظاہر نہ ہوتی تھی۔ (نشر الطیب)

دیانت وامانت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت حق کا آغاز فرمایا تو ساری قوم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دشمن بن گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ستانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، لیکن اس حالت میں بھی کوئی مشرک ایسا نہ تھا، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دیانت و امانت پر شک کرتا ہو، بلکہ یہ لوگ اپنا روپیہ پیسہ وغیرہ لا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے پاس امانت رکھواتے تھے اور مکہ میں کسی دوسرے کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر امین نہیں سمجھتے تھے۔

ہجرت کے موقع پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو پیچھے چھوڑنے سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ وہ تمام لوگوں کو امانتیں

واپس کر کے مدینہ آئیں۔ (مدارج النبوۃ)

تواضع

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''مسلمانو! میری تعریف حد سے زیادہ نہ کرو، جس طرح عیسائیوں نے ابن مریم علیہ السلام کی تعریف کی ہے، کیونکہ میں خدا کا بندہ ہوں، بس تم میری نسبت اتنا ہی کہہ سکتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے بندے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔'' (مدارج النبوۃ، زادالمعاد، شمائل ترمذی)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عصاء پر ٹیک لگائے ہوئے ہمارے پاس تشریف لائے تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے کھڑے ہوگئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جس طرح عجمی لوگ ایک دوسرے کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، اس طرح تم نہ کھڑے ہوا کرو اور فرمایا، میں خدا کا بندہ ہوں، اسی طرح کھاتا ہوں جس طرح بندے کھاتے ہیں اور اسی طرح بیٹھتا ہوں، جس طرح بندے بیٹھتے ہیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمانا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بردباری اور متواضعانہ عادت کریمہ کی وجہ سے تھا۔ (مدارج النبوۃ)

حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک سفر میں چند صحابہ رضی اللہ عنہا نے ایک بکری ذبح کرنے کا ارادہ فرمایا اور اس کا کام تقسیم فرمالیا، ایک نے اپنے ذمہ ذبح کرنا لیا، دوسرے نے کھال اتارنا، کسی نے پکانا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''پکانے کے لئے لکڑی اکٹھا کرنا میرے ذمہ ہے۔''

صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا۔

''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کام ہم خود کرلیں گے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ تم لوگ اس کو بخوشی کرلو گے لیکن مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میں مجمع میں ممتاز رہوں اور اللہ تعالیٰ بھی اس کو ناپسند فرماتے ہیں۔'' (خصائل نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بازار آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سرائیل...... کو چار درہم میں خریدا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وزن کرنے والے سے فرمایا۔

''قیمت میں مال کو خوب کھینچ کر تولو۔'' (یعنی وزن میں کم یا برابر نہ لو، بلکہ زیادہ لو۔)

وہ شخص وزن کرنے والا حیرت زدہ ہو کر بولا۔

''میں نے کبھی بھی کسی کو قیمت کی ادائیگی میں ایسا کہتے نہیں سنا۔''

اس پر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا۔

''افسوس ہے تجھ پہ کہ تو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں پہچانتا۔''

پھر تو وہ شخص ترازو چھوڑ کر کھڑا ہو گیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست

مبارک کو بوسہ دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دست مبارک کھینچ کر فرمایا۔

''یہ عجمیوں کا دستور ہے کہ وہ اپنے بادشاہوں اور سربراہوں کے ساتھ ایسا کرتے ہیں، میں بادشاہ نہیں ہوں، میں تو تم ہی میں سے ایک شخص ہوں۔''

(یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ازراہ تواضع فرمایا، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت کریمہ تھی) اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سراوبیل کو اٹھالیا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے آگے بڑھ کر ارادہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سراوبیل کو لے لوں مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''سامان کے مالک کا ہی حق ہے کہ وہ اپنے سامان کو اٹھائے، مگر وہ شخص جو کمزور ہے اور اٹھا نہ سکے تو اپنے اس بھائی کی مدد کرنا چاہیے۔'' (مدارج النبوۃ)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک پرانے پالان پر حج کیا، اس پر ایک کپڑا پڑا ہوا تھا، جو چار درہم کا بھی نہ ہوگا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا مانگ رہے تھے ''یا اللہ اس حج کو ایسا حج فرمائیو، جس میں ریا اور شہرت نہ ہو۔'' (شمائل ترمذی)

جب مکہ فتح ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کے لشکر کے ساتھ اس میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں عاجزی اور تواضع سے سر کو پالان پر جھکا دیا تھا، یہاں تک کہ قریب تھا کہ اس کے اگلے لکڑی کے سرے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر لگ جائے۔ (کتاب الشفاء)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ محبوب کوئی شخص دنیا میں نہیں تھا، اس کے باوجود پھر بھی وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر اس لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ بات پسند نہ تھی۔ (شمائل ترمذی)

ایک مرتبہ نجاشی بادشاہ حبشہ کے کچھ ایلچی آئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی خاطر مدارت کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تو صحابہ رضی اللہ عنہا عرض کرنے لگے۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی خدمت کی سعادت ہمیں عنایت فرمایئے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''انہوں نے ہمارے صحابہ کی بڑی خدمت اور تکریم کی ہے، میں پسند کرتا ہوں کہ ان کا بدلہ ادا کر دوں۔'' (مدارج النبوۃ)

صاف دل ہونا

ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی تاکید فرمائی کہ ''میرے صحابہ میں سے مجھ سے کوئی شخص کسی کی کوئی بات نہ پہنچایا کرے کیونکہ میرا دل چاہتا ہے کہ جب میں تمہارے پاس آؤں تو میرا دل تم سب کی طرف سے صاف ہو۔'' (ابوداؤد، ترجمان السنہ، کتاب الشفاء)

☆☆☆

سب مایا ہے

ابن انشاء

سب مایا ہے، سب ڈھلتی پھرتی چھایا ہے
اِس عشق میں ہم نے جو کھویا جو پایا ہے
جو تم نے کہا ہے، فیض نے جو فرمایا ہے
سب مایا ہے

ہاں گاہے گاہے دید کی دولت ہاتھ آئی
یا ایک وہ لذت نام ہے جس کا رُسوائی
بس اس کے سِوا تو جو بھی ثواب کمایا ہے
سب مایا ہے

اِک نام تو باقی رہتا ہے، گر جان نہیں
جب دیکھ لیا اِس سودے میں نقصان نہیں
تب شمع پہ دینے جان پتنگا آیا ہے
سب مایا ہے

معلوم ہمیں سب قیس میاں کا قصہ بھی
سب ایک سے ہیں، یہ رانجھا بھی یہ اِنشا بھی
فرہاد بھی جو اِک نہر سی کھود کے لایا ہے

سب مایا ہے
کیوں درد کے نامے لکھتے لکھتے رات کرو
جس سات سمندر پار کی نار کی بات کرو
اُس نار سے کوئی ایک نے دھوکا کھایا ہے؟
سب مایا ہے
جس گوری پر ہم ایک غزل ہر شام لکھیں
تم جانتے ہو۔ ہم کیونکر اس کا نام لکھیں
دل اس کی بھی چوکھٹ چوم کے واپس آیا ہے
سب مایا ہے
وہ لڑکی بھی جو چاند نگر کی رانی تھی
وہ جس کی الھڑ آنکھوں میں حیرانی تھی
آج اُس نے بھی پیغام یہی بھجوایا ہے
سب مایا ہے
جب دیکھ لیا ہر شخص یہاں ہرجائی ہے
اِس شہر سے دُور۔ اک کُٹیا ہم نے بنائی ہے
اور اُس کُٹیا کے ماتھے پر لکھوایا ہے

سب مایا ہے

☆☆☆

بیاد انشاء

جب عمر کی نقدی ختم ہوئی

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آبِ بقائے دوام لا ساقی

وہ حیران تھی کہ ابراہیم جلیس کے جانے کے بعد بھی یہ شعر مجھے اب تک اپنی گرفت میں کیوں لئے ہوئے ہے، 1978ء کی بارہویں صبح نے میری حیرت کا جواب دے دیا، چاند نگر کا باسی، شہر سخن کا جوگی، سواد تبسم کا سفر ابن انشاء ہم سے بچھڑ گیا۔

اردو کے اس البیلے شگفتہ بیان کی فنی منصب کے متعلق کچھ کہنا اس وقت میرے بس میں نہیں، ہاں اتنا ضرور کہوں گی کہ فی زمانہ جبکہ ہر اخبار اپنی مالی اور اخلاقی استطاعت کے مطابق ایک نہ ایک کالم نگار ضرور رکھتا ہے، انشاء جی کے لئے پالیسی وضع کرنے کی جرأت کسی میں نہ ہوئی، اپنے موضوعات کا تعین وہ خود کرتے تھے اور ان کے قلم کی گرفت میں آتے ہی بات کیا سے کیا ہو جاتی تھی، کلاسیکی ادب کا رچا ہوا ذوق، مشاہدے کی دل آویزی، گہرائی اور انداز بیان کی ندرت، یہ سب کچھ مل کر ان کے کالم کو ایک دن کی عمر والے کالموں سے بالکل مختلف بنا دیتی ہے، اپنے سیاق و سباق سے ہٹ کر بھی یہ زندہ جاوید ہیں، ان کالموں کے بارے میں مختصراً یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان کے ذریعے انشاء جی نے ہماری حس مزاح کی تہذیب کی۔

جہاں تک ان کی شخصیت کا تعلق ہے، تو اس کے بارے میں کچھ کہنا ان لوگوں کا حق بنتا ہے، جوان کے بارے میں کچھ کہنا ان لوگوں کا حق بنتا ہے، جو ان کے بہت قریب تھے، عالی صاحب ہیں، اشفاق احمد صاحب، احمد بشیر صاحب ہیں، لیکن انشاء جی نے خلوص کی دولت دونوں ہاتھوں سے لٹائی تھی اور ان کے مقروض مجھ، جیسے بے ہنر بھی ہیں۔

انشاء جی سے میری پہلی ملاقات ریڈیو اسٹیشن پر ہوئی، ان دنوں ہم لوگ اردو شاعروں پر ایک سیریز ''فنکار'' کے نام سے کر رہے تھے، میں نے ان کی شاعری پہ مضمون لکھنا چاہا تو مجھے ''چاند نگر'' کے ساتھ انہوں نے ''اس بستی کے اک کوچے میں'' کا مسودہ بھی تھما دیا، میں مبہوت ہو گئی۔

''انشاء جی! آپ مجھے مسودہ دے رہے ہیں، حالانکہ میری آپ سے یہ پہلی ملاقات ہے۔''

''اسی لئے تو دے رہا ہوں تا کہ یہ آخری ملاقات نہ بن جائے۔''

انشاء جی کی اس شگفتہ تاویل سے قطع نظر، جس چیز نے مجھے سرشار کر دیا، وہ ان کا مجھ پر اعتبار تھا، ہمارے درمیان قلم کا رشتہ تھا اور یہ رشتہ ان کی بڑائی کی وجہ سے ساری عمر معتبر رہا۔

اپنے مضمون میں، میں نے انشاء جی کے ہاں ''چاند'' کے کردار کا موازنہ شیلے کے ''تصور مہتاب'' سے بھی کیا تھا اور اپنی دانست میں بڑا معرکہ سر کیا تھا، پروگرام کے دوران انشاء جی بے حد سنجیدہ بیٹھے رہے، مگر دبیز چشمے کے پیچھے سے ان کی آنکھیں برابر مسکرائے جا رہی تھیں، اسٹوڈیو

سے باہر نکلتے ہوئے انہوں نے بڑی آہستگی سے مجھ سے کہا۔

”بھئی! تمہارا مضمون تو بہت خوب تھا، مگر یہ جو تمہارے شیلے صاحب ہیں ناں، انہیں ہم نے پڑھا وڑھا بالکل نہیں ہے۔“

اس دور میں جبکہ موسم اور کنوینس پرابلم پر بھی گفتگو کرتے ہوئے دانشور ”نطشے یا سار، تا پالورکا“ سے بات شروع کرنا پسند کرتے ہیں، ایک بہت بڑے آدمی کا، چھوٹا سا اعتراف میرا دل موہ گیا اور یوں ہمارے درمیان ساری عمر کے لئے ایک انڈر اسٹینڈنگ قائم ہوگئی، ریڈیو پر جب بھی میری ریکارڈنگ ہوتی، یہ بہت کم ہوا کہ میں ان سے ملنے تھیوسوفیکل ہال ان کے دفتر نہیں گئی، کتابوں کے جھرمٹ میں گھرے ہوئے انشاء جی دیکھتے ہی مسکراتے اور ان کا پہلا سوال عموماً یہی ہوتا۔

”سناؤ بھئی! کوئی نظم لکھی تم نے؟“

ایک دفعہ شرارتاً میں نے کہہ دیا۔

”کوئی نیا کالم لکھا آپ نے؟“

انشاء جی نے چوٹ کو انجوائے کیا، مگر پھر اداس ہوگئے؛ میں نے انہیں بہت کم اداس دیکھا تھا؛ کہنے لگے۔

”اب شعر نہیں ہوتے، لوگ میری شاعری بھولتے جا رہے ہیں، کالم یاد رکھنے لگے ہیں۔“

تب میں نے انہیں یقین دلایا کہ ”ایسا نہیں ہے، آپ کی بنیادی حیثیت شاعر ہی کی ہے، لیکن چونکہ ”چاند نگر“ کے بعد سے آپ کا کوئی مجموعہ نہیں آیا اور کالم لوگ ہر ہفتے پڑھ لیتے ہیں، اس لئے وہ آپ کو ایک کالمسٹ ہی سمجھ بیٹھے ہیں۔“

”نہیں بھئی! کالم تو میں ہی لکھتا ہوں، کبھی کبھی تو دفتر میں ہی بیٹھے بیٹھے لکھ جاتا ہوں۔“

”جی ہاں! کبھی کبھی ایسا ہی لگتا ہے۔“

انشاء جی کا موڈ ایک دم خوشگوار ہوگیا، کہنے لگے۔

”کسی دفتری کالم میں تمہاری خبر لوں گا۔“

لیکن وہ بڑے ظرف کے آدمی تھے، انہیں صرف چھیڑنے میں مزا آتا تھا، رلانے کی حد تک تنگ کرنا، کبھی ان کے مذہب میں شامل نہیں رہا، ان کا ظرف تو ایسا تھا کہ ان کی زندگی میں ہی ایک فلمی شاعر نے ان کی شہرۂ زمانہ غزل پر کمال ڈھٹائی سے ہاتھ صاف کیا اور وہ بجز ایک شائستہ احتجاجی کالم لکھنے کے اور کچھ نہ کر سکے۔

☆☆☆

مجھے معلوم ہے کہ ان کی یاد میں بڑے تعزیتی اجلاس ہوں گے، ان کے پسماندگان کے سلسلے میں بڑی قراردادیں پاس ہوں گی، کسی فنڈ کے قائم کرنے کی تجویز، حکومت کو وظیفہ دینے پر آمادہ کرنے کا مشورہ، لیکن بڑی معذرت کے ساتھ میں یہ کہنا چاہوں گی کہ اپنی تمام تر خوب صورتی کے باوجود، ان الفاظ کی گواہی کوئی ایسی معتبر نہ ہوگی، جو برادری زندہ رہتے ہوئے اپنے ایک فرد کے مفادات کا تحفظ نہ کر سکی، وہ اس کے مرنے کے بعد اس کے لواحقین کے لئے بھلا کس حد تک مخلص ثابت ہوسکتی ہے۔

خیر! بات ہو رہی تھی، انشاء جی کی اعلاظرفی اور فراخدلی کی، نو آموزوں کی حوصلہ افزائی میں احمد ندیم قاسمی کے بعد میں نے انشاء جی کو ہی اتنا وسیع القلب پایا۔

یاد آ رہا ہے کہ کچھ عرصے پہلے ٹیلی ویژن سے نئے شاعروں پر ایک سیریز شروع کی گئی تھی، ”نئی آواز“ میرا نمبر آیا تو میں نے ڈاکٹر کشفی اور ابن انشاء کا نام تجویز کیا۔

”خوشبو“ کا مسودہ جس شخص نے سب سے پہلے دیکھا، وہ ابن انشاء ہی تھے، مسودہ ہاتھ میں

لیا تو وہ بولے۔

’’بتاؤ تم سے کیسا سلوک کیا جائے؟‘‘

’’ویسا ہرگز نہیں جو اردو زبان کا ایک شاعر دوسرے شاعر کے ساتھ کرتا ہے۔‘‘

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑے، پھر گردن ذرا سی اونچی کرکے بولے۔

’’لڑکی! تم سے انصاف کیا جائے گا۔‘‘

دوسرے دن ان کا فون آیا۔

’’فوراً پہنچو۔‘‘ میں بھاگم بھاگ دفتر گئی تو وہ میرے اشعار کے اعداد و شمار لئے بیٹھے تھے اور ایک بچے کی سی معصومیت کے ساتھ مجھے میری اپنی تفصیلات فراہم کررہے تھے، اس بار مسکرانے کی باری میری تھی، لیکن میرے ہونٹوں پر نمودار ہونے والے پہلے خم کے ساتھ ہی انشاء جی نے فائل بند کردی اور بے بسی سے مسکرائے۔

’’مشکل یہ ہے کہ تم نے ایم اے انگریزی میں کیا ہوا ہے۔‘‘

پھر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ ’’نئی آواز‘‘ انہوں نے کس محبت اور اپنائیت کے ساتھ کیا، انہوں نے پیش گوئی کی تھی کہ وہ دن دور نہیں جب ’’خوشبو‘‘ ہر تکیے کے نیچے ملے گی، مجھے نہیں معلوم کہ ان کی یہ پیش بینی کس حد تک سچی ثابت ہوئی، لیکن آج اگر وہ زندہ ہوتے تو ’’خوشبو‘‘ کی پذیرائی پر کتنے خوش ہوتے، انہیں اس کے ٹائٹل کی بھی بڑی فکر تھی۔

’’بھئی صادقین سے بنوانا۔‘‘ انہوں نے کئی بار مجھ سے کہا تھا، کاش وہ اپنی اس خواہش کی تکمیل دیکھ سکتے۔

اسی پروگرام کے دوران ڈاکٹر کشفی نے میرا ایک شعر پڑھا تھا۔

دشمن ہے اور ساتھ رہے جان کی طرح
مجھ میں اتر گیا ہے سرطان کی طرح

مجھے یاد ہے کہ اس شعر کو سراہنے کے باوجود انشاء جی نے اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا۔

’’مگر بھئی، اس شعر کی امیجری بہت خوفناک ہے۔‘‘

اس وقت تو بات ہنسی مذاق میں ٹل گئی، پر کون کہہ سکتا تھا کہ جس مرض کا محض علامتی وجود انہیں شعر تک میں گوارا نہیں تھا، ایک دن خود ان کے جسم میں سرایت کر جائے گا اور یہ ہنستا ہنساتا، ایک زمانے کو اپنا اسیر رکھنے والا پیارا آدمی ایک دن اس ہزار پا کے شکنجے میں یوں کس جائے گا کہ اس کے پیارے آنسو بہا رہے ہوں گے اور اسے خبر بھی نہ ہوگی۔

مگر نہیں، شاید اپنے جانے کی اسے کچھ کچھ خبر ہوگئی تھی کہ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں ایک دنیا کو مسکراہٹ بانٹنے والا، ہاتھ پھیلائے کھڑا تھا۔

اب عمر کی نقدی ختم ہوئی !
اب ہم کو ادھار کی حاجت ہے
ہے کوئی جو ساہو کار بنے
ہے کوئی جو دیوان ہار بنے
کچھ سال ، مہینے ، دن ، لوگو!
پر سود بیاج کے بن لوگو!
ہاں اپنی جاں کے خزانے سے
ہاں ، عمر کے توشہ خانے سے

اسے کیا خبر کہ اس کے لئے سال مہینے، دن کیا، لوگ پوری پوری زندگیاں لئے کھڑے تھے، عمر کے توشہ خانے کے سب خزانے اس کے نام تھے، پر تقدیر کے آگے سب کے سکے کھوٹے نکلے اور ایک سانس بھی اس کا قرض نہ چکا سکی۔

☆☆☆

سروے

فوزیہ شفیق

خاموشی سے گزرتے ماہ و سال عمر کا حصہ بنتے جاتے ہیں یہ زندگی میں کبھی خوشی لے کر آتے ہیں اور کبھی دکھ کی پرچھائیاں، کبھی ہمارے سنہرے خواب تعبیر پا کر زندگی میں رنگ بکھیر دیتے ہیں اور کبھی زندگی ایسے رخ دکھاتی ہے کہ خواب کرچی کرچی ہو کر دکھ کے انمٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں۔

کوئی بھی موسم ٹھہرتا نہیں، زندگی اتنی تیز رفتار ہے اور وقت اتنی برق رفتاری سے گزر رہا ہے کہ کہیں رکنے اور کچھ دیکھنے سوچنے کی مہلت ملنا بھی محال ہے، ایک اور نیا سال ہمیں خوش آمدید کہہ رہا ہے گزرے سال کے حوالے سے ہم نے حسب روایت قارئین کو مدنظر رکھتے مصنفین سے سروے کیا ہے سروے کے سوال مندرجہ ذیل ہیں۔

سوالات یہ ہیں۔

۱۔ گیا سال کیا دے کر گیا، کوئی ملال، کوئی خوشی، کوئی خوبصورت احساس؟

۲۔ فارغ وقت میں آپ کی بہترین تفریح یا مشغلہ، کون سی چیز آپ کو زیادہ خوشی دیتی ہے؟

۳۔ کچھ لوگ زندگی کے اتار چڑھاؤ کا مقابلہ اس خوبی سے کرتے ہیں کہ ان کو دیکھ کر دوسروں کو بھی حوصلہ ملتا ہے، کوئی ایسی ہی شخصیت یا کردار جس نے آپ کو متاثر کیا؟

۴۔ 2017ء کے شروع میں آپ نے خود سے کئی عہد و پیماں کیے ہوں، ان میں سے کتنے پایہ تکمیل تک پہنچے اور کتنے ادھورے رہے؟

۵۔ آپ کا اور حنا کا ساتھ کتنا پرانا ہے، کوئی رائے یا تجویز؟

آیئے دیکھتے ہیں مصنفین نے کیا جواب دیئے ہیں۔

سباس گل......................رحیم یار خان

السلام علیکم! پیارے رائٹرز اور قارئین اور حنا کے معزز ایڈیٹرز دعا ہے کہ آپ سب خیرت سے ہوں اور آنے والا سال آپ سب کے لئے امیدوں، خوشیوں اور کامیابیوں کے خزانے لے کر طلوع ہو آمین اور ہمارے لئے، ہمارے پیارے پاکستان کے لئے مبارک ثابت ہو، ثم آمین۔

اب آتے ہیں سال نو کے سروے کے جوابات کی طرف۔

۱۔
کیا کہیں سال کیا دے کر گیا؟
کتنی امیدوں کو بے ثمر کر گیا
کوئی دکھ اور ملال
یا بے بسی کا خیال
ساتھ کب تک رہا؟
کس خوشی نے ہمیں
خوبصورت کوئی، احساس تھا دیا؟
اب بتائیں تم کو کیا؟
آنے والے برس سے ہے پھر التجاء
اور یہ دعا
ساری امیدوں کو کر دے اب تو پورا
بس یہی ہے دعا
نضل رکھے خدا

۲۔ فارغ وقت...... بھئی ہمارے فارغ وقت کا بہترین مشغلہ یا تفریح تو یہی ہے جس حوالے سے آپ سب ہمیں جانتے پہچانتے ہیں یعنی لکھنا، اپنے کسی ادھورے ناول کو مکمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب مکمل ہو جاتا ہے تو وہ ہی خوشی کا احساس دلاتا ہے، اس کے علاوہ ٹی وی دیکھنا اور فیملی کے ساتھ باہر آؤٹنگ پہ کبھی کبھار ڈنر پر جانا خوشی دیتا ہے۔

۳۔ ہمیں زندگی نے لوگوں کے رویوں اور لہجوں نے بدلتے رشتوں نے بہت کچھ سکھایا، ہر منفی رویہ اور حوصلہ شکن لہجہ، ہمارے لئے ہمت، حوصلے اور امید کا نیا قدم ثابت ہوا، اپنے مسائل، پریشانیوں اور دکھوں کو روگ کبھی مت بنائیں بلکہ انہیں اپنی طاقت اور حوصلہ بنا کر زندگی کے اتار چڑھاؤ کا مقابلہ کرتے ہوئے آگے بڑھ جائیں اور کامیابی کی اس چوٹی پر چڑھ جائیں جہاں کوئی منفی رویہ، لہجہ اور ردعمل آپ تک نہ پہنچ سکے بلکہ وہ آپ کی کامیابی پر حیرت زدہ ہو کر تالیاں بجانے پر مجبور ہو جائے، ٹھیک ہے نا، دوستو؟

۴۔ 2017ء کے آغاز پر ہم نے سوچا تھا کہ ہم بچوں کے لئے لکھیں گے ہم نے لکھا، ہم منافق اور مطلبی لوگوں سے دور رہیں گے سو دور کر لیا خود کو، نا قدرے لوگوں کے لئے کام نہیں کریں گے سو عمل کیا اور دیکھ لیا کہ انہیں کیسے ہمارے اچھے کام کی قدر ہو رہی ہے، ایک بات جو ہم نے سیکھی وہ یہ ہے دوستو! کہ اپنی توانائیاں کبھی ایسے لوگوں کے لئے صرف مت کریں جن کو آپ کی قدر و اہمیت کا احساس دل سے نہ ہو بلکہ اپنی توانائیاں وقت محنت وہاں لگائیں جہاں آپ کا اپنا انٹرسٹ ہے، صلاحیت ہے، فائدہ ہے، ادھورے کام انشاء اللہ نئے برس میں مکمل کرنے کا ارادہ ہے۔

۵۔ ماشاء اللہ حنا کا اور ہمارا سترہ سال کا ساتھ ہے اور 2018ء میں اٹھارواں برس شروع ہو رہا ہے، انشاء اللہ تعالیٰ، جب ہمیں ناول افسانے کے فرق کا بھی علم نہیں تھا، تب سے لکھ رہے ہیں اور ایک عمر کی وابستگی ہے حنا کے ساتھ ہماری اور فوزیہ آپی کے ساتھ ایک پرخلوص رشتہ جڑا ہے، حنا کے لئے رائے تجویز یہ ہے کہ سہاس گل کا سلسلے وار ناول شروع کر دیں 2018ء میں، ہاہاہا، خطوط میں اضافہ ہونا چاہیے یعنی تبصرے زیادہ شائع کیے جائیں، قارئین کا اپنے پسندیدہ رائٹرز کے نام پیغامات کا کوئی سلسلہ شروع کیا جائے وغیرہ وغیرہ، سارے اچھے خیال

WWW.PAKISTANIPOINT.COM
پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام
PAKISTANIPOINT

حنا کے نام۔

آپ سب کو ادارہ حنا کو فوزیہ آپی کو حنا کی سالگرہ اور نیا سال بہت بہت مبارک ہو، حنا مزید کامیابی کی منزلیں طے کرے ہم ساتھ ساتھ رہیں جب تک ہے جان، آپ سب کی صحت سلامتی اور خوشیوں کے لئے دعا گو سپاس گل۔

فصیحہ آصف..........ملتان

۱۔ گیا وقت تلخ و شیریں یادیں دے جاتا ہے، ملال یہ رہا کہ میرے میاں جی خاصے بیمار رہے اب لاکھ لاکھ شکر کہ وہ بالکل ٹھیک ہیں، (قارئین محترم آپ بھی دعا کیجئے گا) خوشی کہ میری تحریریں مختلف جرائد میں شائع ہوتی رہیں، ایک گہرے ملال کا احساس یہ بھی رہا کہ میرا لاڈا پیارا بلا نہ جانے کہاں چلا گیا، امید ہے کہ لوٹ آئے گا، آپ سب بھی دعا کریں۔

۲۔ ''جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن'' فرصت تو خال خال ہی نصیب ہوتی ہے، بس گھر کے تمام کام خود کرنا، لکھنا پڑھنا، خوشی ملتی ہے جب کسی پیارے سے بات ہو جائے، کال کر کے گپ شپ خوشی اس سے بڑھ کر اور کیا ہوتی کہ آج کوئی نیکی بھی کرے، اپنے میاں کے ساتھ گھومنے پھرنے میں خوشی ہوتی ہے اور میں فطرت کے ہر رنگ سے خوشی کشید کرنے کی کوشش کرتی ہوں۔

۳۔ زندگی کا مقابلہ تو بے شمار لوگ کر رہے ہیں، کچھ عرصہ قبل میں نے مارکیٹ میں ایک خاتون کو دیکھا جو بمشکل دو فٹ کی ہوگی، جھک کے چل رہی تھی، بلکہ گھسیٹ رہی تھی، میں اس سے بے حد متاثر ہوئی کہ وہ معذور تو ہے کس قدر مگر اس نے خود کو مجبور ثابت نہیں کیا، اپنے کام کر رہی ہے اور متاثر تو خود سے بھی ہوتی ہوں کہ ہر مشکل کا دلیرانہ مقابلہ کرتی ہوں، مصیبت سے گھبراتی نہیں، بلکہ اس وقت نوافل پڑھ کر مسئلے کا حل نکالنے کے لئے دعا کرتی ہوں، اللہ سب کو مصائب سے مقابلہ کرنے کا حوصلہ عطا فرمائے آمین۔

۴۔ جی ہاں خود سے لاکھوں وعدے کیے اور عہد کئے کہ اس سال رکے ہوئے کام پایہ تکمیل کو پہنچاؤں گی، کچھ میں کامیاب بھی رہی اور کچھ ادھورے رہ گئے، انشاء اللہ اب نئے سال میں ان کی تکمیل کے لئے سرگرداں رہوں گی۔

۵۔ پڑھنے کی حد تک تو حنا کا ساتھ خاصا پرانا ہے، پھر تین سال قبل ایک افسانہ بھی شائع ہوا، جانے کیوں اتنا عرصہ پھر رابطہ منقطع ہوا، اب 2017ء میں دو تحاریر شامل ہوئیں، فوزیہ شفیق صاحبہ کی شفقت بھری شخصیت نے اب مسلسل حنا کے ساتھ رہنے پر مجبور کر دیا ہے۔

ویسے بہنو! عورت اور حنا کا ساتھ تو صدیوں پرانا ہے، ہتھیلی پہ حنا نہ سجے تو ہاتھ نامکمل دکھائی دیتے ہیں، کیوں ہے ناں؟ رائے یہ ہے کہ انٹرویو شامل کیے جائیں، خاص شخصیت کے۔

تحسین اختر..........فیصل آباد

پیارے قارئین ماہنامہ حنا کے عزیز سٹاف اور عزیز ترین فوزیہ آپی جان آپ سب کو سلام کے بعد ان الفاظ سے شروعات کرتے ہیں۔

نہ جانے کیا ہوا یہ سال بھر میں

دیا روشن کہ مدہم ہو گیا ہے
ہمیں معلوم ہے اتنا کہ اک سال
ہماری عمر سے کم ہو گیا ہے
بس دیکھا جائے تو یہ ہے کل کہانی۔

آپ نے پوچھا گیا سال کیا دے کر گیا؟

۱۔ میں کہوں کی بہت کچھ، قناعت سے جھولی بھری جائے تو بہت کچھ اتنا کہ جھولی چھوٹی ہے اور اوقات بہت تھوڑی مگر دینے والے کا رحم و کرم اور فضل اتنا ہے کہ شمار سے باہر ہے۔ ملال کوئی نہیں اور خوشیاں بہت، میں نے عرصہ ہوا زندگی کے چھوٹے موٹے ملالوں پر کڑھنا چھوڑ دیا ہے تب سے زندگی بہت آسان ہے اور اگر وقت کے ہر لمحے سے چین اور آرام و سکون اور راحت کشید کر لی جائے تو پھر خوشیاں ہی خوشیاں، رہ گئی بات خوبصورت احساس کی تو۔

جس کو معلوم نہیں منزل مقصود اپنی
کتنا بے کار ہے اس شخص کا چلتے رہنا
ہم نئے خواب بنیں گے نئے منظر لے کر
نئے سورج سے کہو روز نکلتے رہنا

بس سورج روز نکلتا رہے تو ہم بھی نئے خوابوں سے مٹھی بھر کر خوبصورت احساس کو جنم دیتے رہیں گے، جیسا کہ آج کل حسین دسمبر حسین موسم حسین رت، ایسے میں ہر احساس ہی خوبصورت لگتا ہے۔

۲۔ فارغ وقت میں مجھے دو ہی شوق ہیں، کوئی اچھی سی کتاب پڑھ لوں یا پھر ٹائم ہوا تو کہیں گھوم پھر آؤں، گھومنے پھرنے کے لئے بھی مجھے نیچرل جگہ ہی اٹریکٹ کرتی ہے، بچوں کا مطالبہ ہوتا ہے فن زون، فن لینڈ جیسی جگہوں پہ جایا جائے جہاں ان کا دلچسپی کا سامان ہوتا ہے اور میری خواہش ہوتی ہے، مری اسلام آباد جایا جائے اور شوہر صاحب کو دونوں میں انٹرسٹ نہیں ہوتا وہ بس ہماری خوشی میں خوش۔

۳۔ زندگی کے اتار چڑھاؤ کی بات کی جائے تو خود مجھ سے زیادہ زندگی کے اتار چڑھاؤ اس کے نشیب و فراز کو کون بہتر جان سکتا ہے، زندگی نے ہمیں برتا اور ہم نے زندگی کو برتا ہے، یہ خوبی شاید ہر اس بندے میں خود بخود آ جاتی ہے جو زندگی کے سمندر کے درمیان میں پھنسا ہو اور ہر طرف سے باہر نکلنے کے لئے ایک جیسی جدو جہد درکار ہو تو پھر حوصلہ بہادری، استقامت سب کچھ آ جاتا ہے، اس ٹاپک پر پھر کبھی بات کریں گے، ابھی موڈ بھی نہیں ہے اور وقت بھی نہیں کہ پھر بہت کچھ یاد آ جاتا ہے۔

۴۔ میں نے کبھی خود سے عہد و پیمان نہیں کئے بس جو بات دل و دماغ پر سوار ہو جاتی ہے وہ کر کے رہتی ہوں، آپ یوں سمجھ لیں کہ کچھ کر گزرنے کی لگن پہلے سوار ہو جاتی ہے اور کام کے بارے میں بعد میں سوچتی ہوں آپ لوگ سمجھتے ہوں گے کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے، بس جب دماغ ایسا ہو کہ جو سوچ لیا وہ کر کے دکھانا ہے تو پھر ایسے ہی ہوتا ہے، پھر کہاں کا وعدہ کہاں کا پیماں، بس کرنا ہے تو کر گزرنا ہے، 2017ء کی کوئی بندش نہیں، اب تو سال دنوں کی مانند گزرتے ہیں، اگر ہم اپنا عہد و پیماں کو سالوں سے مشروط کریں گے تو پھر شاید کچھ نہ کر پائیں گے۔

۵۔ میرا اور حنا کا ساتھ بہت پرانا ہے، لکھنا میں نے ایک اور ماہنامہ سے شروع کیا تھا پھر حنا نے ایسا جکڑا کہ میں نے اپنی زیادہ تر

تحریریں حنا کی نذر ہی کر دیں، اس میں زیادہ ہاتھ آپی فوزیہ کے خلوص اور محبت کا ہے اور محبت انہیں اس طرح اپنی طرف کھینچتی ہے جس طرح مقناطیس لوہے کو، انہیں محبت سے موہ لینے اور پھر لوٹ لینے کا فن آتا ہے، اس لئے میں نے جو لکھا وہ محبت سے انہوں نے لوٹ لیا۔

حنا کا معیار پہلے سے بہت اچھا ہوا ہے، اللہ کرے یہ اور بھی ترقی کرے، تجویز یہی ہے کہ اسے خوب سے خوب تر بنائے رکھنے کی جستجو جاری رکھی جائے۔

میں نے شاید سب کچھ بہت جلدی جلدی سمیٹ دیا، اصل میں وہی وقت کا رونا کہ دل کی بہت سی باتیں دل میں ہی رہ جاتی ہیں، مگر زندگی اور خلوص دونوں رہا تو سب باتیں کریں گے۔

آخر میں بس یہی کہوں گی کہ جنوری مجھے ہر طرح سے اٹریکٹ کرتا ہے یکم جنوری میری ڈیٹ آف برتھ ہے اور نئے سال کا آغاز بھی، تو سبھی کچھ بہت اچھا لگتا ہے اور پھر رومانٹک جنوری بھیگی جنوری، اداس جنوری، جو مرضی کہہ لیں جس نام سے بھی پکاریں یہ موسم مجھے دیوانگی کی حد تک پسند ہے، اسی دیوانگی کے ساتھ ختم کرتی ہوں، آپ سب دعاؤں میں یاد رکھیئے گا اور اس شعر کی حاضری کو قبول کیجئے گا کہ۔

نیا ہے سال خوشی یوں منائیں اب کے برس
کہ گیت امن کا سب مل کے گائیں اب کے برس
کرو کچھ اب کے بہاروں کا ایسا استقبال
بہاریں آئیں تو آ کر نہ جائیں اب کے برس

بشریٰ سیال.......................پنجاب

ا۔ ہر سال کی طرح 2017ء بھی بہت کچھ دے کر گیا اللہ پاک کی نعمتیں، رحمتیں، برکتیں اور عنایات اتنی زیادہ ہیں کہ گننے لگوں تو شمار نہ کر سکوں، کچھ ایسی باتیں جو قابل ذکر ہیں ان میں پہلے نمبر پر میرا اس سال حنا سے تعلق جڑا اور فوزیہ شفیق جیسی مہربان نرم مزاج اور پیار کرنے والی ہستی سے دوستی ہونا کسی اعزاز سے کم نہیں اس سال ہر دلعزیز مصنفہ در ثمن بلال سے میری دوستی ہوئی جو کہ میرے لئے بہت قیمتی اثاثہ ہے، یہ سال میری میرے رائٹنگ کیرئیر کے لئے بہترین ثابت ہوا، اسی سال ایک دوسرے ڈائجسٹ میں لکھا اور بہت اچھا لگا، میری کتاب ''پریت نہ کیجیو کوئی'' شائع ہوئی اس کے ساتھ یہی سال ایسا غم ایک ایسا سانحہ اور دکھوں کا پہاڑ توڑ کر جانے لگا جو وہم و گمان میں بھی نہ تھا میرے جواں سال بہنوئی جو انتہائی نرم مزاج محبت کرنے والے تھے اور نفرت کا جواب بھی ہنس کر دینے والے سب کو روتا چھوڑ کر ابدی سفر کے لئے روانہ ہو گئے، وہ صرف میرے بہنوئی نہ تھے بلکہ سگے بھائیوں جیسے تھے، یہ جاتا سال دکھوں کے اندھے غار میں دھکیل کر جا رہا ہے جہاں سے نکلنا ناممکن سا لگتا ہے، دل مانتا ہی نہیں کہ اس شفیق ہستی کو کھو دیا اگر مان لے تو شاید بند ہی ہو جائے۔

۲۔ فارغ وقت میں تحریریں لکھتی ہوں، فیملی کے ساتھ وقت گزارتی ہوں اور بس میری خوشی کی سب سے بڑی وجہ ہوتی ہے فیملی کے ساتھ گزرے وقت کو بہت انجوائے کرتی ہوں۔

۳۔ عارف بھائی اللہ ان کو جنت میں اعلیٰ جگہ دے آمین، انہوں نے ہمیشہ مجھے متاثر کیا وہ

کبھی مشکلات سے گھبراتے نہیں تھے اور میں نے ان سے سیکھا کہ کس طرح مشکل وقت میں محنت سے کام لینا چاہیے اور سچویشن کو ہینڈل کرنا ہے۔

۴۔ 2017ء کے شروع میں خود سے کیے گے تقریباً تمام عہد و پیاں پورے کیے۔

۵۔ میرا اور حنا کا ساتھ زیادہ پرانا تو نہیں مگر بہت گہرا ہے، حنا میرے لئے بہت قابل احترام اور عزیز ہے، اللہ پاک اسے مزید ترقی سے نوازے آمین۔

ام ایمان قاضی............................ڈی جی خان

۱۔ یہ گزرا سال بہت سی کامیابیاں دے کر گیا میرے بھائی کے گھر جڑواں بچوں کی آمد نے سرشار کر دیا، وہیں ایک کزن کی ڈیتھ دلوں پر گہرا اثر چھوڑ گئی ایک ملال کہ میں اس سال قرآن پاک ترجمے کے ساتھ مکمل نہ کر پائی، زندگی نے وفا کی تو انشاء اللہ آنے والے سال میں مکمل کروں گی۔

۲۔ فری ٹائم ملتا ہی کب ہے، حنا مل جائے تو پڑھنا، لکھنا ہی سب زیادہ خوشی دیتا ہے تفریح ہے یہی مشغلہ بھی۔

۳۔ اردگرد بہت سے ایسے لوگ ہیں جو بہت حوصلہ کی اعلیٰ مثال ہے ان کو دیکھ کر بن کر ہمیشہ ان کی خوشی اور بہتری کی دعا کی ہے۔

۴۔ ہاں جی سال کے شروع میں بہت سے پلان تھے جن میں ایک تو ناول لکھنا تھا، کے حوالے سے ہی کئی آئیڈیے ہیں جن پر کام کرنا چاہا مگر کبھی فرصت جیسی عظیم نعمت ملی بھی تو محدود اور طبیعت، خفا نظر آئی اور کبھی دل مچلا تو وقت کی کمی نے رولا دیا، انگلش میں ماسٹرز کا خواب دو تین سالوں سے آنکھوں میں بسا ہے، تیاری بھی ہے مگر جاب سے چھٹی نہ ملنے کی وجہ سے ایگزام نہیں دے پا رہی، دعا کیجئے گا اس سال میں اپنے خوابوں کی تعبیر پالوں۔

۵۔ حنا سے تعلق دو سال پرانا ہے مگر فوزیہ کی محبت کا احساس ہے کہ اتنے قلیل ساتھ کے باوجود گہرا اور مضبوط ہے الحمدللہ، مشورہ یہی ہے کہ خطوط کی تعداد بڑھا دیجئے، اللہ تعالیٰ حنا کو مزید ترقی عطا فرمائے آمین۔

فوزیہ سرور............................لاہور کینٹ

سب سے پہلے حنا کی ساری ٹیم اور قارئین کو حنا کی سالگرہ اور نئے سال کی آمد کی بہت مبارک ہو، رب ذوالجلال سے دعا ہے کہ نیا سال حنا اور ملک و قوم کے لئے بے پناہ خوشیاں اور ترقی و خوشحالی کی خوشخبریاں لائے، ہر طرف امن و سکون کا بول بالا ہو آمین۔

۱۔ پہلے سوال کو پڑھتے ہی ایک خوبصورت احساس ذہن کے پردے پر لہرایا اور قلم کی جنبش نے صفحہ قرطاس پر رقم کر دیا، گئے سال کا دیا گیا خوبصورت احساس اور خوشی میرا رائٹر بننا ہے، گو کہ ابھی ابتداء ہے لیکن گئے سال کا دیا گیا خوش کن احساس ہمیشہ میرے ساتھ رہے گا، پہلی تحریر حنا میں ہی شائع ہوئی، حنا کے لئے بہت سی دعائیں۔

۲۔ فارغ وقت میں میری بہترین تفریح مطالعہ کرنا ہے، خواتین ڈائجسٹ، شعاع، کرن اور حنا ہر ماہ پڑھتی ہوں، اس کے علاوہ اسلامی کتب بہت محبت اور شوق سے پڑھتی ہوں، پڑھنے کا جنون کی حد تک شوق ہے، کسی کی دلجوئی کر کے مجھے سب سے زیادہ خوشی ہوتی ہے، کسی کو دکھ، تکلیف میں مبتلا دیکھ لوں تو تسلی اور ڈھارس بھرے الفاظ سے

تکلیف کم کرنے کی کوشش کرتی ہوں، اگر کچھ بھی نہ کرسکوں تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرتی ہوں کہ اس کی تکلیف دور ہو جائے، اس کی تکلیف دور ہو جائے یہی چیز مجھے سب سے زیادہ خوشی دیتی ہے۔

۳۔ مجھے جس شخصیت نے متاثر کیا وہ میری نانی امی ہیں، حلیم طبع، نرم گفتار، ہمہ وقت مثبت سوچ رکھنے والی، ان کی زندگی میں ان گنت اتار چڑھاؤ آئے جو اتنے تکلیف دہ تھے کہ انسان کے حوصلوں کی چٹان ریزہ ریزہ ہو جائے، لیکن میں نے ہمیشہ ان کے چہرے پر آسودگی اور اطمینان کی فراوانی دیکھی وہ اس خوبی سے حالات کا مقابلہ کرتیں کہ حوصلے کی گرتی دیوار پھر سے مضبوطی سے کھڑی ہو جاتی، صبر و تحمل اور عفو و درگزر ان کی ایسی خوبی ہے جس نے مجھے ہمیشہ بہت متاثر کیا، افسوس کہ وہ نانی امی اب ہم میں موجود نہیں، پندرہ دسمبر 2013ء کو وہ خالق حقیقی سے جا ملیں، لیکن ہمارے دلوں میں وہ آج بھی زندہ ہیں۔

۴۔ میں عہد و پیماں نہیں کرتی، وعدہ ایفا نہ ہو تو رب کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا، یہی خوف باز رکھتا ہے عہد کرنے سے، کسی کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے عزم کرتی ہوں، اگر عزم کرلوں تو الحمدللہ کبھی ادھورا نہیں رہا، پایہ تکمیل تک ضرور پہنچتا ہے کیونکہ میں ہاتھ دھو کر کام کے پیچھے پڑ جاتی ہوں۔

اے جذبہ جنوں تو ہمت نہ ہار۔

کچھ ایسا بھی معاملہ ہو جاتا ہے میرے ساتھ، 2017ء کے شروع میں یہ عزم کیا تھا کہ بحیثیت رائٹر خود کو منوانا ہے، الحمدللہ تھوڑی بہت کامیابی نصیب ہوئی ہے، مزید کامیابی کے لئے پرعزم ہوں۔

۵۔ جب آپ کا دل محبت سے کسی کے ساتھ جڑ جائے تو یوں لگتا ہے صدیوں سے شناسائی ہے، بھلے ساتھ چند پل کا ہو، اگر دل کے جڑنے میں محبت ناپید ہو تو، ساتھ بھلے صدیوں کا ہو وہ ساتھ ہی نہیں لگتا، میرا اور حنا کا ساتھ بھی مجھے صدیوں پرانا لگتا ہے، شعاع، خواتین بچپن سے پڑھتی آرہی ہوں، کرن اور میرا ساتھ بارہ سال پرانا ہے، کرن میں ہی حنا کا اشتہار دیکھا، اپنے پسندیدہ ڈائجسٹ میں جب اشتہار دیکھا تب سے میری پسندیدگی کی فہرست میں حنا بھی شامل ہو گیا، تب سے میں اور حنا ساتھ ہیں، حنا میں جو کمی مجھے محسوس ہوتی ہے وہ آپ کے گوش گزار کر دیتی ہوں، عکس قیامت کے یہ نامے کے صفحات کم ہوتے ہیں، باقی تو ماشاء اللہ ہر لحاظ سے اے ون ہے حنا، اللہ حنا کو دن دگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے آمین۔

بقیہ صفحہ 55 پر

ہماری مطبوعات
ماں جی — قدرت اللہ شہاب
یا خدا — ″
فیض نظر — ڈاکٹر سید عبداللہ
فیض غزل — ″
فیض اقبال — ″
انتخاب کلام میر — مولوی عبدالحق
قواعد اردو — ″
لاہور اکیڈمی — لاہور

دل گزیدہ

اُم مریم

پچیسویں قسط کا خلاصہ

آپا کے بعد قدر پہ سلیمان خان کی متوقع شادی کی خبر کھلتی ہے تو بہت شدید ری ایکشن سامنے آتا ہے، سلیمان خان اچانک قدر کو اس کی شادی کا فیصلہ سنا کر چکرا کے رکھ دیتے ہیں۔

قدر جان چھڑانے کو علی شیر سے شادی سے انکار کر دیتی ہے، سلیمان خان علی شیر کی بجائے اپنے عزیزوں میں سے کسی نوجوان کا قدر کے لئے انتخاب کر لیتا ہے۔

عمر نارسائی کے احساس سے دوچار ہے، اس مایوسی کے عالم میں وہ اپنی شادی کے متعلق سوچتا ہے، شاید حجاب کو بھلانے میں یہ فیصلہ کارگر ثابت ہو جائے۔

ہجر میں مبتلا عورت محبوب کے لہجے کی سختی سے ڈس ہارٹ بڑے بڑے فیصلے کرتی ہے کہ ہجر مزید اسے گوارا نہیں۔

سلیمان خان اپنے فیصلے پہ قائم تھے، قدر کا نکاح حمدان سے کرنے کے فیصلے پہ، قدر پہ یہ خبر بجلی بن کر گرتی ہے مگر وہ کچھ بھی نہیں کر پاتی اور فیصلے کی زنجیریں اسے جکڑ لیتی ہیں۔

چھبیسویں قسط

اب آپ آگے پڑھیے

اک طوفان آیا تھا اور اپنے آثار ثبت کر رہا تھا، حمدان کو باپ سے بڑھ کر ماں کی فکر لاحق ہوئی، وہ ان کے پیچھے نہیں گیا، ماں کے پاس آیا، انہیں سنبھالنے کی سعی کرنے لگا۔

''والدہ......!'' کتنی بے بسی تھی اس کی آواز میں انداز میں، چہرے پہ، غانیہ نے اس سے بڑھ کر اذیت میں مبتلا ہو کر اسے دیکھا، ایسی نظریں کہ وہ کٹ گیا، لخت لخت ہو گیا۔

''آئی ایم سوری ممی مگر......'' اس کا نظریں چرانا غانیہ کو مزید شاکی کر گیا۔

''آپ ایسا کیسے کر سکتے ہو میرے شیر! آپ سے ایسی غلطی کی میں کیسے توقع رکھوں؟'' وہ سسکیاں لیتی بولیں، حمدان نے انہیں اٹھا کر کھڑا کیا، سہارا دے کر بستر تک لایا۔

''آپ میری پوری بات تو سنیں۔''

''کیا سنوں......؟ کیا فائدہ۔'' وہ سسکیاں بھرتیں زاروقطار رونے لگیں۔

''اپنے پپا کو جانتے تھے آپ پھر بھی ایسا قدم اٹھا لیا وہ بھی عین اس وقت جب شادی سر پہ ہے، مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا آپ سے ایسی حماقت کا۔'' وہ سر تھامے بیٹھی تھیں، بی پی بے تحاشا لو ہو چکا تھا۔

''ممی یہ سب خالصتاً میری کسی رضا اور مرضی کے بغیر ہوا اور اچانک ہوا مگر یہ طے ہے کہ میں نہ تو شانزے سے شادی کروں گا نہ اسے چھوڑوں گا۔'' وہ دھیمے بولا، غانیہ چونک کر ڈر کر اسے دیکھنے لگیں، اس کے تو جیسے تیور ہی اور تھے، وہ ساکن ہو گئی تھیں، حرکت نہ کر سکیں، حمدان کو احساس ہوا تو ایکدم خفت سے بھرنے لگا۔

''والدہ......!'' ان کے بے تحاشا سرد پڑ جانے والے ہاتھ تشویش سے تھامتا ہوا وہ فکر مند نظروں سے انہیں دیکھنے لگا۔

''حمدان!......میرے بچے......ایسے نہ دکھ دو مجھے، آپ تو بہت فرمانبردار تھے، پھر ایسا کیا ہو گیا؟ کون سا جادو چل گیا اس انجان لڑکی کا کہ......باپ کی نافرمانی پہ تل گئے ہو۔'' غانیہ ہنوز ہاتھ مل رہی تھیں، رو رہی تھیں، لفظ جادو پہ حمدان خفیف سا ہو گیا، چہرے پہ غیر محسوس تپش پھوٹی سرخی چھا گئی، جادو تو چلا تھا کیا شک مگر چلانے والی لاعلم تھی، حمدان کو تو یہ بھی تعلم نہ تھا اس نے اسے اس رشتے میں قبول بھی کیا تھا یا نہیں۔

''والدہ......! آپ کچھ سننے پہ آمادہ ہوں تو آپ کو کچھ اندازہ بھی ہو پائے، میری بے بسی و بے اختیاری کا، یقین کر لیں کہ اس سارے قصے میں ثانوی حیثیت بھی نہیں میری، سامنے والا اتنا بااختیار زور آور تھا کہ انکار کا جواز نہ بنتا تھا، بہرحال آپ ریلیکس رہیں میں پپا سے بات کرتا ہوں، مجھے قوی یقین ہے اصل بات جان کہ وہ اپنا فیصلہ تبدیل کر لیں گے اگر......''

''ایسا قیامت تک ممکن نہیں ہے، خوابوں کی جنت سے نکل آؤ حمدان، کیا تم اپنے باپ کو جانتے نہیں ہو کہ شانزے ان کے لئے کیا اہمیت رکھتی ہے؟'' غانیہ کے لہجے میں شدید اختلاف تھا، دکھ سے ٹوٹتی کیفیت تھی، حمدان نے گہرا سانس بھرا، یوں جیسے بہت تھک گیا ہو یکلخت۔

''اوکے فائن، جسٹ ریلیکس ممی، اگر پپا نہ مانے اور اپنی بات پہ قائم رہے تو میں شانزے سے شادی کر لوں گا، اس لڑکی کو چھوڑ دوں گا۔'' یکدم اس پہ اضمحلال چھا گیا، وہ کیسے پژمردہ نظر

آنے لگا تھا، غانیہ نے صاف محسوس کیا، انہوں نے یہ بھی محسوس کیا اس انجان لڑکی سے بیٹے کا کوئی نہ کوئی قلبی تعلق ضرور تھا، وہ خود بھی ملول ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔

''کاش آپ نے یہ قدم ہی نہ اٹھایا ہوتا بیٹے، جیسی بھی مجبوری رہی ہو۔'' ان کے لہجے میں یاسیت کا رنگ گہرا تھا، بہرحال یہ بھی طے تھا کہ وہ حمدان کی بات پہ ریلیکس ہوئی تھیں، حمدان کچھ نہیں بولا، اٹھ کھڑا ہوا، اس کے تصور میں اس چاندی جیسی جگر جگر چمکتی لڑکی کے مہین پاؤں لہرائے، جنہیں چھونے کا خیال شاید دل میں ہی رہ جانے والا تھا، اس کا دل چاہا وقت کو قید کر لے، روک لے، مگر وہ اس پہ بھی کہاں قادر تھا۔

کوئی ٹھہرا ہے کب اس بھاگتے وقت میں
کب رکا ہے کبھی گرد بار زماں
دامن دشت میں جیسے ریگ رواں
جو گزر جائے لمحہ پلٹتا نہیں
پانیوں پر کوئی نقش جمتا نہیں
اک تحیر کا ملنا ہے چاروں طرف
کچھ سراغ اس مسافر کا ملتا نہیں
جو بھی ہے اس غبار شب و روز میں
بے سبب بے طلب بے نشاں بے گماں
کچھ بھی آگے نہیں کچھ بھی پیچھے نہیں
آج ہی آج ہے ہے اگر کچھ یہاں
آؤ اس پل کے پل پر پڑاؤ کریں
کیا خبر ہوں گے کل ہم کہاں
تم کہاں

کتنے دکھ کی بات تھی اگر قسمت یوں مہرباں ہونے کے بعد ستم ظریفی کی انتہا کر دیتی، کیا وہ تھی اس لائق کہ اسے یوں تختہ مشق بنا دیا جاتا، اس کی خاطر تو پہاڑ کھودے جانے چاہیے، دنیا پلٹا دی جاتی، جوگ لے لیا جاتا، مگر ایک وہ تھا۔

حالات کے دھارے پہ بہتا بے بس تنکا، کیا حیثیت تھی اس کی، کیوں تھی، یہ بے بسی اس پہ زیبا نہ تھی، مگر تھی مسلط، کیا کیا جا سکتا تھا ہر قسمتوں میں جکڑا انسان بے بس تو ہوتا ہے کیا شک ہے۔

☆☆☆

تم نہیں ہو تو ایسا لگتا ہے
جیسے ویراں ہو راہ گزار حیات
جیسے خوابوں کے رنگ پھیکے ہوں
جیسے لفظوں سے موت رستی ہو
جیسے سانسوں کے تار بکھرے ہوں

تم نہیں ہو تو ایسا لگتا ہے
جیسے خوشبو نہیں ہو کلیوں میں
جیسے سونا پڑا ہو شہر دل
جیسے کچھ بھی نہیں ہو گلیوں میں
جیسے دشمنی ہو جائے خوشیوں سے
جیسے آشنائی نہ ہو جذبوں سے
تم نہیں ہو تو ایسا لگتا ہے
جیسے اک عمر کی مسافت پر
بات کچھ بھی سمجھ نہ آئی ہو
جیسے چپ چاپ ہوں آرزو کے شہر
جیسے رک رک کے سانس چلتی ہو
جیسے بے نام ہو دعا کا سفر
جیسے قسطوں میں عمر کٹتی ہو
تم نہیں ہو تو ایسا لگتا ہے
جیسے اک خوف کے جزیرے میں
کوئی آواز دے کے چھپ جائے
جیسے ہنستے ہوئے اچانک ہی
غم کی پروا سے آنکھ بھر آئے
تم نہیں ہو تو ایسا لگتا ہے
تم نہیں ہو تو ایسا لگتا ہے

باہر بے کیف اداس اور دھوپ بھری دوپہر تھی، جس کے خاموش سینے پر کبھی کبھار مختلف پرندوں کی آوازیں شگاف ڈالتی تھیں، ہوا چلی اور کھلی کھڑکی پہ جھکی بیل سے ٹوٹ کر کچھ گلابی پھول کارپٹ پے بکھر گئے، وہ یونہی گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے بیٹھی ان پھولوں کو دیکھتی رہی، سر درد سے بوجھل تھا، آنکھیں رو رو کر سوجی ہوئیں، دل بہت یاسیت کا شکار تھا، کل اس وقت جب اس کی قسمت پھوڑی جا رہی تھی تو موسم ایسا نہیں تھا، آسمان اس کی آنکھوں کے جیسے برس رہا تھا، آنسو بہا رہا تھا، خان ولا میں معمول سے ہٹ کر ہلچل تھی، ویسے بھی بارش رک گئی تھی، نوکروں نہ از سر نو نہ صرف ہر طرف سے صفائی کر دی تھی، بلکہ بڑے گیٹ سے لے کر اندرونی عمارت کے صدر دروازے تک کا رستہ بالکل خشک کر دیا تھا، جیسے وہاں کبھی بارش ہوئی ہی نہ ہو، مرکزی لائینس کی تیز روشنیوں میں صفائی اور اعلیٰ انتظام منہ سے بول رہا تھا، کھانے کی میز پہ سفید براق میز پوش بچھایا گیا تھا، صاف ستھری پتھر اور چینی کی کراکری جگمگا رہی تھی، یہ سب اس کی قسمت پھوڑنے کی خوشی میں کیا گیا تھا، وہ کتنا روئی تھی، کتنا تڑپی تھی مگر اس پہ رحم نہیں کھایا گیا، اس کی ایک نہ سنی گئی، آنسو پھر اس کی پلکوں کے بند توڑ کر کسی ریلے کی طرح بہہ نکلے، نکاح کے ایجاب و قبول اس نے جانے کس

کیفیت میں طے کیے، شام سے رات تک شدید بخار اور سر درد نے برا حال کر دیا تھا، آیا ماں نے زبردستی اسے کھلانے کی کوشش کی، تو اس نے برتن اٹھا کر پھینک دیئے۔

''نہیں کھانا...... چلی جائیں...... اکیلا چھوڑ دیں مجھے۔''

وہ پاگلوں کی طرح چیخ رہی تھی، آیا ماں آنسو چھپاتیں بکھر جانے والے برتن اٹھانے لگیں، وہ اوندھے منہ بستر پہ گر گئی، حلق میں جیسے کوئی تندور جل رہا تھا، پیاس سے ہونٹ خشک ہو چکے تھے، اس نے سوکھے لبوں پہ زبان پھیر کر بمشکل جلتی آنکھیں کھولیں، کمرے کی روشنی بجھی ہوئی تھی، کھڑکی سے بارش کے برسنے کی آواز آ رہی تھی، جو جانے کب پھر شروع ہو گئی تھی، سفید بادلوں کی روشنی سے کمرا کچھ روشن لگ رہا تھا، پھر بادل بھی گرجنے لگے اور بجلی بھی چمکنے لگی، ساتھ بارش کی بھی آواز تھی، وہ بے اختیار کراہی، شاید کتنی دیر تک ایک ہی زاویئے پہ لیٹے رہنے سے جسم درد کرنے لگا تھا، کہنیوں پہ جسم کا بوجھ ڈالتی وہ اٹھ بیٹھی، اس نے پوری ہمت جمع کی تھی اس معمولی کام میں، اب سانس تیز ہو رہی تھی، ہر سو اندھیرا تھا، اندھیرا جو مایوسی اور بے بسی کے احساس کو بڑھاوا دیتا ہے، اندیشے اور اذیت کا باعث ہے اور روشنی یقین کے ساتھ اعتماد کا، وہ بھی اعتماد و یقین کھو چکی تھی، وہ رات اس پہ عذاب بن کے اتری تھی، بستر پہ انگارے بچھے تھے اور انگاروں پہ کوئی کیسے سو سکتا ہے، وہ بھی جاگ رہی تھی، رو رہی تھی، نکاح کے وقت اس پہ ٹوٹ کر روپ آیا تھا، ایک تو کمسنی کا حسن اس پہ انوکھا سا سوز اس کے حسین چہرے کے گرد ہالہ کیئے تھا، تقریب میں موجود ہر مہمان نے اس کے اس روپ کو سراہا تھا۔

تب ہی دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور کوئی اندر آ گیا، وہ چونک گئی، بلکہ ڈر گئی، لائٹ جلی اور سلمان خان کا شاندار سراپا نمایاں کر گئی، قدر نے تحیر میں مبتلا ہو کر انہیں دیکھا۔

''مجھے پتا تھا اس موسم میں میری بیٹی کو بہت ڈر لگتا ہے، جبھی میں خود یہاں آ گیا ہوں۔'' وہ اسے دیکھ کر خصوصیت سے مسکرائے، قدر کے اندر بلا کی شکایت اور شکوہ ابھرا، آنکھیں لبالب پانیوں سے بھر گئیں، وہ کچھ دیر انہیں دیکھتی رہی پھر رخ پھیر لیا۔

''چلے جائیں، مجھے آپ کی ضرورت نہیں ہے۔'' وہ چیخ پڑی، ایکدم بادل گرجے، اس کی آواز اس گرج میں دب گئی ایسی زوردار کڑک تھی اس چمکتی بجلی کی آواز میں، وہ ایک دم چیخ مار کر ہاتھوں میں چہرا ڈھانپ گئی، پورا وجود تھر تھر کانپ رہا تھا، سلیمان آگے بڑھے اور اسے بازوؤں کے حلقے میں بالکل ویسے سمیٹ لیا جیسے اس کے بچپن میں سمیٹ لیا کرتے تھے، اس کے اندر جنہوں کی تشنگی بلا کی پیاس جگی۔

''بہت خفا ہے میری بیٹی مجھ سے۔'' ان کی آواز میں درد پنہاں تھا، قدر نے تڑپ کر اس سے خود کو چھڑوایا۔

''نہیں...... بالکل بھی نہیں، میں تو آپ کو ذہنی بیماریوں کا شکار لگی تھی، آپ کی زندگی میں میری کوئی اہمیت ہی نہیں تھی، جبھی آپ نے کسی راہ چلتے کو پکڑا اور مجھے اس سے باندھ دیا، آپ نے مجھے سزا دی ہے نا پپا، میں سوسائیڈ کرنے لگی تھی، مگر جانتے ہیں میں کیوں رک گئی؟'' اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گر رہے تھے، سلیمان خان گم صم سا کن بیٹھے تھے، ان کے چہرے پہ ان

کہا دکھ رقم تھا۔

''اس لئے کہ اس سزا کو قبول کر کے آپ کو سزا دوں گی، قسم کھاتی ہوں پپا، ایسی زندگی جیوں گی کہ آپ تڑپ اٹھیں گے، آپ پچھتائیں گے آپ نے میرے ساتھ کیا کیا۔'' سر اٹھا کر شکوہ کناں آنسو سے لبریز آنکھوں سے انہیں دیکھتی وہ انہیں بہت دکھی بہت ضدی لگی، قد آدم شیشے کی کھڑکی کے ساتھ صوفے کے پاس کھڑی وہ انہیں خود سے کتنے فاصلے پہ لگ رہی تھی، یہ ان کا دل ہی جانتا تھا، بیڈ روم کی چھت سے لٹکتے فانوس کی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی، وہ زار و قطار رو رہی تھی، اس کا دوپٹہ اس کے کندھے سے ڈھلک کر اس کے قدموں میں ڈھیر ہو چکا تھا، زرد روشنی میں اس کے دودھیا بازو بھی زرد لگ رہے تھے، چہرے پہ اتنا کرب اور دکھ تھا کہ ان کا جی چاہا اٹھیں اور جا کر اسے گلے لگا کر چپ کروالیں، اس کا ماتھا ایسے والہانہ انداز میں چومیں کہ اس کے سارے گلے شکوے دور کر دیں، مگر وہ خود اتنا ٹوٹ چکے تھے کہ اب اسے تو کیا خود بھی اپنے آپ کو سمیٹ نہیں سکتے تھے، سب نے انہیں بہت دکھی کیا تھا، ان کے حوصلوں سے زیادہ مانگ لیا تھا، وہ بچی تھی، جذباتی تھی، سنبھل جاتی، جانتے تھے اس عمر میں دل جتنی جلدی ٹوٹتا ہے، اتنی ہی جلدی جڑ بھی جاتا ہے، وہ جانتے تھے، اپنے اس فیصلے کے آغاز سے ہی جانتے تھے کہ اس کے بعد وہ کتنی شاکی ہوگی، کتنا روئے گی، مگر کچھ فیصلے ناگزیر ہوتے ہیں، کرنے پڑتے ہیں، وقت کی سب سے بڑی ضرورت بن جاتے ہیں، انہوں نے گلا کھنکارا اور آہستگی سے مگر مضبوطی سے گویا ہوئے۔

''مجھ سے بدگمان نہ ہو بیٹے، یو نو واٹ پپا آپ سے بہت محبت کرتے ہیں اور......''

''پلیز...... انف...... مجھے اس دھوکے میں نہ رکھیں، میں مزید اس فریب میں آؤں گی بھی نہیں۔'' ان کی بات کاٹ کر وہ غرائی، وہ خاموش ہو گئے، اس وقت خاموشی ہی بہترین حل تھی، اس کا بخار نہیں ٹوٹتا تھا، ضدی اتنی تھی کہ کوئی میڈیسن لینے کو بھی تیار نہ تھی، آیا ماں ہر بار لاچار شکل بنا کر انہیں بتا جاتیں، وہ مضطرب ہوئے پھرتے، ان کی لاڈلی جس کی آنکھ میں آیا ایک آنسو بھی انہیں بے تحاشا بے قرار کر دیتا تھا وہ تین دن سے مسلسل رو رہی تھی اور وہ اس کے آنسو بھی نہیں پونچھ سکتے تھے، اول تو وہ سامنے نہیں آ رہی تھی، اگر سامنا ہوتا بھی تو انہیں بیٹی کی آنکھوں میں کرب اور شکوہ بیک وقت نظر آتا، ان کے لئے یہ آنکھیں غیر شناسا نہیں تھیں، انہوں نے ایسی آنکھیں اور یہ رنگ پہلے بھی دیکھے تھے اور پھر اس کے بعد تباہی تھی، بربادی تھی، وہ جیسے ایک دم تھک گئے، ان کے اٹھتے قدم سست پڑ گئے، دکھ میں ڈھیروں خوف بھی اتر آیا، انہوں نے سر اٹھا کر آسمان کی سمت دیکھا۔

''یا رب العالمین! میرے فیصلے کی لاج رکھنا صرف تو میری نیک نیتی سے آگاہ ہے۔''

رات کے اس پہر جب آٹھ بجے تھے اور تاریکی ہر سو پھیلی تھی، جھینگر دور بولتے تھے، وہ اپنے رب سے مخاطب تھا، التجا کر رہے تھے، گیٹ کے پار واچ مین الرٹ تھا، اطراف کے دونوں لان بارش سے خوب دھلے ہوئے تھے، ہری ہری گھاس کی رنگت مرکزی لائیٹس کی روشنی میں خوب کھل رہی تھی، ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی، انہوں نے گہرا سانس بھرا اور پھولوں کی خوشگوار باس کو اندر اتار لیا، لان کے ساتھ جاتی بجری کی ڈھلی ہوئی روش پہ وہ سنگ مرمر کے برآمدے تک آئے تھے کہ آیا

[redacted]

ماں نے آکر انہیں فون کی اطلاع دی، انہوں نے گہرا سانس بھرا، لینڈ لائن پہ تو انہیں آپا ہی کال کیا کرتی تھیں، تھکے ہوئے قدموں سے ٹیلی فون اسٹینڈ تک آئے۔

''السلام علیکم۔''

''ارے سلامتی کا ہے کو بھیجتے ہو ہم پہ، میرے بھائی، تم تو ہم پہ لعنت بھیج چکے اور اب بھی لعنت ہی بھیجو۔'' جواب میں آپا کی روتی کرلاتی آواز سننے کو ملی، وہ تو چھوٹتے ہی برس پڑی تھیں، سلیمان کی تھکاوٹ اور دکھ میں اضافہ ہوا۔

''کیا ہو گیا آپا، کیوں اتنی ناراض ہیں؟'' وہ سمجھ کر بھی انجان بنے، آپا تو جواباً پھٹ پڑی گویا، جبھی لتے لینے شروع کیے۔

''بہت خوب بیٹا، یہ بھی مجھ سے پوچھو گے، مون بتاؤ تم کس پہ چلے گئے؟ ہمارے خاندان میں تو دور تک کوئی اتنا کٹھور ایسا ظالم نہ تھا، بیٹی کو اٹھا کر جانے کس انجان نو دو لیتے کے حوالے کر دیا اور انجان بننے کی انتہا دیکھو ذرا سوال بھی مجھ سے کرتے ہو۔'' وہ ترشی سے بولیں، انداز بے حد تیکھا تھا، آواز سے لگتا تھا ابھی بھی رو رہی ہیں، سلیمان کی پیشانی پہ شکنیں ابھریں، انہیں یقیناً قدر نے بتایا ہوگا، انہیں بے تحاشا بے حساب غصہ چڑھا۔

''آئی تھنک اپنی بیٹی کی زندگی کا ہر فیصلہ کرنے کا حق محفوظ رکھتا ہوں۔'' ان کا لہجہ روڈ ہوا، آپا تڑپ اٹھیں۔

''اگر یاد ہو تو اس بیٹی کی زندگی کا فیصلہ تم برسوں قبل کر چکے تھے، اب تم سے زیادہ ہمارا حق تھا۔'' انہوں نے طنز سے بھرپور انداز میں جتلایا، اکتاہٹ الگ تھی، مون نے ہنکارا بھرا۔

''اگر آپ کو یاد ہو تو، آپ لاسٹ ٹائم وارننگ دے چکی تھیں اور معذرت کے ساتھ آپا، ابھی نکاح نہیں ہوا تھا قدر کا علی شیر سے کہ یہ حق مجھ سے آپ کو منتقل ہو گیا ہو۔'' جواباً وہ سرد مہری کی انتہا کو چھو آیا، دوسری جانب ایسے خاموشی چھا گئی جیسے لاجواب ہو گئی ہوں۔

''تم آج بھی وہی ہو پتھر کے پتھر مون، رشتوں کو کیسے لمحوں میں توڑ ڈالتے ہو، بے مایا کر جاتے ہو اور تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔'' انہیں اور کچھ نہ سوجھا تو دہائی دینے لگیں، الزام دھرنے لگیں، سلیمان کی آنکھیں جل اٹھیں مگر کچھ بولے نہیں۔

''علی شیر بہت جذباتی ہے، معلوم ہونے پہ اک طوفان اٹھا دے گا جانتی ہوں، تم نے کسی طور بھی اچھا نہ کیا مون۔'' ان کی آواز میں اضطراب در آیا تھا، سلیمان پہلی بار چونکے۔

''یہ آپ کا ہیڈک ہے آپ کا بیٹا آپا، میں بس اتنا جانتا ہوں اگر میری بیٹی کو اس سے معمولی سا بھی نقصان پہنچا تو میں ہرگز رشتے کا لحاظ نہیں کروں گا، سن لیں آپ۔'' انہیں اشتعال چڑھ گیا تھا، آپا چمک اٹھیں تھیں جیسے۔

''بتانے کی کیا ضرورت ہے میرے لال، کیا میں نہیں جانتی اپنی اوقات تمہارے سامنے۔'' وہ پھر رونے لگیں، سلیمان اب کے کچھ نہیں بولے، آپا نے خود ہی فون بند کر دیا تھا، سلیمان گم صم کتنی دیر وہاں کھڑے رہے، پھر اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔

☆☆☆

وصال رت کی وہ پہلی بارش ہی سرزش تھی
کہ ہجر موسم نے رستے رستے سفر کا آغاز کر دیا ہے
تمہارے ہاتھوں کا لمس جب بھی
میری وفا کی ہتھیلیوں پر حنا بنے گا
تو سوچ لوں گی
رفاقتوں کا سنہرا سورج غروب کے امتحان میں ہے
ہمارے ہاتھوں سے گر کبھی بھی
تتلیوں کی خوشبو گزر نہ پائے
تو یہ نہ کہنا کہ تتلیوں نے گلاب رستے بدل لئے ہیں
اگر کبھی کوئی شام یوں بھی اترے کہ جس میں ہم تم نکلیں پرائے
تو جان لینا کہ شام بے بس تھی شب کی تاریکیوں کے ہاتھوں
تمہاری خواہش کی بند مٹھیاں بے دھیانی میں کھلیں جو
تو یقین کرنا کہ میری چاہت کے جگنوؤں نے
تمہارے ہاتھوں کے لمس تازہ کی خواہشوں میں
بڑے گھنیرے اندھیرے کاٹے
مگر یہ خدشے یہ وسوسے تو تکلفا ہیں
جذبے ارادہ سفر پہ نکلیں تو یہ تو ہوتا ہے
یہ تو ہوگا
ہم اپنے جذبوں کو منجمد رائیگائیوں کے سپرد کر کے
یہ سوچ لیں گے کہ ہجر کا موسم
وصال کی پہلی شام ہی سے
سفر کا آغاز کر چکا تھا

علی شیر سے رابطہ کر کرنا کام ہوئی تو پھپھو کو کال کی تھی، ساری صورت حال انہیں بتائی، خوب روئی، یہاں تک کہ مدد کی اپیل بھی کر دی، علی شیر کا پوچھا، وہ کیا بتاتیں، وہ تو خود اس کی وجہ سے پریشان ہوئی بیٹھی تھیں، البتہ اس صورتحال نے سراسیمہ کر دیا، قدر نے طویل نظم اور کئی میسج اس کے لئے چھوڑے۔

”صورت حال بہت خراب ہے علی شیر۔“

”میں اب مزید یہاں نہیں رہ سکتی۔“

”کیا تم میری مدد کر سکتے ہو۔“

”تمہیں یاد ہے تم نے کہا تھا، اگر کوئی رکاوٹ آئی تو ہم بھاگ چلیں گے، میں اب تمہارے ساتھ بھاگنے کو بھی تیار ہوں۔“

”وہ شخص کچھ بھی ہو سکتا ہے مگر میرا باپ نہیں، بی کوز باپ ایسے نہیں ہوتے، اگر انہیں میری

پرواہ نہیں تو میں بھی انہیں بتاؤں گی مجھے بھی ان کی پرواہ نہیں، نکاح کی زنجیر میرے پیروں میں ڈال کر وہ اگر یہ سمجھتے ہیں مجھے بے بس کرلیا تو میں انہیں بتاؤں گی میں بے بس نہیں ہوئی۔"

وہ حد سے بڑھ کر جذباتی ہورہی تھی، الٹا سیدھا سوچ رہی تھی، شیطان اسے غلط راستے لجا کر آراستہ کرکے دکھا رہا تھا اور وہ دھوکے میں آرہی تھی، ایسا دھوکہ جس نے کبھی کسی کو فائدہ نہیں پہنچایا تھا، ہمیشہ گھاٹے میں رکھا تھا، وہ گھاٹا کھانے کو بھی تیار تھی، اس نے کہا تھا وہ خود کو برباد کرلے گی، وہ بربادی کے راستے پہ چلنے کو تیار تھی، ایک فیصلہ اس کی ماں نے غلط کیا تھا اور ساری زندگی تڑپی تھی، پچھتائی تھی، ایسا ہی فیصلہ وہ کرنے جارہی تھی، اس کے حصے میں کیا آنا تھا، مستقبل میں چھپا تھا، مستقبل جو اندھیرے میں چھپا تھا، نظر نہ آتا تھا۔

☆☆☆

ہمیں خبر ہے تمام دکھ ہے
یہ آس دکھ ہے تراش دکھ ہے
یہ تشنگی جو عذاب بن کے ٹھہر گئی ہے
بدن کے بوسیدہ ساحلوں پر
تو اس کا عدم دوام دکھ ہے
یہ شور کرتی ہوا کا سارا خرام دکھ ہے
ہمیں خبر ہے تمام دکھ ہے
یہ تم جو محبت نبھاتے ہو
تو اس محبت کا نام دکھ ہے
یہ وصل موسم جو اک مسلسل مغالطہ ہے
تو اس رفاقت کا نام دکھ ہے
اور اس وحشت نما فضا میں
خاموش رہنا بھی اک سزا ہے
مگر کسی سے کلام دکھ ہے
ہمیں خبر ہے تمام دکھ ہے

وہ بے سدھ کمرے میں پلنگ پر لیٹا تھا، کل جب فیب چوہدری کے پیچھے ان کے کمرے میں گیا ان تک اپنی بات پہنچانے کو تو ان کے چہرے پہ موجود سرد مہری گہری ہوگئی تھی۔

"کچھ مت کہو کہ مجھے سننے کی خواہش نہیں، طلاق کے پیپر تیار کررہا ہوں، سائن کردو اور وہ جو کوئی بھی ہے اس کے ایڈریس پہ بھیج دو، ہمارے ہاں شادی کا ہر فنکشن اپنے مقررہ وقت اور تاریخ پہ ہوگا، اب جاؤ مجھے اور کچھ نہیں سننا۔"

وہ کتنا بے بس ہوگیا تھا، ایکدم ہی اپنے کمرے میں پلٹ آیا، کمرا..... جہاں در آئی سورج کی کرنوں کا رنگ نارنجی تھا، عقب کی کھڑکی سے جہاں باڑا تھا، بھینسوں کے ڈکرانے کی آواز مسلسل آرہی تھی، کچھ دیر کھڑا وہ چھت پہ چلتے پنکھے کو دیکھتا رہا، پھر باہر آگیا، سارا صحن خالی تھا، ماند پڑتی

دھوپ بتاتی تھی کہ شام دیوار کے اس پار آ ٹھہری ہے، آوازیں پچھلے صحن سے آ رہی تھیں، اس لیے کمرے کی بغل میں اک پتلی سی گلی عقب کے احاطے میں جاتی تھی، وہ اسی سمت نکل آیا، کنیز اک بھینس کے نیچے بیٹھی دودھ دھوتی ہنس رہی تھی۔

''آپ لوگ کیا سمجھے مجھے یہ کام بھول گیا، اگر میری شہر کی جم پل بھر جائی یہاں آ کر یہ کام سیکھ گئی تو میں تو یہیں پیدا اور جوان ہوئی تھی، عمر گزری ایسے کاموں میں۔'' وہ بہت مہارت سے ہاتھ چلا رہی تھیں، سفید دودھ کی دھاروں سے جھاگوں جھاگ بالٹی بھرتی جا رہی تھی، غانیہ اور بچیاں بھی پاس تھیں، سب مسکرا رہے تھے، صرف غانیہ کے چہرے پہ فکر مندی تھی۔

''پپا آخر یہ عورتیں یعنی بیویاں بیٹوں کے جوان ہوتے ہی شوہروں کے سامنے اکڑ کیوں جاتی ہیں؟'' شانزے کی نظر اس پر پڑ گئی تھی، غانیہ کو نشانہ بناتی جان کر اس کی جان جلانے لگی۔

''آپ اس گتھی کو سلجھائیں بیٹے، میں تب تک ایک ٹرائی مار لوں، ہوں تو میں بھی ادھر کی جم پل پر لگتا ہے ہنر کھو بیٹھا ہوں۔'' کنیز کو اٹھاتے پھپھا خود ان کی جگہ جا بیٹھے، شانزے نے جتاتی نظروں سے اسے دیکھا، وہ اس کی سمت متوجہ ہی نہ تھا، بلکہ کہیں بھی متوجہ نہ تھا جیسے۔

''ویسے پپا یہ حقیقت ہے کہ کچھ لوگ خفا ہو کر زیادہ حسین لگتے ہیں۔'' اس نے باپ کی طرف دیکھ کر حمدان کو آنکھ ماری، ایسی بے ہودہ بے تکی بات پہ اس کے پپا ہی ہنس سکتے تھے جبھی صرف وہی ہنستے نظر آئے۔

کچھ لوگ روٹھ کر بھی لگتے ہیں کتنے پیارے
چپ رہ کے بھی نظر میں ہیں پیارے کے اشارے
کچھ لوگ ....

وہ پھر بے قابو ہونے لگی، ماحول اور لوگوں کی پرواہ کیے بغیر، حمدان نے وہاں سے ہٹ جانا ہی مناسب سمجھا، جبھی پلٹ کر چل دیا مگر وہ باز آنے والوں میں سے تھی نہ ہار تسلیم کرنے والوں سے جبھی پیچھے سے ہانک لگا رہی تھی۔

مورا سیاں موسے بولے نہ
میں لاکھ جتن کر ہاری

حمدان کے دل میں نفرت بغاوت اور سرکشی سر اٹھانے لگی، جی میں آئی گھر سے بھاگ جائے، کیسے تھے اس کے رشتے، اپنی عزت اپنی ساکھ کی پرواہ تھی ہر کسی کو، اس کی بھلا کس نے پرواہ کی، کس نے خیال کیا، وہ بھلا آدمی، جس کے نام جس کے کام سے لے کر شخصیت تک کا وہ مداح تھا، اس پہ اگر اس نے اعتماد کیا تھا، اتنا بڑا بھروسہ کیا تھا تو اس بھروسے کے دھجیاں اڑا دیتا، یہی چاہتے تھے اس کے گھر والے، کسی نے اس کی بات تک سننا گوارا نہ کی تھی، پھر وہ کیوں کسی کا خیال کرے، واپس کمرے میں آیا تو طلاق کے پیپرز سامنے پڑے تھے، اس کے اندر طیش کی ایک لہر اٹھی، وہ آگے بڑھا اور پیپرز دو ٹکڑے کر دیئے، ساری رات کشمکش اور اضطراب میں گزری، رات جس میں مایوں کی رسم کا بلہ گلہ تھا، وہ چھت پہ ٹہلتا سگریٹ پھونکتا رہا، تھک گیا پاؤں شل ہوئے تو وہیں چارپائی پہ گر کر سو گیا، جانے کب تک سویا، اٹھا تو سورج کی کرنیں اپنی بے رحم تپش سے اس کا چہرا

جھلسا رہی تھیں، نیچے اتر کر آیا تو پہلا سامنا ہی منیب چوہدری سے ہو گیا۔

”پیپرز بھجوا دیئے ہوں گے تم نے یقیناً......؟“ ان کا انداز حتمی تھا، حمدان کو زندگی میں پہلی بار وہ اتنے سفاک اتنے جابر لگے کہ دل رو دیا، خون ہو اٹھا، وہ کیسے سمجھتے وہ ان کے لئے کیا تھی، وہ محبت کو کیا گھاس ڈالتے تھے بھلا، اس نے اپنے باپ جیسا سنگلاخ دل رکھنے والا کوئی دوسرا انسان نہ دیکھا تھا۔

”بولے نہیں آپ حمدان منصف۔“ وہ بہت غصے میں ہوتے تو اسے ایسے ہی بلاتے تھے، اس وقت غصہ سوا نیزے جا پہنچا تھا۔

”میں نے ابھی پیپرز سائن نہیں کیے۔“ اس کا نظریں جھکا جانا انہیں سراسر سرکشی و نافرمانی محسوس ہوا جبھی گرج اٹھے۔

”میں آپ کی مرضی کے خلاف کبھی نہیں چلا پپا، ریکوسٹ ہے ایک بار بات ضرور سن لیں، پھر آپ کا ہر فیصلہ قبول کروں گا، اس لئے بھی کہ اگر نقصان میرا ہو گا تو اس میں حصہ آپ کا بھی لازمی نکلے گا اب کے، چاہے وہ کیریئر کی تباہی کا ہی کیوں نہ ہو۔“ وہ بولا تو اس کا لہجہ نا چاہتے ہوئے بھی سرد پن اور گہری کاٹ سمیٹ لایا تھا، جواباً وہ اسے قہر بار نظروں سے اسے گھورنے لگے۔

”دھمکیاں دیتے ہو باپ کو، بہت خوب، کیا سمجھوں کہ جو تمہارے پیچھے ہے وہ ایسا اعلیٰ تربیت یافتہ ہے کہ اس نے تمہیں باپ سے گستاخی کرنا بھی سکھا دیا۔“ ان کی ملامت میں تضحیک کا رنگ بھی نمایاں تھا، حمدان ایک دم سرخ پڑا۔

”پپا...... پلیز...... آپ زیادتی کر رہے ہیں۔“ اس کا لہجہ و انداز احتجاجی ہوا، منیب چوہدری طنزیہ مسکرائے۔

”اب تو اور بھی پتا نہیں کیا کچھ اور برداشت کرنا پڑے گا بیٹے، بی کوز اب تم ہم سے زیادہ کسی اور کے پیارے ہو چکے ہو۔“ خاردار نظریں اس پہ جمائے وہ اسے مسلسل جھاڑ رہے تھے، اپنے مخصوص بدگمان گھن گرج کے انداز میں، حمدان کے چہرے پہ بے بسی کا واضح رنگ چھلکا، اس نے ہونٹ بھینچ رکھے۔

”ٹھیک ہے بھئی، اگر تم مصر ہو کہ ہمیں اپنی رام اسٹوری ضرور سناؤ گے تو سناؤ، ہم سنیں گے کہ اس کے سوا چارہ نہیں۔“ وہ اس کے ہمراہ کمرے میں آ گئے، حمدان کو خفت و توہین کے ساتھ سبکی کے احساس نے بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا، اس کے ہونٹ ہنوز بھینچے ہوئے تھے، منیب چوہدری صوفے پہ بیٹھ کر سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔

”اب بولو بھی۔“ اس کی مسلسل خاموشی پہ وہ جھلائے برس پڑے۔

”میری کوئی رام اسٹوری نہیں ہے پپا، مجھے افسوس ہے کہ آپ مجھے سمجھ نہ سکے، ایی ہاؤ، یہ نکاح میری رضا مندی اور کسی بھی منصوبے کے خلاف ہوا بلکہ توقع کے بالکل برخلاف ہوا ہے، میرے تو تصور تک بھی نہ تھا کہ......“

”ایسی کون سی شہزادی ہاتھ لگ گئی کہ اتنی لمبی تمہید باندھ رہے ہو حمدان میاں......“

”خیر میرے کیریئر کے نقصان کا کیا مطلب تھا تمہارا......؟“ اس کی بات کاٹ کر وہ پھر طنز

گوئی پہ اترتے سوال کر گئے۔

"آپ کی سیاسی پارٹی کے چیئرمین سر سلیمان خان کے بابت کہہ رہا تھا، وہ فطرتاً ایسے آدمی تو نہیں ہیں کہ ذاتی عناد کو اس معاملے میں لے کر آئیں مگر معاملہ بہت نازک بھی ہے، بیٹی پہ داغ لگانے والے کو وہ بہرحال ملنا بھی پسند نہیں کریں گے کہ یہ معاملہ......؟"

"کیا بک بک کر رہے ہو حمدان...... تمہارا دماغ چل گیا ہے، ان کا بیچ میں کہاں سے ذکر آ گیا؟" وہ چڑ گئے، اسے غصے سے گھورا، حمدان بہت تحمل سے سکون سے مسکرایا۔

"اس لئے کہ انہی کا ذکر خیر ہے، یعنی نکاح ان کی بیٹی سے ہوا ہے اور ان کی مرضی سے ہوا ہے، میرا مطلب ہے انہوں نے خود کرایا ہے، میں نے کہا نا، میرے تو گمان تک بات نہ تھی، مگر پپا جب انہوں نے خود بلا کر مجھے فوری نکاح کا کہا تو بتائیں ان کی پرسنالٹی ایسی ہے کہ انہیں انکار کیا جاتا؟" وہ بول رہا تھا، وہ اور بھی کچھ کہہ رہا تھا، مگر منیب چوہدری ششدر بیٹھے تھے، غیر یقینی کا عالم ایسا تھا کہ وہ حرکت کرنے کے قابل بھی نہ رہے۔

"خود سوچیں پپا، میری جگہ اگر یہ بات وہ آپ سے کرتے کہ اپنی بیٹی کا نکاح کسی ایمرجنسی کے باعث آپ کے بیٹے سے کرنا چاہتے ہیں تو کیا آپ تھے اس پوزیشن میں کہ انکار کر دیتے؟ اس کے باوجود بھی کہ میری شادی سر پہ تھی؟" ان کے سکتہ زدہ چہرے پہ نظریں جمائے وہ بہت سنجیدگی سے سوال پہ سوال داغ رہا تھا، ان کے چہرے پہ تغیر چھا گیا، وہ تو ان کا بیٹا تھا، ان سے عمر میں تجربے میں بہت پیچھے وہ خود سلیمان خان کی قربت میں آ کر اپنی ہر حس کو ان کے رعب حسن اور پرسنالٹی کی تمکنت کے آگے مفلوج محسوس کرتے تھے، جانے کیسا سحر تھا ان کی شخصیت میں کہ ہر آدمی ان کے سامنے بے بس ہو جاتا تھا جیسے۔

"وہ نہیں جانتے میں آپ کا بیٹا ہوں، شاید اگر واقف ہوتے تو نکاح میں آپ کی شمولیت لازم کر دیتے، بہرحال، حقیقت سامنے آ گئی ہے اب آپ کے، فیصلہ سنائیں مجھے آپ ہرگز اپنی مرضی کے خلاف چلتا نہ پائیں گے۔" اب کے بات کے اختتام پہ وہ مسکرایا تھا، شاید باپ کے تاثرات سے اخذ کر پایا تھا، وہ طنطنہ وہ اکڑ اب قائم نہیں، اس نے سارا بوجھ ان پہ لاد دیا، خود بری الذمہ ہو کر ہاتھ جھاڑ لئے تھے، منیب چوہدری کے وجود میں خفیف سی جنبش ہوئی اگلے لمحے وہ متغیر چہرے کے ساتھ اٹھ کر وہاں سے چلے گئے، حمدان کے اندر پھر اضطراب دوڑنے لگا، جانے وہ کیا حکم دیں، اس کا دل تذبذب میں پھنسا شدید گھبراہٹ کا شکار ہوتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

چلو اس کوہ پر ہم بھی چڑھ جائیں
جہاں جا کے پھر کوئی بھی واپس نہیں آتا
سنا ہے اک ندائے اجنبی بانہوں کو پھیلائے
جو آئے اس کا استقبال کرتی ہے
اسے تاریکیوں میں لے کر آخر ڈوب جاتی ہے
یہی وہ راستہ ہے جس جگہ سایہ نہیں جاتا

جہاں پہ جا کے پھر کوئی کبھی واپس نہیں آتا
جو سچ پوچھو تو ہم زندگی بھر ہارے آئے
ہمیشہ بے یقینی کے خطر سے کانپتے آئے
ہمیشہ خوف کے پرانہوں سے اپنا پیکر ڈھانپتے آئے
ہمیشہ دوسروں کے سائے میں اک دوسرے کو چاہتے آئے
برا کیا ہے اگر اس کوہ کے دامن میں چھپ جائیں
جہاں پہ جا کے پھر کوئی کبھی واپس نہیں آتا
کہاں تک اپنے بوسیدہ بدن محفوظ رکھیں گے
کسی کے ناخنوں کا ہی مقدر چاک لینے دو
کہاں تک سانس کی ڈوری سے رشتے جھوٹ کے باندھیں
کسی کے پنجہ بے دردی سے چھوٹ جانے دو
پھر اس کے بعد تو اک سکوت مستقل ہوگا
نہ کوئی سرخرو ہوگا نہ کوئی مستقل ہوگا

جب وہ علی شیر کی طرف سے مکمل طور پہ مایوس ہو کر مایوسی کی انتہا پہ کھڑی زندگی ہار جانے کا فیصلہ کر رہی تھی تب ہی اچانک علی شیر کی واپسی نے زندگی کے جمود پر ہلچل مچا دی، پہلے تو اسے خوب سنائیں، خوب برسا گرجا، طعنے دیئے، دل کا ابال نکل گیا تب سوال جواب کا سلسلہ شروع ہوا۔

”نکاح ہو گیا ہے؟“

”جی!“ اس نے سسکی دبائی، گویا کراہی، اس اقرار میں کیسی اذیت تھی، یہ بس وہ جانتی تھی۔

”تو پھر اب میری کیسی مدد کی خواہش ہے تمہیں؟“ وہ پھر طنزیہ اترا، قدر کٹ کی مر گئی۔

”تو کیا تم نہ کرو گے؟ ایک تم ہی تو تھے کہ جس پہ میں......“

”اچھا اچھا بس...... اب زیادہ جذباتی نہ ہو، جس وقت میں کہتا تھا یہ بات تب تم اور ہی ہواؤں میں تھیں، اب کیسے بھگا کر لے جاؤں جبکہ کسی اور کے نکاح میں ہو، کیس بنے گا بہت پکا جبکہ میری نئی نئی سیاسی ساکھ بن رہی ہے، میں یہ رسک کیسے لے لوں۔“ وہ مفاد پرستی کی حد کو چھو آیا، قدر حق دق بیٹھی تھی، سب کچھ دماغ سے دو فٹ اوراوپر سے ہو کے گزر گیا تھا جیسے۔

”سیاسی ساکھ؟“ وہ زیر لب بولی، علی شیر کھنکارا۔

”تمہارے ابے نے ٹکٹ نہ دیا تو کیا ہوا، مخالف پارٹی نے ہاتھوں ہاتھ لیا ہے مجھے۔“ وہ فخر سے بتا رہا تھا، قدر نے متاسفانہ سانس بھری۔

”پپا کو کیا فرق پڑا، انہیں تو تم سے رشتہ ٹوٹنے کا بھی فرق نہیں پڑا تھا۔“ وہ رنجیدہ اور یاس زدہ تھی۔

”ان باتوں کو چھوڑو، اگر تمہیں واقعی میری ہیلپ چاہیے تو اس آدمی سے جان چھڑوانے میں پھر ہی کچھ کر سکتا ہوں۔“ علی شیر نے بات بدل دی، قدر چونک گئی۔

’’کس آدمی سے؟‘‘ جانے وہ بے خیال تھی یا پھر واقعی نہ سمجھ پائی، علی شیر جھلا گیا۔

’’دھیان کہاں ہے تمہارا؟ اسی میں تو نہیں اٹکا؟‘‘ وہ پھنکارا، قدر پھر گھبرائی۔

’’کس میں؟‘‘

’’تمہارے شوہر نامدار میں اور کس کی بات کروں گا۔‘‘ علی شیر کا موڈ برہم تھا، بات بات پہ کاٹنے کو دوڑ رہا تھا، قدر کو شاک سا لگا، وہ دکھ سے شق ہونے کو ہوئی۔

’’اگر ایسا ہوتا تو میں تم سے مدد مانگتی؟‘‘ وہ رو ہی پڑی تھی، علی شیر کو پھر بھی شرمسار نہ کر پائی۔

’’بھئی ہو سکتا ہے محبت وحبت کا چکر چل گیا ہو، کیا پتا چلتا ہے۔‘‘ اس کا انداز انتہائی سطحی تھا، قدر گنگ ہونے لگی۔

’’پھر میں کیسے یقین کرلوں کہ صرف نکاح ہی ہوا اور کچھ نہ ہوا تم لوگوں کے بیچ۔‘‘ اگلی بات نے قدرے کے چودہ طبق روشن کر ڈالے، فون اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا، اگلے لمحے وہ بلبلا اٹھی تھی۔

’’میں نے اس شخص کو دیکھا تک نہیں، نام تک سے واقفیت نہیں، تم ایسے چیپ الزام لگا رہے ہو، علی شیر اگر تمہیں مجھ پہ اعتماد نہیں تو اس بات کو یہیں ختم ہو جانا چاہیے۔‘‘ اس کا ماتھا شکنوں سے اٹ گیا تھا، چہرا تن گیا، آنکھوں کا سرد تاثر گہرا ہو گیا، اس نے خود پہ لعنت بھیجی، وہ آزمائے ہوئے کو آزما کر صرف اپنی تذلیل کر رہی ہے اور کچھ نہیں۔

’’اچھا ٹھیک ہے بھئی، تم تو مائینڈ ہی کر گئیں، ویسے اتنا جھوٹ بھی نہ گھڑ واؤ کے، کیسے مان لوں کہ تم نہیں جانتی جبکہ تم تو اس سے ملتی بھی رہی ہو، اپنی گنہ گار آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں تمہیں اس کے ساتھ، یاد ہے جب مجھے چھوڑ کر اس کے ساتھ چلی گئی تھیں تم، مجھ پہ اسے ترجیح دی تو آج یہ دن دیکھ رہی ہو کہ وہ دو ٹکے کا معمولی ایس پی تمہاری زندگی کا مالک بن کر بیٹھ گیا ہے۔‘‘

زہر پھانکنے والا شیرینی کیسے بانٹ سکتا ہے، کانٹے بونے والا پھول کی قدر سے کیا واقف ہو گا، یہی مثال علی شیر کی تھی، اس کی فطرت میں ہی بدی تھی، اس سے نیکی کی توقع عبث تھی، انکشاف اور طعنے ایسے انداز میں ایسے موقع پہ دیئے گئے تھے جہاں برداشت کی کمی اور بے وقوفی وجذباتیت کی توقع زیادہ تھی، وہ تو سن کر ہی چکرا گئی، ایک بار پھر شاک میں آ گئی، باپ پہ موجود غم وغصہ رنج و ملال میں اضافہ ہوا، دکھ سوا ہو گیا، قسمت پھوٹنے کا یقین اتنا گہرا تھا کہ اب کوئی کچھ بھی کر لیتا اسے اعتبار نہیں آ سکتا تھا۔

’’اب کیوں سانپ سونگھ گیا؟ سچ ہضم کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا اب مجھے اندازہ ہوا ہے۔‘‘ وہ ہنسنے لگا، گویا اس کا مذاق اڑا رہا تھا، یعنی اسے جھوٹا ثابت کرنے پہ خوش ہو رہا تھا، وہ اس شاک سے نکلتی تو کوئی ردعمل بھی دینے کے قابل ہوتی۔

’’تم...... بات نہیں کرنی تو سیدھی طرح فون بند کرو، یہ کون سا طریقہ ہے کس مہذب انسان کا ٹائم ضائع کرنے کا، میرا وقت ہرگز بھی اتنا فالتو نہیں ہے کہ یوں برباد کرتا پھروں۔‘‘

’’اللہ اللہ ایسا تکبر۔‘‘ قدر حواسوں میں ہوئی تو اس کی شوخیوں پہ ہنستی ضرور، اب تو یہ حال تھا کہ اس کی ہنسی اڑائی جا رہی تھی اور وہ کچھ کرنے کی کہنے کی پوزیشن میں نہ رہی تھی، جیسے ایک غضب

کی فراڈ اور جھوٹی پارٹی کا معمولی سا کارکن بننے پہ، وہ اوقات سے نکل رہا تھا، کچھ ایسا مضائقہ بھی نہ تھا، اس پارٹی کا حصہ تھا تو ایسا ہی ہو سکتا تھا، ایک سے ایک بدزبان سفارشی رانی اور رشوت خور منی لانڈرنگ کے مانے دھانے نام اسی پارٹی کا حصہ تھے، پاکستان کا آدھا گند وہاں جمع ہو گیا تھا، آدھا پورے پاکستان میں پھیلا تھا۔

”تمہیں...... کس نے کہا کہ۔“ وہ بولنے کے قابل نہیں ہو پا رہی تھی، زبان لڑکھڑا گئی، آنکھیں پانیوں سے لبریز ہو رہی تھیں۔

”کیا کس نے کہا؟“ علی شیر کا لہجہ تیکھا انداز کاٹ دار طنز سموئے تھے، قدر نے ہچکی سی بھری۔

”یہی کہ نکاح جس سے ہوا وہ...... حمدان ہے۔“ اس کے حلق میں کڑواہٹ سی کڑواہٹ گھلی تھی، پورا وجود زہریلا ہوتا جا رہا تھا، جواباً علی شیر طنزیہ حقارت آمیز انداز میں کتنی دیر ہنستا رہا۔

”مجھ سے کیا چھپا ہے بھلا؟ تمہارا اور تمہارے باپ کا تو بالکل بھی کچھ نہیں چھپا، کہو تو بتا دوں کہ تمہارا ابا جس بدقماش عورت سے اب شادی کرنے والا ہے، اس کے کرتوت کیا ہیں اور اس کے معاشقے اور تعلقات کس کس سے رہ چکے ہیں؟“

”نہیں...... اس کی قطعی ضرورت نہیں، مجھے اس سب سے کچھ لینا دینا نہیں، میں بس اتنا جانتی ہوں، وہ شخص میرا باپ نہیں ہو سکتا، میرا باپ ہوتا تو ایسا خنجر نہ کبھی گھونپتا میری پشت میں۔“

وہ پھر اسی بدگمانی کی سرحد پہ جا کھڑی ہوئی، وہ پھر نیر بہا رہی تھی، علی شیر کے دل کو انوکھی تقویت ہوئی، یوں گویا مقصد پورا ہوا ہو، دلی مراد بھر آئی ہو۔

”چلو اچھی بات ہے تمہیں یقین تو آیا، ورنہ میرے کچھ کہنے پہ تو تم آنکھیں ایسے ماتھے پہ رکھ کے باپ کی سائیڈ لیا کرتی تھیں گویا مجھ سے کوئی تعلق واسطہ نہیں ہے۔“ لوہا گرم دیکھ کر وہ اور چوٹیں مار رہا تھا، قدر کچھ نہ بولی، آنسو بہاتی رہی، خودترسی کے ایسے مقام پہ کھڑی تھی وہ جہاں انسان خود اپنے پیروں پہ کلہاڑی مارنے سے بھی گریز نہیں کرتا۔

”علی...... پلیز ان باتوں کو چھوڑو، مجھے بتاؤ اب مجھے کیا کرنا چاہیے، اس شخص سے اتنی چڑ ہے مجھے کہ ہرگز اسے اس بندھن میں قبول نہیں کر سکتی۔“ روہانسی ہوتی ہوئی وہ مدد بھی اس سے مانگ رہی تھی، جو اس کا خیرخواہ نہیں تھا، جو اول روز سے اسے اندھے کنویں کی طرف گھسیٹنے کی کوشش کر رہا تھا، مقام افسوس تھا کہ وہ خود اسے موقع فراہم کر رہی تھی کہ وہ اپنے مذموم ارادوں میں کامیاب ہو جاتا۔

”ایک منٹ، ایک منٹ، مجھے ایک بات کی وضاحت تو ضرور کر دو تم پہلے۔“ وہ بدک سا گیا، خاصے تلخ انداز میں ٹوکتا ہوا بولا تو قدر حیران ہوئے بغیر نہ رہی۔

”تمہیں اس سے صرف چڑ ہے؟ اگر صرف چڑ ہے تو اس مشقت میں نہ پڑو بہتر ہے، بی کوز چڑ تو بہت آسانی سے ختم ہو جائے گی اور محبت۔“

”علی شیر...... شٹ اپ۔“ وہ اتنا برہم ہوئی کہ اس کی بات کاٹ دی، دانت کچکچانے کی آواز علی شیر نے بھی سنی۔

”کیا تم اس سے نفرت کرتی ہو؟“

''ہاں میں اس سے بہت نفرت کرتی ہوں۔'' وہ بلا جھجک بولی، اب کے علی شیر مطمئن ہوا تھا اور اسے گلا لائحہ عمل بتانے لگا۔

''سب سے پہلے تو تم بالکل ریلیکس ہو جاؤ، بالکل نارمل، ایسے کہ ماموں کو شک نہ ہو تم کچھ بڑا کرنے والی ہو، سمجھ رہی ہو۔'' قدر غور سے سن رہی تھی، متفق نہ ہوتے ہوئے بھی ہنکارا ابھرا۔

''اس سے اگلا اسٹیپ تم ایس پی سے رابطہ کرنے کا لو، اسے ایسے انداز میں ٹریٹ کرو کہ اسے لگے تم اس کی مردانگی پہ حملہ آور ہو رہی ہو، قدر ایک بات یاد رکھنا، مرد اس عورت سے کبھی محبت نہیں کرتا جو اس کی عزت نہ کرے، اس عورت سے کبھی گھر نہیں بساتا جو اس کی تذلیل سے راضی ہو، تم یہ ہی کام کرو، اسے کسی بھی طرح اس نہج پہ لے آؤ کہ وہ تمہیں خود چھوڑ دے، اس کے بعد میں تمہیں اپنانے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگاؤں گا۔'' قدر نے گہرا سانس بھرا تھا اور چند ثانیے خاموش رہی، پھر جیسے جھجک کر گویا ہوئی۔

''کیا پھر ہم اچھی زندگی گزار سکیں گے علی شیر؟ آئی مین تم مجھے ایسے ہی ایکسپٹ کر لو گے جیسے اس صورت میں کرتے کہ یہ شخص میری زندگی میں نہ آیا ہوتا۔''

اسے بہت سے خدشات لاحق تھے، تحفظات تھے، علی شیر کے چہرے پہ جوابی ابھرنے والی مسکراہٹ اگر وہ دیکھ لیتی تو کوئی حماقت کیے بغیر قدم یہیں سے موڑ لیتی مگر اس کی بدقسمتی تھی کہ بربادی اس کے سر پہ کھڑی تھی۔

''کیونکہ فکر کرتی ہو میری جان، تمہیں مجھ پہ بھروسہ نہیں ہے۔''

''بھروسہ نہ ہوتا تو یہ سب نہ کرتی۔'' وہ فی الفور بولی اور علی شیر کو مطمئن کر گئی۔

''گڈ گرل، اب رکھتا ہوں، اپنا خیال رکھنا مجھے امید ہے، تم مجھے بہت جلد یہ گڈ نیوز سناؤ گی۔''

مطلب پورا ہوتے ہی اس نے رابطہ کاٹ دیا، قدر بعد میں بھی کتنی دیر فون ہونٹوں کے ساتھ ٹکائے اس کی بتائی باتوں کو سوچتی رہی، خود کو نارمل شو کرنا سب سے دشوار تھا، مگر وہ سب دشواریوں سے گزرنے کا عزم پختہ کر چکی تھی اب۔

☆☆☆

میرے بے خبر تجھے کیا خبر
تیری آرزوؤں کے روش پر
تیری کیفیات کے جام میں
میں جو کتنی صدیوں سے قید ہوں
تیرے نقش ہیں تیرے نام ہیں
میرے خواب میری کہانیاں
میرے زائچے میرے راستے
میرے لیکھ کی یہ نشانیاں

تیری راہ میں ہیں رکی ہوئی

کہیں آنسوؤں کی قطار میں
کبھی پتھروں کے حصار میں
کبھی دہشت ہجر کی رات میں
کسی بدنصیبی کی گھات میں
کئی رنگ دھوپ میں جل گئے
کئی چاند شاخ کے قیام میں
تیرے درد کے درو بام میں
کوئی کب سے ثبت صلیب ہے
تیری کائنات کی رات میں
تیرے اژدہام کی شام میں
تجھے کیا خبر تجھے کیا پتہ

بالکونی میں اندھیرا تھا، وہ وہیں کھڑا تھا، اندھیرے کا ہی کوئی حصہ معلوم ہوتا ہوا، ہاتھ میں چائے کا کپ تھا جو کب کی ٹھنڈی ہو چکی تھی، لبوں کے بیچ سلگتا ہوا سگریٹ جس کے سرے پہ بجھتی راکھ کا حصہ بڑھتا جا رہا تھا، وہ خود سے اتنا غافل تھا جب کوئی سیڑھیاں چڑھتا نزدیک آن رکا۔

''بھائی...... یہ حرم تھی؟'' اس کے پکارنے پہ وہ ہڑبڑا سا گیا، پہلے سگریٹ نیچے پھینکا پھر اس کی جانب مڑا۔

''ممی نے جو کچھ مجھے بتایا وہ بہت حیران کن ہے، بہرحال اس موضوع پہ بعد میں بات کریں گے، ابھی تو آپ فوری نیچے چلیں، پپا بلا رہے ہیں۔''

اس کے بلا دیئے کے ساتھ ہی اس کا تھم تھم کرتا دھڑکتا دل خدشات میں ڈوبا ہوا دل یکلخت دھڑکنا چھوڑ بیٹھا، اس خوف کے عالم میں کہ جانے اب وہ کیا فیصلہ کریں، اگر انہوں نے اب بھی بھانجی کی محبت کو مقدم رکھا تو اسے ہر صورت قدر سے دستبردار ہونا پڑنا تھا۔

(جاری ہے)

☆☆☆

وہ جو جستجو کا نور تھا

خدیجہ اسحٰق

''بابا میں سچ کہہ رہی ہوں میرا ان سب چیزوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔'' اس نے اپنے باپ کے ہاتھ میں پکڑے کارڈز اور لیٹرز کی طرف اشارہ کیا۔

''اگر تم ان سب چیزوں سے بے خبر ہو تو یہ کارڈز اور خط تمہارے کمرے میں کیا کر رہے تھے؟'' صائمہ بیگم درشتی سے بولیں۔

''مجھے نہیں معلوم کہ یہ کارڈز کس نے رکھے ہیں میرے کمرے میں کیا کر رہے ہیں، آپ سب کو مجھ پر بھروسہ نہیں ہے؟'' اس کی آنکھوں میں ابھی تک بے یقینی تھی کوئی اس پر اس قدر بے ہودہ الزام کیسے لگا سکتا ہے۔

''ارے جب اس لڑکے نے باعزت طریقے سے رشتہ بھیج دیا تھا تو تب تم نے انکار کیوں کیا؟'' صائمہ بیگم اس معاملے کو سلجھانے کی بجائے اور بڑھا رہی تھیں۔

''جب میں نے صاف صاف رشتے سے انکار کر دیا تھا تو مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں اس سے چوری چھپے کوئی تعلق رکھوں۔'' وہ اپنے ہی گھر والوں کو اپنے کردار کی صفائی دینے پر مجبور تھی۔

''یہی تو میں کہہ رہی ہوں ایسی کیا مجبوری تھی جو تم نے یہ نیچ کام کیا؟''

''پھپھو آپ سمجھ کیوں نہیں رہیں میں نے کوئی غلط کام نہیں رہی بات ماننے کی تو جب میں نے ایسا کوئی گھٹیا کام کیا ہی نہیں تو میں کیوں مانوں؟'' اسے اپنے گالوں پر نمی محسوس ہوئی تو اسے احساس ہوا کہ وہ رو رہی ہے۔

''واہ بھئی واہ دیکھ رہے ہیں بھائی صاحب کس قدر ڈھٹائی سے کھڑی ہو کر بات کر رہی ہے ایک تو چوری اوپر سے سینہ زوری۔'' صائمہ بیگم کا بس نہیں چل رہا تھا کہ آگے بڑھ کر اسے دو چار تھپڑ لگا دیں۔

مکمل ناول

‘‘بس پھپھو بہت ہو گیا اب میں اپنے یا اپنے کردار کے بارے میں آپ کے منہ سے ایک لفظ نہ سنوں۔’’ وہ چیخ کر بولی ماحول میں عجیب سی وحشت تھی۔

‘‘کیوں ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں تمہاری بد کرداری سب کے سامنے نہ آ جائے۔’’ صائمہ بیگم نے طنزیہ مسکراہٹ چہرے پر سجائی۔

‘‘پھپھو مجھے فورس نہ کریں کہ میں بھول جاؤں کہ آپ میرے لئے کتنی قابل احترام ہیں اور میں آپ کو جواب دینے کی پابند نہیں ہوں۔’’ وہ پھٹ پڑی تھی اس نے زندگی میں پہلی بار اپنی پھپھو سے یوں بات کی تھی۔

‘‘دیکھ رہے ہیں بھائی صاحب اپنی لاڈلی کو کس لہجے میں بات کر رہی ہے مجھ سے؟’’

‘‘بابا آپ ان سب کی باتوں پر یقین نہ کریں آپ میری طرف دیکھیں کیا آپ کو اپنی علیزے ایسی لگتی ہے۔’’ علیزے نے آگے بڑھ کر اپنے ہاتھوں سے ان کا چہرہ اپنی طرف کیا۔

‘‘بہت خوب اب تم بھائی صاحب کو ایسے اپنی باتوں میں الجھاؤ گی۔’’ صائمہ بیگم نے پھر لقمہ دیا، پورے گھر میں صرف ان دو نفوس کی آوازیں گونج رہی تھیں، باقی نائلہ شفیق صاحب اور بی گل تو خاموش تماشائی تھے۔

‘‘پلیز کیپ کوائٹ آپ کو نظر نہیں آ رہا کہ میں اس وقت اپنے بابا سے بات کر رہی ہوں۔’’ علیزے دھاڑی تھی اس وقت وہ کسی کا لحاظ کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

‘‘کیا کل تم اس لڑکے سے ملنے گئی تھی؟’’ شفیق صاحب پہلی بار کچھ بولے تھے۔

‘‘میں اس سے ملنے کے لئے نہیں گئی تھی بابا، مجھے نائلہ نے کال کر کے کیفے بلایا تھا جب میں وہاں گئی تو نائلہ اور علی وہاں پہلے سے ہی موجود تھے۔’’ علیزے مضبوط لہجے میں بولی، اسے اپنے بابا کو یقین دلانا تھا کہ وہ بد کردار نہیں بلکہ باکردار ہے باقی جو اس کے بارے میں سوچتا ہے سوچتا رہے اس کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔

‘‘تم اتنی گھٹیا ہو سکتی ہو میں نے کبھی نہیں سوچا تھا، تم اپنا آپ بچانے کے لئے میری بیٹی پر جھوٹا الزام لگا رہی ہو۔’’ صائمہ بیگم کی زبان بھلا کہاں بند ہو سکتی تھی اور تب تو بالکل بھی نہیں جب بات ان کی اکلوتی بیٹی کی ہو۔

‘‘صائمہ تم دس منٹ کیا اپنی زبان بند نہیں رکھ سکتی؟’’ شفیق صاحب غصے سے بولے، صائمہ بیگم کی پھر ہمت نہیں ہوئی بولنے کی۔

‘‘نائلہ ادھر آؤ مجھے بتاؤ جو علیزے کہہ رہی ہے کیا وہ سچ ہے؟’’ شفیق صاحب بات کو طول دینے والے آدمی نہیں تھے، انہیں بس ایک چیز سے نفرت تھی اور وہ تھا دھوکہ جو ان کو دھوکا دیتا تھا وہ پوری زندگی اس کی شکل دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔

‘‘خاموش کیوں ہو نائلہ بتاؤ بابا کو کہ تم نے مجھے کیفے بلایا تھا؟’’ علیزے کو نائلہ کی خاموشی بری طرح چبھی تھی، نائلہ کی ایک گواہی اسے اپنے باپ کی نظروں میں گرنے سے بچا سکتی تھی۔

‘‘ماموں جان میں تو کل پورا دن گھر پر ہی تھی، یونیورسٹی تک نہیں گئی کہ میرے سر میں درد تھا میں کیوں علیزے کو کال کر کے کیفے بلاؤں گی۔’’ اور وہ کیوں علیزے کو شفیق صاحب کی نظروں میں گرنے سے بچاتی آخر وہ تھی تو صائمہ ہی کی بیٹی۔

‘‘تم میری دوست میری بہن ہو کر ایسا کیسے کر سکتی ہو نائلہ پلیز سچ بتا دو بابا کو یہ مذاق کا وقت نہیں ہے۔’’ علیزے بے چینی سے نائلہ کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی، باہر کہیں بہت دور بادل زور سے گرجا تھا۔

''ماموں جان ان دونوں کے افیئر کا تو مجھے بہت پہلے سے علم تھا، میں بس اس وجہ سے چپ تھی کہ آپ ہرٹ ہوں گے۔'' ناگن اپنے منہ سے زہر اگل رہی تھی۔

''بابا جھوٹ بول رہی ہے یہ آپ میرا یقین کریں اگر میں آپ کی نظروں سے گر گئی تو کسی کے سامنے سر اٹھا کر جی نہیں پاؤں گی۔'' آنسو روانی سے علیزے کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

''بس بہت ہوگیا اب میں ایک لفظ نہیں سنوں گا۔'' شفیق صاحب کا چہرے غصے کی زیادتی سے سرخ ہوگیا تھا۔

''بابا میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔'' علیزے دکھ سے بولی، بجلی زور سے کڑکی تھی، طوفان آ گیا تھا باہر بھی اور علیزے شفیق کی زندگی میں بھی۔

''جب کسی سے اعتبار اٹھ جائے تو اگلا بندہ قسم کھائے یا زہر فرق نہیں پڑتا۔'' شفیق صاحب نے ہاتھ میں پکڑے کارڈز اور لیٹرز علیزے کے منہ پر دے مارے، باہر بارش زور کے برسی تھی اور اندر علیزے کے آنسو تھم گئے تھے، وہ حیرانگی سے اپنے باپ کو جاتا دیکھ رہی تھی، آج اس نے اپنے باپ کی آنکھوں میں اپنے لئے ناپسندیدگی دیکھی تھی۔

''اب کیوں تمہاری بولتی بند ہو گئی؟'' صائمہ بیگم تمسخرانہ ہنسی ہنسی تھیں، علیزے صائمہ بیگم کو نظر انداز کرتی نائلہ کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''تم مجھے دبو قسم کی لڑکی نہ سمجھنا جو اپنے اوپر ہوا ہر ظلم برداشت کرے گی اور خاموش رہے گی میں علیزے شفیق ہوں جو اپنا بدلہ اپنے دشمنوں سے سود سمیت لیتی ہوں۔''

''ابھی تو اپنی بے گناہی ثابت نہیں کرسکی بدلہ کیا خاک لوں گی؟'' وہ نائلہ نہیں نائلہ کے اندر موجود حسد بول رہا تھا۔

''میں چاہوں تو ایک منٹ میں تمہاری سچائی کھول کر رکھ دوں مگر ایسا کرنے کے لئے مجھے تمہارے سٹینڈرڈ تک جانا ہوگا اور میرا سٹینڈرڈ اتنا لو نہیں ہے اور جہاں تک بات ہے میری بے گناہی ثابت کرنے کی تو سن لو میرے لئے میرے اللہ ہی کافی ہے جو مجھے بے گناہ بھی ثابت کرے گا اور تم لوگوں سے حساب بھی لے گا، میں نے اپنا معاملہ اس غذالت میں پیش کیا ہے کہ جب وہ کن کہتا ہے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔'' علیزے نے ایک چبھتی نظر نائلہ اور صائمہ بیگم پر ڈالی اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی، دروازہ لاک کرکے وہ وہیں زمین پر بیٹھ گئی، اب وہ ابھی تک قسمت کی ستم ظریفی پر حیران تھی، وہ گھٹنوں میں سر دے کر بہت روئی تھی وہ خود کو ان کے سامنے کمزور ثابت نہیں کرنا چاہتی تھی، جو اس کا برا چاہتے تھے پوری رات آسمان اس کے ساتھ رویا تھا۔

☆☆☆

''بس کرو نائلہ اور کتنا پڑھو گی۔'' علیزے بیزاری سے بولی۔

''تم پچھلے ایک گھنٹے میں یہ جملہ دس بار کہہ چکی ہو۔'' نائلہ ایک نظر علیزے پر ڈال کر پھر پڑھنے میں مگن ہوگئی۔

''یار تمہیں پڑھتا دیکھ کر مجھے ہول اٹھ رہے ہیں۔'' علیزے نے اٹھ کر کھڑکیاں کھول دیں، ٹھنڈی ہوا اس کے چہرے سے ٹکرائی تھی۔

''تو تم بھی کچھ پڑھ لو، میرے خیال میں ہم دونوں ایک ہی کلاس میں ہیں اور ہم دونوں کے

اکٹھے ایگزامز ہونے ہیں۔'' نائلہ اب پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

''میں نے پورا ایک گھنٹہ پڑھائی کی ہے اب میں اپنے اوپر اور ظلم نہیں کرسکتی۔'' علیزے نے نائلہ کا دھیان بٹانے میں کامیاب ہوگئی تھی اب وہ نائلہ کے بالکل سامنے آکر بیٹھ گئی۔

''ویسے ڈھائی گھنٹے تو مجھے بھی ہوگئے ہیں پڑھتے ہوئے آج کچھ معمول سے زیادہ ہی پڑھ لیا ہے۔'' نائلہ نے گھڑی کی طرف دیکھا جہاں آٹھ بج رہے تھے۔

''یہی تو میں کہہ رہی ہوں میری بہن کہ اپنے اوپر اتنا ظلم مت کروا اتنا پڑھنا صحت کے لئے اچھا نہیں ہے۔'' علیزے معنوعی سنجیدگی خود پر طاری کرتے ہوئے بولی۔

''تو آج رات مووی کا پلان بنائیں؟'' نائلہ نے کتاب بند کرکے سائیڈ ٹیبل پر رکھی۔

''یہ ہوئی نا بات میری یو ایس بی میں کافی اچھی موویز پڑی ہیں جو مصطفیٰ نے مجھے لوڈ کرکے دی تھیں، میں ابھی لائی تب تک تم لیپ ٹاپ آن کرو۔'' علیزے جھٹ سے کھڑی ہوگئی ریڈ کلر کی شرٹ اور بلیک پینٹ کے ساتھ چھوٹا سا سٹولر لئے وہ بہت پیاری لگ رہی تھی۔

☆☆☆

''بی گل بی گل۔'' بی گل کو کچن میں نہ پاکر علیزے انہیں اونچی آواز میں پکارنے لگی تھی۔

''جی چھوٹی بی بی۔'' بی گل بوتل کے جن کی طرح حاضر ہوئی تھیں۔

''آپ کو میں نے کتنی بار کہا ہے کہ مجھے چھوٹی بی بی نہ کہا کریں مجھے اچھا نہیں لگتا علیزے نام ہے میرا اور مجھے اسی نام سے بلایا کریں۔'' علیزے نے اپنی کہی ہوئی بات ایک بار پھر دہرائی۔

''نہیں چھوٹی بی بی اچھا نہیں لگتا کہ آپ کو آپ کے نام سے بلاؤں آپ ہماری مالکن ہیں اور ہم آپ کے خادم۔'' بی گل نے پھر وہی جواب دیا جو وہ ہمیشہ دیتی رہی تھیں۔

''آپ ہر بار یہ کیوں کہتی ہیں کہ آپ ہماری ملازمہ ہیں آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی کتنی ریسپکٹ ہے میرے دل میں پھر آپ کیوں ایسے کہہ کر مجھے ہرٹ کرتی ہیں۔'' علیزے کچھ ناراضگی سے بولی۔

''اچھا آپ بتائیں کہ آپ کسی وجہ سے آئی تھیں کوئی کام تھا۔'' بی گل نے بڑی خوبصورتی سے بات بدل دی تھی۔

بی گل پچھلے دن سالوں سے ان کے گھر کام کررہی تھیں اور یہاں کوارٹر میں ہی رہتی تھیں، ان کا شوہر چوکیداری کے فرائض انجام دیتا تو اور بیٹا آج کل ڈرائیور کی ڈیوٹی پر معمور تھا، بی گل کی بڑی خواہش تھی کہ ان کا بیٹا پڑھ لکھ جائے مگر مڈل کے بعد اس نے پڑھائی کو خیر باد کہہ دیا تھا اور بی گل کے ہزار بار سمجھانے کے باوجود بھی پڑھائی کی طرف گامزن نہیں ہوا۔

''اچھا بی گل دو کپ اچھی سی چائے ب دیں۔'' علیزے نے انہیں کہا۔

''ٹھیک ہے آپ چلیں میں لاتی ہوں۔'' بی گل نے اپنی گیلی آنکھیں صاف کیں، علیزے تیزی سے کچن سے نکلی اور صائمہ بیگم سے علیزے سے ٹکرانے سے بال بال بچی تھیں۔

''سوری پھپھو مجھے آپ نظر ہی نہیں آئیں۔'' علیزے نے یو ایس بی جلدی سے جینز کی پاکٹ میں ڈالی مبادا کہیں صائمہ بیگم کی نظر پڑ جائے۔

''ارے میں کیا چھوٹا سا بچہ ہوں جو تمہیں نظر نہیں آئی۔'' صائمہ بیگم جھنجلا کر بولیں۔

''دراصل پھپھو آپ اس قدر سمارٹ ہو گئی ہیں کہ مجھے تو پہلی نظر میں پتہ ہی نہیں چلا کہ آپ آ رہی ہیں مجھے لگا میری فرینڈ آئی ہے۔'' علیزے نے ان کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا۔

''واقعی میں سمارٹ ہو گئی ہوں نا؟'' پھپھو کے چہرے پر اب اطمینان تھا۔

''تو کیا میں جھوٹ بولوں گی؟'' علیزے نے معصومیت سے آنکھیں پٹپٹائیں۔

''نہیں میری بچی جھوٹ کیوں بولے گی۔'' پھپھو نے فوراً پینترا بدلا۔

''اب میں جاؤں، مجھے سٹڈی کرنا ہے۔''

''ہاں ہاں جاؤ خوب دل لگا کر پڑھو اور نائلہ کو بھی کچھ سیکھا دینا ہمیشہ تم سے کم نمبر ہی لیتی ہے۔'' علیزے سر اثبات میں ہلاتی نائلہ کے کمرے میں چل دی۔

''کہاں تھی تم اتنی دیر کیوں لگا دی؟'' علیزے ابھی کمرے میں داخل ہوئی ہی تھی کہ نائلہ اس پر چڑھ دوڑی۔

''تمہاری محترمہ والدہ ماجدہ کو مکھن بازی کر رہی تھی۔'' علیزے لمبا سانس لیتے ہوئے بولی۔

''کیا مطلب؟'' نائلہ نے حیرانگی سے پوچھا تو علیزے نے اسے کچھ دیر پہلے ہونے والا واقعہ بتا دیا نائلہ کتنی ہی دیر اس کی اس حرکت پر ہنستی رہی تھی۔

☆☆☆

''بابا آپ آج ہمیں یونیورسٹی چھوڑ دیں گے؟'' بلیو کلر کے ٹاپ وائٹ کلر کی کیپری کے ساتھ چھوٹا سا وائٹ سٹولر اور اونچی پونی ٹیل میں علیزے بہت پرکشش لگ رہی تھی۔

''کیوں راشد کہاں گیا ہوا ہے؟'' حسب معمول شفیق صاحب سے پہلے صائمہ بیگم بولیں تھیں۔

''اس کی طبیعت ٹھیک نہیں اس کو بخار ہے۔'' علیزے نے ناشتے کی ٹیبل پر اپنی نشست سنبھالی۔

''کل رات تک تو بالکل ٹھیک تھا اب کیسے بخار ہو گیا؟'' صائمہ بیگم نے پھر لقمہ دیا۔

''آپ انتظار کریں میں پوچھ کر آتی ہوں کہ بخار کیسے ہوا؟'' علیزے جوں یک طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے رک گئی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''آئے ہائے لڑکی تم بھی ہر بات کے پیچھے پڑ جاتی ہو چپ کر کے ناشتہ کرو۔'' صائمہ بیگم نے اسے بازو سے پکڑ کر نیچے بٹھا دیا۔

''بابا آپ ڈراپ کر دیں گے یا ہم دونوں خود ہی چلی جائیں۔'' علیزے نے جواب نہ پا کر دوبارہ پوچھا۔

''اوکے دس منٹ میں ریڈی رہنا۔'' شفیق صاحب نے ایک نظر گھڑی کی طرف دیکھا۔

''دس منٹ بہت کم ہیں۔'' علیزے فوراً بولی۔

''کیوں کم ہیں بھئی۔'' شفیق صاحب سے پہلے نائلہ بولی۔

''پانچ منٹ میں ناشتہ کمپلیٹ ہو گا، پانچ منٹ مجھے لگیں گے اپنا بیگ اور موبائل پکڑنے میں اور پندرہ منٹوں جادو ٹونا ہو گا تو ٹوٹل ملا کر ہوئے پچیس منٹ۔''

''جادو ٹونا۔'' نائلہ نے حیرت کے مارے پورا جملہ ہی نہ بول سکی۔

''ہاں یار وہی جو تمہاری ممی روز یونیورسٹی جانے سے پہلے ہم پر کرتی ہیں۔'' علیزے لاپرواہی سے بولی، نائلہ اور شفیق صاحب نے مشکل سے ہنسی کنٹرول کی تھی۔

''توبہ کرو لڑکی اسے جادو ٹونا نہیں کہتے ارے نظر اتارتی ہوں بیٹا تم دونوں کی اگر میں یہ

سب نہ کروں تو نظر لگ جائے گی کسی دشمن کی اس سے ساری بلائیں دور ہو جاتی ہیں۔" صائمہ بیگم منہ بنا کر بولیں۔

"بلاؤں کا تو مجھے نہیں معلوم پھپھو مگر ہماری فرینڈز ہم سے ضرور دور ہو گئی ہیں۔" علیزے افسوس سے بولی۔

"وہ کیوں؟" صائمہ بیگم نے اپنی چھوٹی سی آنکھیں مزید چھوٹی کر لیں۔

"آپ کی اگربتیوں اور جلی ہوئی مرچوں کی خوشبو ہمارے کپڑوں میں ایسے رچ بس جاتی ہے جیسے کپڑے ڈیٹرجنٹ سے نہیں اگربتیوں سے دھوئے ہوں اور آپ کو معلوم ہے بابا ایک بار تو میری فرینڈ ماریہ نے کہہ بھی دیا تھا کہ تم گھر سے ہی آئی ہو میں نے کہا ہاں پر تم کیوں پوچھ رہی ہو؟" علیزے نے بڑے ڈرامائی انداز میں بات شروع کی اور ایک دم ہی چپ ہو کر سب کے تاثرات دیکھنے لگ گئی۔

"اب بول بھی دو کہ اس نے آگے سے کیا جواب دیا؟" شفیق صاحب جھنجھلا کر بولے۔

"ہاں تو میں نے پوچھا کہ تم کیوں پوچھ رہی ہو تو کہتی تم جب بھی آتی ہو تم سے عجیب سی خوشبو آتی ہے جیسے کسی دربار سے ہو کر آئی ہو۔" علیزے کی بات پر نائلہ اور شفیق صاحب نے ایک جاندار قہقہہ لگایا۔

"آپ لوگوں کو ہنسی آ رہی ہے آپ سوچ نہیں سکتے مجھے کتنی شرمندگی ہوئی تھی اس وقت میرا دل کیا چلو بھر پانی ہو اور اس میں، میں ماریہ کو ڈبو دوں۔" علیزے کو ان کی ہنسی خاصی بری لگی تھی اور صائمہ بیگم کو اس وقت علیزے بہت بری لگی تھی۔

"بس کر دو آج کے لئے اتنا کافی ہے میری جان میں آدھا گھنٹہ ویٹ کر لوں گا۔" شفیق صاحب نے اپنی ہنسی چھپانے کو جوس کا گلاس لبوں سے لگا لیا۔

"آدھا گھنٹہ کیوں؟" علیزے نے حیرانگی سے اپنے باپ کو دیکھا بلیک پینٹ کوٹ میں ملبوس بالوں کو ایک سٹائل میں بنائے وہ کہیں سے بھی ایک جوان لڑکی کے باپ نہیں لگ رہے تھے۔

"کیونکہ میری بیٹی آرام سے تیار ہو جائے۔" شفیق صاحب نے بریڈ کے اوپر جیم لگاتے ہوئے کہا۔

"دیکھیں بھائی صاحب آج کل کی لڑکیاں سمجھتی ہی نہیں ہیں ان کو لگتا ہے ساری عقل ان ہی کے پاس ہے۔"

"آپ گاڑی نکالیں بس ہم آ رہے ہیں۔" علیزے فوراً اٹھ کر اپنے کمرے سے بیگ لینے چل دی، نائلہ بھی اس کے پیچھے ہو لی۔

"اس کی باتوں کو سیریس نہ لیا کرو بچی ہے اسے نہیں معلوم کہ کون سی بات کہاں کرنی ہے۔" شفیق صاحب صائمہ بیگم کے سر پر ہاتھ رکھ کر باہر چلے گئے۔

"یہ بچی نہیں بدتمیز ہے اگر میرا بس چلے تو اسے فوراً دو جوتے لگا کر سیدھا کر دوں۔" صائمہ بیگم کو اس وقت علیزے سے شدید نفرت محسوس ہوئی تھی۔

☆☆☆

شفیق صاحب اور صائمہ بیگم دو ہی بہن بھائی تھے صائمہ شفیق سے پورے دو سال چھوٹی تھیں، شفیق کے والد نیاز احمد اور ان کی بیوی مریم نے اپنے دونوں بچوں کو بہت لاڈ پیار سے پالا تھا، نیاز احمد کی اپنی ٹیکسٹائل مل تھی گھر میں پیسوں کی فراوانی تھی، مریم نیاز رب کا شکر ادا کرتی نہ تھکتی تھیں، ان کی ہنستی بستی زندگی میں پہلی دراڑ اس وقت پڑی جب ایک دن نیاز صاحب گھر

سے فیکٹری کے لئے نکلے تھے، مگر گھر واپس آنا نصیب نہ ہوا، ان کی کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا اور وہ موقع پر ہی ہلاک ہو گئے تھے، مریم نیاز کی تو جیسے دنیا ہی اجڑ گئی تھی، جب نیاز احمد فوت ہوئے تب شفیق بارہ سال جبکہ صائمہ دس سال کی تھی، نیاز احمد کے رشتہ داروں نے موقع کا فائدہ اٹھانا چاہا تھا کہ ابھی ان کی جائیداد پر قبضہ کرنا آسان تھا بعد میں بچے بڑے ہو جاتے تو بہت مشکل ہو جاتا، مریم نیاز کو اپنے محبوب شوہر کی وفات کے بعد تو جیسے چپ لگ گئی تھی، ان کے والد نے ان کو بہت سمجھایا اور اسے نارمل زندگی کی طرف لے کر آئے، اب ان کی کل کائنات ان کے بچے تھے، انہوں نے سوچا تھا کہ اب وہ صرف ان کے لئے جئیں گی، نیاز احمد نے اپنی زندگی میں ہی اپنی ساری جائیداد اپنے بیوی بچوں کے نام کر دی تھی، اب ساری ذمہ داری مریم پر آن پڑی تھی، مریم نے ہمت کے خود فیکٹری جانا شروع کر دیا، مریم بیگم نے اپنے دونوں بچوں کو پڑھایا لکھایا اور جب شفیق نیاز اس قابل ہو گئے کہ وہ کاروبار سنبھال سکتے تھے، مریم نے ساری ذمہ داری ان پر ڈال دی اور شفیق نے بھی کبھی اپنی ماں کو مایوس نہیں کیا تھا، صائمہ کو ان دونوں نے ہاتھ کا چھالا بنا کر رکھا ہوا تھا، کیونکہ نیاز احمد کو وہ بے حد عزیز تھی، شفیق نیاز نے اپنی ماں اور بہن کی ہر خواہش پوری کی تھی اور جب شفیق صاحب کے قابل ہو گیا تو مریم نے ان کے لئے لڑکی ڈھونڈنا شروع کر دی، آخر کار انہوں نے ایک شادی میں فریحہ کو دیکھا اور اسے شفیق نیاز کے لئے پسند کر لیا، فریحہ پڑھی لکھی، سلجھی ہوئی اور دھیمے مزاج کی لڑکی تھی، البتہ صائمہ کو فریحہ ایک آنکھ نہ بھائی تھی اس نے اپنے خیالات کا اظہار ڈھکے چھپے انداز میں کیا مگر مریم نے نظر انداز کر دیا، اصل میں صائمہ اپنی دوست کو بھابھی بنانا چاہتی تھی جو مریم بیگم کو ناپسند تھی مریم بیگم نے پھر فریحہ کے ساتھ شادی کروا کر ہی دم لیا، شفیق کی شادی پر انہوں نے صائمہ کی منگنی اپنے دور پار کے رشتہ داروں میں کر دی اور ٹھیک ایک سال بعد صائمہ بیگم کی بھی شادی کر دی اب دونوں بچوں کو بیاہ کر بہت خوش تھیں، مگر نیاز احمد کی کمی کو وہ بہت محسوس کرتی تھیں، فریحہ ان کے لئے بہت اچھی بہو ثابت ہوئی تھی، ان کے لئے خواہش تھی کہ وہ اپنے پوتی پوتوں کی اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھیں مگر ان کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکی اور ایک دن ایسی سوئیں کہ پھر کبھی نہ اٹھیں، صائمہ اور شفیق نیاز غم سے نڈھال تھے مگر فریحہ نے ان دونوں کو بہت اچھے طریقے سے سنبھالا تھا، شفیق کی شادی کے دو سال بعد ان کے گھر ایک بیٹی پیدا ہوئی تھی، لیکن جس دن بیٹی پیدا ہوئی اس سے اگلے دن فریحہ کی ڈیتھ ہو گئی، فریحہ کا بلڈ پریشر شوٹ کر گیا تھا، شفیق نیاز اب سچ میں ٹوٹ گئے تھے، انہیں سمجھ نہیں لگ رہی تھی کہ وہ بیٹی پیدا ہونے پر خوشی منائیں یا فریحہ کی موت کا سوگ منائیں، انہوں نے ایک سال میں اپنی ماں اور بیوی کو کھویا تھا۔

اب ان کے پاس ایک آخری قیمتی اثاثہ ان کی اپنی بیٹی علیزے تھے فریحہ نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اگر بیٹی ہوئی تو وہ اس کا نام علیزے رکھے گی، صائمہ کو بھی فریحہ کی موت کا بہت دکھ ہوا تھا، انہوں نے بہت کوشش کی کہ شفیق کو دوسری شادی پر راضی کر لیں مگر وہ کبھی نہیں مانے، صائمہ کے گھر بھی علیزے کی پیدائش کے دو مہینے بعد ایک بیٹی پیدا ہوئی تھی، انہوں نے اس کا نام نائلہ رکھا تھا، شادی کے دس سال بعد صائمہ کا شوہر افضل دل کے دورہ میں اپنی زندگی ہار گیا تھا اور وہ اپنا غم لئے اپنے بھائی کے پاس آ گئیں تھیں، وقت کے

ساتھ ساتھ وہ سنبھل گئیں تھیں، اب ان کے اوپر نائلہ اور علیزے دونوں کی ذمہ داری تھی اور وہ بخوبی احسن انجام دے رہی تھی، علیزے اور نائلہ ہم عمر ہونے کی وجہ سے آپس میں گھل مل گئی تھیں ان میں کافی گہری دوستی ہوگئی تھی لیکن صائمہ جب بھی ان دونوں کو ساتھ دیکھتی وہ احساس کمتری کا شکار ہو جاتیں علیزے نے اپنی ماں کا روپ چرایا تھا، وہ صاف رنگت، اونچے قد اور تیکھے نقوش والی لڑکی تھی اس کے برعکس نائلہ گندمی رنگت اور عام سے نقوش کی مالک تھی، علیزے نے اسے کبھی احساس کمتری کا شکار ہونے نہیں دیا تھا، علیزے نے اسے دل و جان سے اپنی بہن مانا تھا مگر صائمہ پھپھو کے ساتھ علیزے کی خاص نہیں بنتی تھی، علیزے اپنے بابا کے ساتھ بہت اٹیچ تھی، شفیق صاحب نے بھی کبھی ان تینوں کو کسی چیز کی کمی محسوس نہیں ہونے دی تھی، وہ علیزے سے بہت پیار کرتے تھے کیونکہ علیزے میں اپنی ماں کی بہت عادات تھی اور علیزے کی بھی اپنے بابا میں جان تھی۔

☆☆☆

''ہیلو گرلز کیا ہو رہا ہے؟'' ابھی وہ چاروں کینٹین میں آ کر بیٹھی ہی تھیں کہ مصطفیٰ بھی ان کے ساتھ چیئرز پر بیٹھ گیا۔

''تمہارے ماموں کا چالیسواں۔'' علیزے نے اپنا موبائل بیگ میں رکھ دیا، نائلہ ماریہ اور رابعہ نے بیزاری سے مصطفیٰ کو دیکھا۔

''خدا کا خوف کرو لڑکی۔'' مصطفیٰ نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

''ویسے آج تم سب بہت پیاری لگ رہی ہو خاص کر علیزے تم۔'' مصطفیٰ کی پچھلی بات پر کسی نے جواب نہیں دیا تھا، لیکن اس بات پر سب نے اسے دیکھا تھا اور علیزے نے ایک بڑی سی گھوری اس پر ڈالی، وائٹ ٹی شرٹ کے نیچے بلیک پینٹ پہنے بالوں کو جیل سے سجائے اور بلیک گلاسز لگائے وہ بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔

''آج تم لوگوں کا کھانا میری طرف سے ہے۔'' سب نے مینو کارڈ سے نظریں ہٹا کر مصطفیٰ کو دیکھا اور سب نے حیرانی سے یہ ہی پوچھا۔

''سچی۔''

''میں آج زنگر برگر کھاؤں گی۔'' مصطفیٰ کے کچھ بھی کہنے سے پہلے نائلہ بولی۔

''میرا آج بہت موڈ ہو رہا ہے پیزا کھانے کو۔'' ماریہ فوراً چہکی۔

''مجھے زیادہ کچھ نہیں بس شوارما، کولڈ ڈرنک اور آئسکریم کھلا لا دو۔'' رابعہ بھلا کہاں پیچھے رہنے والی تھی۔

''میرے ابا کا ولیمہ نہیں ہو رہا جو یوں فرمائشیں کر رہی ہو تم تینوں۔'' مصطفیٰ نے ان سب کے ارمانوں پر پانی پھیرا۔

''علیزے تم بتاؤ تم کیا کھاؤ گی؟'' مصطفیٰ نے اپنا لہجہ شہد سے بھی زیادہ میٹھا کر لیا تھا، ان تینوں کے منہ لٹک گئے تھے مصطفیٰ ایسا ہی تھا پل میں سارا پلین بنا کر اینڈ پر کہنے والا ''یار گھر والے نہیں مان رہے'' اور وہ دونوں اسے اس وجہ سے برداشت کرتی تھیں کہ وہ نائلہ اور علیزے کا کزن تھا۔

''مصطفیٰ کام کیا ہے؟'' علیزے نے پانچ کافی کے کپ آرڈر کیے تھے۔

''تمہیں کیا لگتا ہے میں تمہارے پاس کسی کام سے ہی آؤں گا ویسے نہیں آ سکتا تمہارے پاس؟'' مصطفیٰ نے بھرائی ہوئی آواز میں سب کو ایموشنل بلیک میل کرنے کی ناکام کوشش کی۔

''ہاں میرے بھائی میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔'' علیزے نے اس کے جذباتی

غبارے سے پانچ منٹ میں ہوا نکال دی تھی۔

''تم کتنی بچی ہو میری بہن۔'' مصطفیٰ اس کے اتنی جلدی نتیجے پر پہنچ جانے سے ڈھٹائی سے ہنسا تھا۔

''اب جلدی بولو کیا کام ہے اس کے بعد میری کلاس ہے۔'' علیزے نے گھڑی پر ایک نظر ڈالی۔

''ہاں تو میری تین عدد چڑیل اور ایک عدد خوبصورت بہن بات کچھ یوں ہے کہ تمہیں مجھے ایک بندے کا نمبر لے کر دینا ہوگا۔''

''یہ چڑیل کس کو کہا خود اپنی شکل جا کر دیکھو آئینے میں دور سے آتے ہو تو ایسا لگتا ہے دریائی گھوڑا آ رہا ہے۔'' ماریہ چڑیل کہنے پر تڑپ اٹھی تھی، نائلہ اور رابعہ نے بھی ہاتھ میں پکڑی کتاب اس کو دے ماری تھی، جبکہ علیزے اس سچویشن کو انجوائے کر رہی تھی۔

''کس کا نمبر چاہیے، بندے کا یا باندی کا؟'' علیزے نے لفظ باندی پر خاصا زور دیا۔

''ہائے ماں صدقے واری جائے کتنی جلدی بات کی تہہ تک پہنچتی ہے میری بچی۔'' مصطفیٰ نے اٹھ کر علیزے کے سر پر پیار دیا۔

''اب بول بھی دو کہ عامر لیاقت کی طرح تکے ہی لگواؤ گے۔'' علیزے مصطفیٰ کی اس حرکت پر مسکرائی تھی۔

''باجی یہ عامر لیاقت کی طرح تکے بھی لگوا لے گا اور اینڈ پر آپ کو کچھ دے گا بھی نہیں۔'' کافی سرو کرتا ہوا وہ چودہ پندرہ سال کا بچہ بڑے کانفیڈینس سے بولا تھا، وہ چاروں دل کھول کر ہنسی تھیں جبکہ مصطفیٰ نے گھوری پر ہی اکتفا کیا تھا۔

''وہ جو تمہاری کلاس میں لڑکی ہے مہوش ان کا نمبر چاہیے۔'' مصطفیٰ نے کافی کا مگ لبوں سے لگایا۔

''کل صبح نمبر تمہارے پاس ہوگا پہلے یہ بتاؤ بدلے میں کیا دو گے۔'' علیزے بھی اپنی مطلب کی بات پر آئی تھی۔

''دعائیں۔'' مصطفیٰ نے دعا والے انداز میں ہاتھ جوڑے۔

''تو بس پھر ٹھیک ہے تم یہی دعا مہوش کو اس کے نکاح پر دینا۔'' علیزے فوراً بولی۔

''اوہو مذاق کر رہا تھا تم تو بہت جلدی سیریس ہو جاتی ہو۔'' مصطفیٰ نے فوراً اسے پہلے اپنے الفاظ واپس لئے۔

''آج رات کو تم ہم چاروں کو باہر ڈنر کرواؤ گے۔'' علیزے کی بات ان تینوں کے چہرے پر خوشی آئی تھی۔

''تم چاروں کو یار یہ تو بہت مہنگا پڑ جائے گا۔'' مصطفیٰ نے سر پر ہاتھ ایسے پھیرا جیسے بہت پریشان ہو حالانکہ اس کے پاس اچھے خاصے پیسے ہوتے تھے وہ جس یونیورسٹی میں پڑھتے تھے وہاں تقریباً سارے سٹوڈنٹس بہت امیر گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے۔

''چلو ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔'' علیزے نے کندھے اچکائے۔

''کروا دوں گا میں ڈنر۔'' مصطفیٰ نے دل پر پتھر رکھ کر یہ کہا تھا۔

''ویری گڈ۔'' علیزے نے کافی کا آخری گھونٹ لے کر کپ ٹیبل پر رکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اور ہاں ایک اور بات۔'' علیزے جیسے کچھ یاد آنے پر مڑی۔

''اب کیا ہے۔'' مصطفیٰ بیزاری سے بولا۔

''بل پے کر دینا۔'' یہ کہہ کر علیزے ہنسی اور کینٹین سے باہر نکل گئی پیچھے وہ تینوں مصطفیٰ کی شکل دیکھ کر قہقہے لگا رہی تھیں۔

☆☆☆

‘‘وہ بڑی بی بی مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔’’ بی گل نے ہچکچاتے ہوئے بات کا آغاز کیا۔

‘‘ہاں بولو۔’’ صائمہ بیگم نے نظریں ٹی وی پر ہی جمائی رکھیں۔

‘‘جی وہ۔’’ بی گل نے بات تو شروع کر دی تھی اب اسے پورا کرنا انہیں خاصا دشوار لگ رہا تھا۔

‘‘اب بول بھی دو کہ میں گھنٹہ تمہاری شکل دیکھتی رہوں کہ کب مہارانی صاحبہ کچھ فرمائیں۔’’

‘‘اس ماہ کی تنخواہ ذرا جلدی دے دیں مجھے ضرورت ہے۔’’ بی گل نے کہتے ساتھ ہی نظریں جھکا لیں۔

‘‘ارے ایسی کون سی قیامت آن پڑی تم پر۔’’ صائمہ بیگم نے ٹی وی کا والیوم کچھ کم کر دیا۔

‘‘میری بہن بہت بیمار ہے اسے ڈاکٹر نے ٹیسٹ لکھ کر دیے ہیں میں نے پیسے اس کو بھجوانے ہیں اسی لئے آپ سے مانگ رہی ہوں۔’’ بی گل مجرموں کی طرح صفائی پیش کر رہی تھیں۔

‘‘تم مجھے ایک بات بتاؤ تمہاری بہن نے آج تک تمہاری بھی مدد کی ہے اسے جب بھی پیسوں کی ضرورت ہوتی ہے وہ بھیک مانگتے تمہارے پاس آ جاتی ہے اور تم میرے پاس آ جاتی ہو۔’’ صائمہ بیگم جھنجھلا کر بولیں۔

‘‘کیا کروں بی بی جی مجھ سے اس کی پریشانی نہیں دیکھی جاتی۔’’ بی گل کی آنکھوں میں پانی آ گیا۔

‘‘تم ایسا کرو بی بی اپنا بوریا بستر اٹھاؤ اور چلتی بنو یہاں سے اور کان کھول کر سن لو ایک پیسہ بھی اضافی نہیں دوں گی اور ایڈوانس تو بالکل بھی نہیں خوب جانتی ہوں میں تمہاری چالا کیوں کو بہن کے چکروں میں اپنی عیاشی کرنا چاہتی ہو تم۔’’ صائمہ بیگم کسی غریب کی آہ لینے سے بھی نہیں ڈرتی تھیں۔

‘‘آپ بے شک پیسے نہ دیں بی بی جی مگر میری نیت پر شک نہ کریں۔’’ بی گل تڑپ کر بولیں۔

‘‘تمہیں لگتا ہے میں غلط کہہ رہی ہوں ارے مر کھپ جانے دو اپنی اس بہن کو اچھا ہے تمہاری بھی جان چھوٹے گی پریشانیوں سے۔’’ صائمہ بیگم بے حد سفاکی سے بولیں۔

‘‘سلام ایوری ون۔’’ علیزے اور نائلہ اکٹھی گھر میں داخل ہوئیں تھیں، نائلہ ماں کے پاس ہی صوفے پر بیٹھ گئی جبکہ علیزے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

‘‘توبہ یہ لڑکی اس سے تو اتنا نہیں ہوتا کہ دو گھڑی پھپھو کے پاس بیٹھ جائے۔’’ صائمہ بیگم منہ ہی میں بڑبڑائیں۔

‘‘بی گل ایک پانی کا گلاس میرے کمرے میں دے جائیں۔’’ علیزے مڑے بغیر بلند آواز میں کہتی اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی، اپنے کمرے میں آ کر اس نے بیگ صوفے پر پھینکا اور جوتا اتار کر بیڈ پر گرنے کے سے انداز میں لیٹ گئی۔

‘‘علیزے بیٹا میں پانی لائی ہوں۔’’ وہ گلاس پکڑے دروازے میں کھڑی تھیں۔

‘‘آپ باہر کیوں کھڑی ہیں اندر آ جائیں۔’’ علیزے ان کو دیکھ کر بیٹھ گئی اور اے سی آن کر لیا۔

علیزے نے پانی کا گلاس لبوں سے لگایا اور ایک ہی سانس میں سارا پانی پی گئی۔

‘‘بی گل میں سوچ رہی ہوں میں کوکنگ سیکھ لوں۔’’ علیزے نے خالی گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھا

اوران کے سامنے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''یہ تو بڑی اچھی بات ہے لڑکیوں کو ہر کام آنا چاہیے۔'' بی گل مسکرا کر بولیں، مگر چہرے سے وہ کچھ پریشان لگ رہی تھیں۔

''تو بس بہر حال ڈن ہوا کہ آپ مجھے کوکنگ سکھائیں گی۔''

''ضرور۔'' بی گل نے پیار سے علیزے کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''آپ بس ایک منٹ رکیں میں دو منٹ میں آئی۔'' علیزے کہہ کر اپنی الماری کی طرف بڑھ گئی۔

''یہ لیں بی گل۔'' علیزے نے پانچ ہزار کے دو نوٹ بی گل کے ہاتھ میں دیے۔

''یہ کیا ہے؟'' بی گل نے جلدی سے ہاتھ پیچھے کرلیا۔

''ابھی تو آپ نے مجھ سے کہا آپ مجھے کوکنگ سکھائیں گی اور اب آپ پیسے بھی نہیں پکڑ رہیں۔'' علیزے نے جھک کر زمین سے پیسے اٹھائے۔

''کوکنگ سے پیسوں کا کیا تعلق؟'' بی گل ابھی تک حیران تھیں۔

''میں اگر کسی انسٹی ٹیوٹ میں سیکھنے جاؤں تو کم از کم پندرہ ہزار روپے لگیں گے اور ان کے ہاتھوں میں آپ جیسا ذائقہ بھی نہیں ہوگا۔'' علیزے نے پیسے دوبارہ ان کے ہاتھ میں دیئے۔

''لیکن تم میری بیٹیوں جیسی ہو میں تم سے پیسے کیسے لے سکتی ہوں۔'' بی گل نے اسے پیار سے سمجھانا چاہا۔

''آپ مجھے صاف کہہ دیں کہ آپ مجھے سکھانا نہیں چاہتیں۔''

''میں نے انکار کب کیا ہے میں تو بس یہ کہہ رہی ہوں کہ۔''

''میں کچھ نہیں سن رہی یہ پیسے آپ کو رکھنے ہی پڑیں گے۔'' اس سے پہلے کہ بی گل بات پوری کرتیں علیزے نے ان کی بات کاٹی۔

''بی گل رات کے کھانے کی تیاری شروع کریں۔'' بی گل نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے ہی تھے کہ نیچے سے صائمہ بیگم کی آواز آئی۔

''اب آپ جائیں اور سنیں آج کے بعد اگر آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہوگی تو آپ مجھ سے آ کر کہہ سکتی ہیں، صائمہ پھپھو کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہے۔'' یہ کہہ کر علیزے شاور لینے چلی گئی، بی گل کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے، یعنی علیزے نے میری اور بڑی بی بی کی ساری باتیں سن لیں تھیں اور وہ مجھے بغیر بتائے میری مدد کرنا چاہتی تھی۔

''اے اللہ اس لڑکی کو کبھی کوئی دکھ نہ دینا یہ ایسے ہی ہنستی مسکراتی رہے۔'' بی گل نے دل سے دعا دی تھی۔

☆☆☆

آج گرمی معمول سے کم تھی، وہ چاروں اپنی آخری کلاس لے کر گراؤنڈ میں ایک درخت کے نیچے آ کر بیٹھ گئی تھیں۔

''یار کل مام ڈیڈ کی اینی ورسری ہے اور تم سب لوگ آ رہی ہو۔'' رابعہ نے ایک انویٹیشن کارڈ نائلہ اور علیزے کو دیا اور ایک ماریہ کو۔

''ویسے کتنے سال ہو گئے ہیں اس سانحے کو؟'' علیزے نے ایک نظر کارڈ کو دیکھا اور ساتھ ہی اپنے بیگ سے چپس کا پیکٹ نکال لیا۔

''جتنے سال کی تم ہو اس سے چار سال زیادہ۔'' رابعہ نے غصے سے علیزے کے ہاتھ سے چپس کا پیکٹ پکڑا۔

''یعنی کہ چوبیس سال ہو گئے ہیں گریٹ تم

فکر نہ کرو کل ہم ٹائم پر آجائیں گے۔'' اب کی بار نائلہ نے جواب دیتے ہوئے رابعہ سے پیکٹ پکڑ لیا۔

''کہاں جانے کی تیاری ہو رہی ہے لڑکیوں؟'' مصطفیٰ ان چاروں کے گرد بنے دائرے میں آکر بیٹھ گیا۔

''تمہیں کیوں بتائیں؟'' رابعہ اس کے یوں آنے سے بدمزہ ہوئی تھی ویسے بھی مصطفیٰ اور اس کے درمیان ہر ٹائم سرد جنگ رہتی تھی۔

''میں نے لڑکیوں سے پوچھا تھا جنگلی بلی سے نہیں۔'' مصطفیٰ نے اس کی بات کو کوئی اہمیت نہیں دی، وہ تینوں مصطفیٰ کی بات پر دل کھول کر ہنس تھیں۔

''ویسے رابعہ کہہ تو ٹھیک رہی ہے تمہیں کیوں بتائیں اور اب نکلتے بنو یہاں سے۔'' رابعہ نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا تھا کہ ماریہ بول پڑی۔

''اوکے میں چلا جاتا ہوں اور جو پیزا آرڈر کرکے آیا تھا تم لوگوں کے لئے اب وہ میں اکیلا کھالوں گا۔'' مصطفیٰ کہتے ساتھ ہی کھڑا ہوگیا۔

''ارے ماریہ اور رابعہ کی تو عادت ہے، فضول بولنے کی تم بیٹھو آرام سے۔'' نائلہ اور علیزے نے اسے پکڑ کر دوبارہ واپس بٹھایا، پیزا کا سن کر ماریہ اور رابعہ بالکل خاموش رہیں۔

''ہاں تو میری دوستوں کہاں جانے کی تیاری ہو رہی ہے۔'' مصطفیٰ ابھی تک پچھلی بات پر ہی اٹکا ہوا تھا۔

''کل رابعہ کے پیرنٹس کی اینی ورسری ہے وہیں جانے کی بات ہو رہی ہے۔'' نائلہ نے چپس کا پیکٹ پورا کھول کر درمیان میں رکھ دیا۔

''ویسے یونی ورسٹی میں سے اور کون کون انوائیٹڈ ہے؟'' مصطفیٰ نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

''یہ تینوں، داؤد، ثمرہ، فیضان اور مہوش انوائیٹڈ ہیں۔''

''کیا میں انوائیٹڈ نہیں ہوں؟'' مصطفیٰ تڑپ کر بولا۔

''جی نہیں؟''

''کیوں آپ وجہ بتانا پسند کریں گی۔'' مصطفیٰ نے ہاتھوں کا مائیک بنا کر رابعہ کے آگے کیا۔

''شیور مسٹر مصطفیٰ قریشی آپ اس وجہ سے انوائیٹڈ نہیں ہیں کہ وہاں فضول لوگوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔'' رابعہ نے بنا لگی لپٹی کہہ دیا۔

''اس حساب سے تو تم بھی پارٹی اٹینڈ نہیں کرسکو گی۔'' مصطفیٰ نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''تم کبھی نہیں سدھرو گے۔'' علیزے نے ہنستے ہوئے ہاتھ اس کے کندھے پر مارا۔

''تم جو مرضی کرلو پارٹی میں تو میں ضرور آؤں گا۔'' مصطفیٰ کانفیڈینس سے بولا۔

''بھول ہے تمہاری گارڈ صرف انہیں ہی اندر آنے دے گا جس کے پاس انویٹیشن کارڈ ہوں گے۔'' رابعہ کی بات پر مصطفیٰ کچھ دیر خاموش ہوگیا۔

''یہ تو کل پتا چلے گا کہ میں پارٹی پر آؤں گا یا نہیں ابھی میں چلتا ہوں۔'' مصطفیٰ نے کھڑے ہوتے ہی اپنے کپڑے جھاڑے۔

''اور وہ پیزا جو تم آرڈر کیا تھا وہ کہاں ہے؟'' نائلہ نے اسے کچھ یاد دلاتے ہوئے کہا۔

''وہ...... وہ تو میں نے کل آرڈر کیا تھا، تم لوگوں کے لئے مگر کل تم لوگ مجھے نظر نہیں آئیں تو میں نے اپنے فرینڈز کے ساتھ مل کر کھالیا۔'' مصطفیٰ نے بڑے آرام سے ان چاروں کے ارمانوں پر پانی پھیرا تھا۔

''لعنت ہے تم پر تم اس قابل ہی نہیں ہو کہ تمہیں ساتھ بٹھایا جائے۔'' ماریہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ مصطفیٰ کی گردن دبوچ لے۔

''لو یو ٹو سسٹر سب اپنا دھیان رکھنا خاص کر علیزے تم۔'' مصطفیٰ کوئی بھی جواب سنے بغیر وہاں سے چلا گیا۔

''کمینہ ذلیل۔'' وہ چاروں اب اسے ایسے ناموں سے نواز رہی تھیں۔

''میرے خیال سے اسے تم سے کوئی کام کروانا ہے اس بار تم اس کا کام نہیں کرو گی۔'' رابعہ نے مصطفیٰ کو دور تک جاتے دیکھا جب تک کہ وہ غائب نہیں ہو گیا۔

''تمہارا خیال ہے میرا یقین اور ایمان ہے کہ یہ ضرور مجھ سے کوئی کام کروائے گا۔'' علیزے پورے یقین سے بولی۔

''میڈیم یہ پیزا آپ کے لئے سر مصطفیٰ نے بھجوایا ہے۔'' ایک پیزا بوائے پیزے کا ڈبہ لے کر ان کے سامنے کھڑا تھا۔

''اور بل دے گیا وہ۔'' نائلہ نے دھڑکتے دل کے ساتھ پوچھا۔

''جی۔'' لفظ جی کہتے ہوئے علیزے کو اس پیزا بوائے سے زیادہ اچھا اور خوبصورت شخص اس وقت دنیا میں اور کوئی نہیں لگا تھا، سب کی اٹکی سانسیں بحال ہوئی تھیں۔

''ویسے مصطفیٰ اتنا بھی برا نہیں ہے جتنا ہم اس کو سمجھتے ہیں۔'' نائلہ نے سب سے پہلے اپنی رائے بدلی تھی۔

☆☆☆

''نو مصطفیٰ!'' علیزے نے نفی میں سر ہلایا۔

''بٹ وائے؟'' مصطفیٰ افسردہ ہو کر بولا۔

''اگر رابعہ کو معلوم ہو گیا کہ میں تمہیں اپنے ساتھ پارٹی میں لائی ہوں پارٹی میں تو وہ تمہارے ساتھ مجھے بھی پارٹی سے نکال باہر کرے گی۔'' علیزے نے ایک بار پھر مصطفیٰ کو صاف انکار کیا۔

''نکالے گی تو تب جب اسے پتہ چلے گا کہ میں تمہارے ساتھ آیا ہوں۔'' مصطفیٰ نے کوریڈور میں چلتی علیزے کا ساتھ دیا۔

''اور نائلہ کو تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اس کے پیٹ میں کوئی بات نہیں بچتی، وہ رابعہ کو سب کچھ بتا دے گی۔'' علیزے نے ایک پل رک کر مصطفیٰ کو دیکھا۔

''تم کوئی بہانہ کر کے نائلہ کو ماریہ کے ساتھ بھیج دینا اس کے بعد میں تمہیں پک کر لوں گا۔'' مصطفیٰ نے ساری پلاننگ کر رکھی تھی۔

''سوری۔'' علیزے لائبریری کی طرف جاتی سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔

''اگر تم مجھے اپنے ساتھ نہ لے گئی تو میں ان سیڑھیوں سے کود کر اپنی جان دے دوں گا۔'' مصطفیٰ نے اسے دھمکی دی۔

''میں لے کر جاؤں گی تمہیں اپنے ساتھ لیکن وعدہ کرو آج کے بعد تم ایسی بات منہ سے نہیں نکالو گے۔''

''سیریسلی۔'' مصطفیٰ بے یقینی سے بولا۔

''یہی سننا چاہتے تھے نا تم سن لیا چلو اب نکلو یہاں سے اور ویسے بھی کوئی سیڑھیوں سے کود کر اپنی جان نہیں گنواتا ہاں البتہ ایک آدھ فریکچر ضرور آ سکتا ہے۔''

''فائن علیزے شفیق آج کے بعد میں تمہارا کوئی کام نہیں کروں گا تم میرے لئے مر گئی اور میں تمہارے لئے۔'' مصطفیٰ غصے سے کہتا وہاں سے چلا گیا، علیزے کی نظروں نے دور تک اس کا پیچھا کیا اور وہ بھی ایک فیصلہ کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی اور گھر آ گئی۔

☆☆☆

"علیزے اٹھ بھی جاؤ۔" نائلہ اس کو ایک بار پھر اٹھانے آئی تھی۔

"کیا؟" علیزے ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی اس کا سونے کا کوئی ارادہ نہ تھا۔

"او مائی گاڈ تم ریڈی بھی ہوگئی؟" علیزے نے نائلہ کو دیکھا جو وائٹ کلر کی شارٹ شرٹ کے ساتھ چوڑی دار پاجامے میں بہت پیاری لگ رہی تھی۔

"ہاں اور اب تم بھی جلدی ریڈی ہو جاؤ نیچے ماریہ ویٹ کر رہی ہے۔" نائلہ نے آگے بڑھ کر پردے ہٹائے اور کھڑکیوں کے شیشے ایک طرف دھکیل دیئے۔

"ایسا کرو تم ماریہ کے ساتھ چلی جاؤ میں ڈرائیور کے ساتھ آ جاؤں گی۔" علیزے نے جلدی سے اپنا ڈریس الماری سے نکالا۔

"اوکے بٹ جلدی آنا اور کارڈ میں نے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا ہے۔" نائلہ کہہ کر باہر چلی گئی علیزے نے جلدی سے اپنا موبائل پکڑا اور مصطفیٰ کو میسج کیا۔

"تمہارے پاس بیس منٹ ہیں آ کر مجھے پک کر لو۔" میسج بھیج کر وہ خود شاور لینے چل دی ٹھیک پندرہ منٹ بعد وہ بالکل تیار تھی، بلیک اور گولڈن کلر کے امتزاج سے بنی میکسی زیب تن کیے اس کے ساتھ نفاست سے کیا گیا میک اپ اور لائٹ سی جیولری میں وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی، اپنا کارڈ اور کلچ اٹھا کر وہ نیچے آ گئی۔

"باجی مصطفیٰ صاحب آئے ہیں اور آپ کو بلا رہے ہیں۔" بی گل کے بیٹے نے آ کر اطلاع دی۔

[illegible] علیزے نے اپنا دوپٹہ اٹھا کر [illegible] کیا اور صائمہ بیگم کے کمرے میں چلی گئی۔

"پھپھو میں جا رہی ہوں اللہ حافظ۔" علیزے کہہ کر باہر نکل گئی، علیزے کو دیکھ کر صائمہ بیگم کے منہ سے بے اختیار ماشاءاللہ نکلا۔

"گڈ لکنگ۔" وہ ابھی گاڑی میں آ کر بیٹھی ہی تھی کہ مصطفیٰ بولا، علیزے نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"یار تم اچھی طرح جانتی ہو مجھے پھر بھی میری باتوں پر غصہ ہو جاتی ہو۔"

"تم ایک نمبر کے گھٹیا انسان ہو۔" علیزے منہ پھلائے بولی، مصطفیٰ نے ایک جاندار قہقہہ لگایا۔

"بس کبھی غرور نہیں کیا۔" مصطفیٰ نے فرضی کالر جھٹکے اب کی بار علیزے بھی مسکرا دی۔

پورے راستے وہ دونوں ایسے ہی باتیں کرتے رہے مصطفیٰ نے گاڑی ایک بڑے بنگلے کے کچھ فاصلے پر روک دی اور وہ دونوں گاڑی سے نکل آئے۔

"اوہ تو میرا کلچ گاڑی میں ہی رہ گیا ہے۔" گیٹ کے پاس پہنچتے ہی علیزے کو یاد آیا۔

"رکو میں لے کر آتا ہوں۔" مصطفیٰ جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ علیزے نے اسے روک دیا۔

"نہیں تم اندر جاؤ میں خود لے آؤں گی۔" علیزے نے اسے کارڈ پکڑا دیا اور خود چابی لے کر چلی گئی۔

"شیور۔" مصطفیٰ کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

"میم آپ کارڈ کے بغیر اندر نہیں جا سکتیں۔" وہ واپس آئی تو اسے گارڈ نے اندر [illegible]

[illegible] کارڈ ہے میرے [illegible] علیزے نے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا تو

اسے یاد آیا کہ وہ کارڈ مصطفیٰ کو دے چکی ہے۔

"ابھی ایک لڑکا اندر گیا ہے میں اسی کے ساتھ آئی ہوں۔" علیزے کو اپنی عقل پر افسوس ہوا۔

"میم آپ سائیڈ پر ہو جائیں باقی گیسٹ کو آنے دیں۔" علیزے نے سائیڈ پر ہو کر مصطفیٰ کا نمبر ملایا لیکن وہ فون نہیں اٹھا رہا تھا تو اس نے رابعہ کو کال کی۔

"یار رابعہ میں کارڈ گھر بھول آئی ہوں اور یہ گارڈ مجھے اندر نہیں جانے دے رہا تم مجھے آ کر لے جاؤ۔" علیزے نے کارڈ والی بات گول کر دی تھی۔

"میں تو اس وقت پارلر میں ہوں۔" رابعہ کی بات پر علیزے کو نہ چاہتے ہوئے بھی غصہ آ گیا اس نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ رابعہ پھر بولی۔

"میں اپنے بھائی کو بھیجتی ہوں تم ویٹ کرو۔" یہ کہہ کر رابعہ نے کال کاٹ دی اسے پانچ منٹ ہو گئے تھے انتظار کرتے ہوئے لیکن کوئی نہیں آیا تھا، جو بھی مہمان اندر جاتا علیزے کو دیکھ کر رکتا اور آگے بڑھ جاتا۔

"بھاڑ میں جائے یہ پارٹی۔" علیزے غصے سے کہتی پلٹ گئی۔

"ایکسکیوز می۔" علیزے ابھی چند قدم ہی دور گئی تھی کہ اسے اپنے پیچھے ایک کسی کی آواز آئی۔

"آپ کا نام علیزے ہے۔" علیزے نے مڑ کر دیکھا ضرور مگر بولی کچھ نہیں۔

"جی نہیں علیزے شفیق۔" علیزے نے [illegible] علیزے کی بات پر ہنسا ضرور مگر اس کے غصے کو دیکھتے ہوئے اپنی ہنسی کو کنٹرول کیا۔

"میرا نام علی ہے علی سفیان میں رابعہ کا بڑا بھائی ہوں۔" علی نے فوراً اپنا تعارف کروایا، علیزے نے اب اسے غور سے دیکھا تھا، وہ ایک خوش شکل نوجوان تھا چھ فٹ سے نکلتا قد اور چہرے پر سنجیدگی اسے پرکشش بنا رہی تھی۔

"اب چلیں۔" علی نے اسے ویسے ہی کھڑا دیکھ کر پوچھا، علیزے نے اثبات میں سر ہلایا اور آگے بڑھی پھر رکی اور مڑ کر گارڈ کو دیکھ کر اپنی بھنویں ایسے اچکائیں جیسے کہہ رہی ہو "اب کیسے روکو گے اندر جانے سے" اور آگے بڑھ گئی، علی نے علیزے کی اس حرکت کو دیکھا اور ہنس کر سر جھٹکتا ہوا اندر چلا گیا۔

"یہ مصطفیٰ کو تم میں سے کون ساتھ لایا ہے۔" علیزے نائلہ اور ماریہ ایک ٹیبل پر بیٹھی تھیں کہ رابعہ غصے سے بھری وہاں پہنچی تھی۔

"میں تو ماریہ کے ساتھ آئی ہوں شاید وہ علیزے کے ساتھ آیا ہو۔" نائلہ فوراً بولی۔

"میں تو خود تمہارے بھائی کے ساتھ آئی ہوں اگر نہیں یقین تو ان سے جا کر پوچھ لو۔" علیزے نے جھوٹ نہیں بولا تھا وہ اندر علی کے ساتھ ہی آئی تھی۔

"ثمینہ دیکھو مجھے آنکھیں کیسے دکھا رہا ہے۔" سب نے مصطفیٰ کو دیکھا اور اس نے ان سب کو ہاتھ ہلا کر ہیلو کہا۔

"ذلیل مجھے مروائے گا کسی دن۔" علیزے نے دل ہی دل میں سوچا، جبکہ مصطفیٰ مہوش کے ساتھ کسی بات پر ہنس رہا تھا۔

"رابعہ میرا کیمرہ نہیں مل رہا۔" علی کچھ پریشانی سے بولا۔

"[illegible] یہ رہا۔" رابعہ نے [illegible] کیمرہ [illegible] کر دیا۔

"بھائی یہ میری فرینڈز ہیں نائلہ، ماریہ اور

علیزے۔'' رابعہ نے باری باری سب کو متعارف کروایا۔

''ہیلو۔'' علی نے سر کو خم دیا۔

''اور یہ علی بھائی ہیں ابھی باہر سے اسٹڈی کمپلیٹ کر کے آئے ہیں۔'' نائلہ کا دل علی کو دیکھ کر عجیب طرح سے دھڑکا تھا۔

''اس سے کہو میرے حصے کی بھی سٹڈی کمپلیٹ کر دے۔'' علیزے قدرے دھیمی آواز میں بولی تھی، مگر نائلہ اور ماریہ نے سن لیا تھا اور اب وہ ہنس رہی تھیں علیزے ان کو دیکھتی خود بھی ہنس پڑی تھی۔

''ارے آپ ہنستی بھی ہیں۔'' علی علیزے کو ہنستا دیکھ کر بے اختیار بول اٹھا تھا۔

''جی۔'' علیزے قدرے سنبھل کر بولی۔

''گریٹ۔'' اب کی بار وہ صرف بڑبڑایا تھا۔

''یار علیزے مجھے تم سے ایک بات کرنی ہے۔'' مصطفیٰ اچانک آیا تھا۔

''کوئی کام کروانا ہے کیا؟'' رابعہ کڑھ کر بولی۔

''جب دو معقول انسان بات کر رہے ہوں تو نامعقول کو چاہیے کہ وہ خاموش رہے۔'' مصطفیٰ نے علی کا بھی لحاظ نہیں کیا تھا اور مصطفیٰ کی بات پر سب ہنس پڑے تھے۔

''اوکے گائیز کیری آن۔'' علی ان سے معذرت کرتا اپنے فرینڈز کے پاس چلا گیا تھا، نائلہ کی نظروں نے علی کا دور تک پیچھا کیا تھا، پارٹی کے بعد مصطفیٰ نے علیزے اور نائلہ کو گھر ڈراپ کر دیا تھا، ایک تھکا دینے والے دن کا اختتام ہوا تھا۔

☆☆☆

آج ان کے بی ایس سی کے ایگزامز کا لاسٹ ڈے تھا اور ان چاروں نے سکھ کا سانس لیا تھا، مصطفیٰ بھی ان ہی کے پاس آ گیا تھا۔

''مصطفیٰ میرے پیٹ میں بہت درد ہو رہا ہے۔'' علیزے نے اپنا دایاں ہاتھ پیٹ پر رکھا۔

''اللہ خیر کرے کہیں پیٹ میں پانی تو نہیں پڑ گیا۔'' مصطفیٰ فکرمندی سے بولا۔

''تمہارے منہ میں خاک۔'' علیزے نے فوراً اپنا دایاں ہاتھ پیٹ سے ہٹایا۔

''کیا کہا میرے منہ میں رابعہ۔'' مصطفیٰ نے کان آگے کیا جیسے سمجھ نہ لگی ہو وہ تینوں قہقہہ لگا کر ہنس ہی پڑی۔

''تم لوگوں کے بڑے دانت نکل رہے ہیں۔'' رابعہ سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو وہ ان پر اپنا غصہ اتارنے لگ گئی۔

''اچھا چھوڑو یہ باتیں مصطفیٰ آج اچھا سا لنچ ہی کروا دو۔'' علیزے اصل کی بات پر آئی۔

''ہم معذرت خواہ ہیں آپ کا موجودہ بندہ فی الحال بہت غریب ہے مہربانی فرما کر آپ اس سے کبھی بھی رابطہ نہ کیجئے گا۔'' مصطفیٰ ایسے کھڑا ہو گیا جیسے اسمبلی اٹینڈ کر رہا ہو۔

''جھوٹ جتنے مرضی بلوا لو اس ندیدے سے ابھی والٹ چیک کرو تو پانچ چھ ہزار تو لازمی نکلے گا اور کریڈٹ کارڈ علیحدہ۔'' رابعہ فوراً بولی۔

''ہاں تو کیا اپنے حق حلال کی کمائی تم چاروں پر ہی اڑاتا رہوں۔'' مصطفیٰ ڈھٹائی سے بولا۔

''اپنے حق حلال کی کمائی نہ کہو اسے تم کہو میری حد حرامی کو دیکھتے ہوئے جو پیسے میرے پاپا مجھے دیتے ہیں کیا وہ میں تم لوگوں پر خرچ کر دوں۔'' رابعہ اسی کی ٹون میں بولی تھی ان تینوں نے ایک جاندار قہقہہ لگایا۔

''آج سب کو لنچ میں کرواتی ہوں۔''

علیزے کی بات پر سب کے چہرے کھل اٹھے تھے۔

”آج مجھے اپنے آپ پر فخر ہو رہا ہے کہ میں نے تم جیسی لڑکی کو دوست بنایا۔“ مصطفیٰ اس آفر پر زیادہ ہی پرجوش ہوگیا تھا۔

”لیکن لنچ ہم باہر جا کر کریں گے۔“ مصطفیٰ بول ایسے رہا تھا جیسے اپنے پیسوں سے سب کو کھلانے جا رہا ہو۔

”اوکے۔“ علیزے نے کندھے اچکائے، وہ چاروں مصطفیٰ کے ساتھ گاڑی میں گئی تھیں، وہ پہلے شاپنگ مال گئے تھے، اس کے بعد وہ ایک ریسٹورنٹ میں لنچ کے لئے چلے گئے، واپسی پر سب بہت خوش تھے۔

”ویسے کھانا بہت مزے کا تھا۔“ مصطفیٰ گاڑی مین روڈ پر لے آیا، علیزے مصطفیٰ کے ساتھ آگے بیٹھی تھی جب کہ نائلہ ماریہ اور رابعہ پیچھے بیٹھی تھیں۔

”فری کا تھا اس وجہ سے زیادہ مزہ آیا۔“ علیزے نے کھڑکی کا شیشہ نیچے کیا۔

”ایک منٹ کھانا تو ہم نے فری کا کھا کمایا ہے پھر تمہیں کیسے مزہ آ گیا۔“ مصطفیٰ حیران ہوا۔

”ایسے۔“ علیزے نے مصطفیٰ کا والٹ اس کے ہاتھ میں رکھ دیا۔

”تم نے میرے پیسوں کا سب کو کھانا کھلایا ہے؟“ مصطفیٰ نے علیزے کے ہاتھ سے اپنا والٹ چھینا۔

”تو اور کیا کرتی سیدھی طرح تو تم کبھی نہ دیتے۔“ علیزے ڈھٹائی سے بولی۔

”لیکن تم نے یہ نکالا کب؟“ مصطفیٰ ابھی تک اپنے بیوقوف بن جانے پر حیران تھا۔

”جب تم رابعہ کے ساتھ مغز ماری کرنے میں مصروف تھے۔“ وہاں شرمندگی کے کوئی آثار نہ تھے۔

”مجھے کیا چوری کا ہی کھایا ہے تم لوگوں نے اللہ پوچھے گا۔“ مصطفیٰ بے بسی سے بولا، وہ چاروں اب مصطفیٰ پر ہنس رہی تھیں۔

”چوری کا کب کھایا ہے یاد کرو میں نے پیسے تمہیں ہی دیئے تھے کہ ویٹر کو پکڑا دو۔“ علیزے مسکرا کر بولی۔

”ویسے بہت اچھا ہوا تمہارے ساتھ۔“ رابعہ نے مصطفیٰ کے کان کے پاس آ کر تالی بجائی۔

”تم تو چپ ہی رہو اور میں ویسے بھی ہر تھوڑے عرصے بعد اپنا صدقہ نکال کر غریبوں کو دیتا رہتا ہوں چلو اس بار صحیح لوگوں تک پہنچ گیا۔“ مصطفیٰ نے مڑ کر رابعہ کو جواب دیا۔

”اب غریب اور کہہ بھی کیا سکتا ہے۔“ رابعہ نے ایک اور طنز کیا مصطفیٰ بس غصے سے ہوں کر کے رہ گیا۔

☆☆☆

”علیزے میرے ساتھ رابعہ کے گھر چلو گی۔“ نائلہ نے دروازہ نوک کرنے کی بھی زحمت نہیں کی تھی۔

”نہیں۔“ علیزے کہہ کر اپنے موبائل کے ساتھ مصروف ہوگئی۔

”لیکن کیوں۔“ نائلہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

”تم نے کیا کرنے جانا ہے وہاں؟“ علیزے نے ابرو اچکائے۔

”رابعہ میرے نوٹس لے گئی ہے وہی لینے جانا ہے۔“

”تو راشد کے ساتھ جا کر لے آؤ۔“ علیزے نے ایک دفعہ پھر اپنی نظریں موبائل پر جمائیں۔

”اس موبائل کو تو رکھو تم۔“ نائلہ نے آگے

بڑھ کر اس کا موبائل پکڑ لیا۔

''میرا دل نہیں کر رہا جانے کو تم اکیلی چلی جاؤ۔'' علیزے بیزاری سے بولی۔

''تمہیں معلوم ہے امی مجھے اکیلے نہیں جانے دیں گی، میں کچھ نہیں سن رہی تم بس چل رہی ہو میرے ساتھ۔'' نائلہ نے اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا کیا۔

''او کے چلو۔'' علیزے ہار مانتے ہوئے بولی۔

''تم ریڈی ہو جاؤ میں نیچے گاڑی میں تمہارا ویٹ کر رہی ہوں۔''

''ہم رابعہ کے گھر نوٹس لینے جا رہے ہیں کسی وزیراعظم سے ملنے نہیں اگر چلنا ہے تو بتاؤ، ورنہ مجھے اور بھی بہت سے کام ہیں۔'' علیزے نے بیڈ سے اپنا شالر اٹھایا اور اسے گلے میں لے لیا پنک کلر کی شارٹ شرٹ اور جینز کی پینٹ کے ساتھ اونچی پونی ٹیل میں وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی، اگلے بیس منٹ میں وہ رابعہ کے گھر موجود تھی۔

''تم لوگ بتا کر تو آتی میں کم از کم کپڑے ہی چینج کر لیتی۔'' رابعہ نے عام سا ڈھیلا ڈھالا ٹراؤزر اور شرٹ پہنی ہوئی تھی۔

''میں نے اس سے کہا تھا مگر یہ سنتی کب ہے؟'' نائلہ کی بات ابھی پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ رابعہ کا بھائی علی ڈرائنگ روم میں داخل ہوا اس کو دیکھ کر نائلہ کی زبان کو خود بخود بریک لگ گیا تھا، وہ ڈریس پینٹ اور ڈریس شرٹ میں بھی کمال کا ہینڈسم لگ رہا تھا۔

''تم تو ایسے پریشان ہو رہی ہو جیسے ہم تم [illegible] کو اندر آتے [illegible] چکا تھا۔

''ہیلو گرلز، ہاؤ آر یو؟'' علی نے شاید نہیں یقیناً علیزے کی بات سن لی تھی اور وہ اپنی ہنسی کنٹرول کر رہا تھا۔

''بہت پیاری۔'' علیزے بے اختیار بول گئی تھی۔

''ویل یہ تو آپ نے ٹھیک کہا آپ واقعی بہت پیاری ہیں۔'' علی نے سر کو جنبش دی۔

''آئی نو۔'' علیزے کی پھر زبان پھسلی تھی، جبکہ نائلہ اسے چپ رہنے کا اشارہ کر رہی تھی۔

''اچھا یہ بتاؤ کیا لو گی چائے یا کافی؟'' رابعہ نے اپنا لیپ ٹاپ بند کیا۔

''کھانا۔'' علیزے بے تکلفی سے کہتی اپنے شوز اتارنے لگی۔

''کچھ بھی نہیں چاہیے ہم بس نوٹس لینے آئے تھے۔'' علیزے کی بات پر نائلہ کا دماغ گھوم گیا تھا، علی کے سامنے اسے الگ شرمندگی ہوئی تھی۔

''آپ کیوں اتنا فارمل ہو رہی ہیں کھانا کھا کر ہی جایئے گا۔'' علی اپنی ہنسی دباتا نائلہ کی طرف متوجہ ہوا، علی کی نظریں اپنے اوپر محسوس کر کے نائلہ سے کچھ بولا ہی نہ گیا۔

''رابعہ میں اتنی گرمی میں آئی ہوں کم از کم ٹھنڈا پانی ہی پلا دو۔'' شوز اتار کر علیزے نے پاؤں بھی صوفے پر رکھ دیئے۔

''ساجدہ کو بھیجا ہے میں نے آتی ہی ہو گی۔'' رابعہ نے اپنی میڈ کا نام لیا تھا ہی ساجدہ کولڈ ڈرنکس کے گلاس لے کر اندر آ گئی۔

''تمہیں بھی سب کچھ آج ہی یاد آتا ہے۔'' نائلہ نے علیزے کے کان میں سرگوشی کی۔

[illegible]

اس بار علی نے اپنی ہنسی نہیں چھپائی تھی، اب کی بار رابعہ بھی مسکرا دی تھی اور پھر علیزے دوپہر کے کھانے کے بعد شام کی چائے بھی وہیں سے پی کر آئی تھی، اس کا ویک اینڈ بہت اچھا گزرا تھا لیکن اسے علی کی نظروں نے تھوڑا بے چین کیا تھا، نائلہ کو اس دن ادارک ہوا تھا کہ وہ علی کو پسند کرنے لگ گئی ہے اور وہ اس نئے جذبے سے آشنا ہو کر بے حد خوش تھی، کچھ دن یونہی گزر گئے نائلہ میں ہونے والی تبدیلی علیزے سے مخفی نہ رہ سکی تھی، اسے نائلہ نے صاف الفاظ میں نہیں بتایا تھا لیکن علیزے سمجھ گئی تھی کہ وہ علیزے میں انٹرسٹڈ ہے اور علیزے نے نائلہ سے کہہ بھی دیا تھا کہ وہ علی کے بارے میں اس کی فیلنگز کو جانتی ہے اور نائلہ نے علیزے سے وعدہ لیا تھا کہ وہ اس بارے میں کسی کو نہیں بتائے گی، علیزے نے اس وقت تو وعدہ کر لیا تھا مگر اس یہ علم نہیں تھا کہ آگے جا کے اسے یہ وعدہ بہت مہنگا پڑنے والا ہے۔

☆☆☆

''ہم لوگ تمہارے گھر آنا چاہتے ہیں۔''

رابعہ کی بات پر نائلہ فوراً متوجہ ہوئی تھی۔

''آگے کیا اجازت لے کر آتی ہو۔''

علیزے نے الٹا سوال کیا۔

''نہیں لیکن اس بار کسی خاص مقصد کے لئے آنا چاہتے ہیں۔'' نائلہ کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

''آ جاؤ میں نے کون سا منع کیا ہے۔''

علیزے لاپرواہی سے بولی اور اس سے اگلے دن شام کو رابعہ اپنے ماں باپ کے ساتھ آ گئی تھی، [illegible] دل [illegible] کر تیار ہوئی تھی، جبکہ علیزے نے کوئی خاص تیاری نہیں کی تھی، علیزے کو حیرانگی اس وقت ہوئی جب زاہدہ بیگم نے کتنی ہی دیر علیزے کو گلے لگائے رکھا اور نائلہ سے نارمل انداز میں ملی، اس چیز کو نائلہ نے بھی محسوس کیا تھا، زاہدہ بیگم ساتھ میں ڈھیر ساری مٹھائی اور فروٹس لائی تھیں۔

''بھائی صاحب ہمیں تو آپ کافی عرصے سے جانتے ہیں ہمارا کچھ بھی آپ سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔'' زاہدہ بیگم نے بات کا آغاز کیا، نائلہ اندر کولڈ ڈرنکس دے کر خود باہر آ کر بات سننے لگ گئی تھی اور علیزے کو بھی اپنے ساتھ کھڑا کیا، علیزے آنکھوں ہی آنکھوں میں نائلہ کو چھیڑ رہی تھی۔

''جی بالکل۔'' شفیق صاحب نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ہمارا بیٹا علی ابھی امریکہ سے ایم بی اے کر کے آیا ہے اب میں چاہتی ہوں کہ اس کی جلد از جلد شادی کر دوں۔'' زاہدہ بیگم بڑی خوش تھیں۔

''اس وجہ سے ہم آپ کے گھر آئے ہیں امید ہے آپ ہمیں انکار نہیں کریں گے۔'' کامران صاحب پہلی بار بولے تھے، صائمہ بیگم بہت خوش تھیں انہوں نے سوچ لیا تھا کہ وہ نائلہ کے لئے اسی وقت ہاں کر دیں گی، بیٹی کے جذبات سے وہ اچھی طرح واقف تھیں۔

''ہم آپ سے اپنے بیٹے کے لئے علیزے کا ہاتھ مانگنے آئے ہیں۔'' زاہدہ بیگم کی آواز کوڑوں کی طرح نائلہ پر برسی تھی، صائمہ بیگم چپ کی چپ رہ گئی تھیں۔

''میرے بیٹے علی کی بھی یہی خواہش [illegible]

نے بالکل ٹھیک سنا ہے۔

''مجھے خوشی ہوئی ہے کہ آپ اتنی چاہ سے میری بیٹی کا رشتہ مانگنے آئے ہیں مگر زندگی علیزے کو گزارنی ہے میں اس سے اس کی رائے لے لوں پھر آپ کو جواب دوں گا۔'' شفیق صاحب اطمینان سے بولے۔

''آپ ضرور پوچھیں لیکن ہمیں امید ہے کہ آپ ہمیں مایوس نہیں کریں گے۔'' وہ لوگ کچھ دیر بیٹھ کر چلے گئے تھے، جاتے وقت زاہدہ بیگم علیزے سے پھر ویسے ہی گرم جوشی سے ملی تھیں جیسے آتے وقت ملی تھی، مگر علیزے ان کو خدا حافظ تک نہ کہہ سکیں، اس رات علیزے نائلہ کے پاس کئی دفعہ گئی مگر اس نے کسی سے بھی بات کرنے سے منع کر دیا تھا، وہ نائلہ کی پسندیدگی کو اچھی طرح جانتی تھی، علیزے کسی طور بھی اسے دکھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی، اگلے دن شفیق صاحب نے اسے اپنے کمرے میں بلایا تھا۔

''تم جانتی ہوں میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟'' شفیق صاحب نے کتاب بند کرکے سائیڈ ٹیبل پر رکھی۔

''جی۔'' علیزے ان کے پاس بیڈ پر ہی بیٹھ گئی۔

''تمہاری کیا رائے ہے اس رشتے کے بارے میں؟'' شفیق صاحب نے بات دانستہ طور پر ادھوری چھوڑ دی۔

''آپ کیا کہتے ہیں اس بارے میں۔'' علیزے نے گردن اٹھا کر اپنے باپ کو دیکھا۔

''بیٹا زندگی تم نے گزارنی ہے میں نے نہیں اس لئے جو فیصلہ تمہارا ہوگا وہ مجھے بھی منظور ہو گا۔'' شفیق صاحب نے اس کے دودھیا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے۔

''اگر میں انکار کر دوں تو آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہوگا؟'' علیزے نے نظریں جھکا لیں۔

''نہیں لیکن کوئی سولڈ ریزن دینا ہو گا۔'' شفیق صاحب کچھ دیر بعد بولے۔

''بابا میں نے کبھی علی کے بارے میں ایسا نہیں سوچا۔'' علیزے کبھی بھی اپنے باپ کو نائلہ کی پسندیدگی کا نہیں بتا سکتی تھی، کیونکہ اس نے نائلہ سے وعدہ کیا تھا۔

''تو اب سوچ لو۔'' شفیق صاحب اطمینان سے بولے۔

''بابا اگر سوچنا ہوتا تو پہلے دن ہی سوچ لیتی۔'' اس نے واقعی کبھی بھی علی کے حوالے سے ایسا نہیں سوچا تھا۔

''تم کسی اور کو تو پسند نہیں کرتی؟'' شفیق صاحب نے خدشہ بیان کیا۔

''بابا میں آپ کو ایسی لگتی ہوں؟'' علیزے نے حیرانگی سے اپنے باپ کو دیکھا۔

''علیزے تم زندگی میں جو کرنا چاہتی ہو کرو میں تمہیں کبھی نہیں روکوں گا بس مجھے کبھی دھوکے میں نہ رکھنا، میں تم پر اپنے سے زیادہ بھروسہ کرتا ہوں تم میرا غرور اور مان ہو اور اسے کبھی مت توڑنا۔'' انہوں نے علیزے کے سر پر ہاتھ پھیرا، علیزے نے اثبات میں سر ہلا دیا اور کچھ دیر وہ ان سے باتیں کرتی رہی پھر بوجھل دل کے ساتھ اپنے کمرے میں واپس آ گئی۔

☆☆☆

کچھ دنوں بعد شفیق صاحب نے فون کرکے انکار کر دیا تھا، رابعہ کی فیملی کو اس جواب کی توقع نہیں تھی اور علی کو تو بالکل بھی نہیں تھی، وہ صرف علیزے سے اس انکار کی وجہ جاننا چاہتا تھا اس نے رابعہ سے علیزے کا نمبر لے کر اس سے کانٹیکٹ کرنے کی کوشش کی تھی لیکن علیزے نے نہ تو

اس کی کال سنتی تھی اور نہ ہی اس کے کسی میسج کا ریپلائے کرتی تھی، علیزے کا انکار سن کر نائلہ کچھ پرسکون ہوگئی تھی مگر رہتی اس سے کھنچی کھنچی ہی تھی اس واقعہ کے تقریبا دو ماہ بعد نائلہ نے کال کر کے علیزے کو ایک کیفے بلایا تھا، علیزے بہت خوش ہوئی تھی اتنے عرصے بعد نائلہ نے اسے خود بلایا تھا اسے امید تھی کہ نائلہ اس کے ساتھ پہلے جیسی ہو جائے گی، وہ فورا یونیورسٹی سے کیفے پہنچی تھی مگر نائلہ کے ساتھ علی کو دیکھ کر وہ ٹھٹک گئی تھی۔

"تم میری خاطر پلیز اس سے دس منٹ بات کر لو۔" نائلہ منت سے بولی اور خود اٹھ کر دوسری ٹیبل پر چلی گئی، خود کو مصروف ظاہر کرنے کے لئے اس نے اپنا موبائل نکال لیا، علی اس کو دیکھتے ہی کھڑا ہوگیا تھا۔

"کیسی ہیں آپ؟" اس کے بیٹھتے ہی علی بھی اپنی جگہ بیٹھ گیا تھا۔

"فائن! کیا لیں گی آپ؟" علی نے پھر بات شروع کی۔

"تھینکس۔" علیزے نے نفی میں سر ہلایا علی نے پھر بھی دو کپ کافی آرڈر کر دی تھی۔

"کیا میں جان سکتا ہوں کہ آپ نے اس رشتے سے انکار کیوں کیا ہے؟" علی اصل ٹاپک کی طرف آیا۔

"آئی تھنک یہ میرا پرسنل میٹر ہے اور میں اپنی ہر بات پر کسی کو نہیں بتاتی۔" علیزے بنا جھجکے بولی۔

"آئی نو ویری ویل لیکن کوئی ایک وجہ تو بتائیں؟" علیزے کی ہر بات پر "کسی کو" کہنے پر علی کو تکلیف محسوس ہوئی تھی۔

"کوئی وجہ نہیں ہے۔"

"تو پھر؟" علی نے ابرو اچکائے۔

"مسٹر علی آپ بہت اچھے ہیں آپ میں ہر وہ خوبی ہے جو کسی بھی لڑکی کو بھی اپنی طرف متوجہ کر سکتی ہے لیکن......"

"وہ کوئی بھی لڑکی آپ کیوں نہیں ہو سکتیں؟" علی نے علیزے کی بات کاٹی۔

"کیونکہ میں آپ میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔" علیزے پورے اعتماد سے بولی۔

"تو کیا آپ کسی اور میں انٹرسٹڈ ہیں؟" ویٹر نے دونوں کا کافی سرو کی۔

"میں آپ میں تو کیا کسی میں بھی انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔" علیزے اکتا گئی تھی۔

"تو پھر مسئلہ کیا ہے؟" علی کی اٹکی سانس بحال ہوئی تھی۔

"آپ سمجھ کیوں نہیں رہے کہ میں آپ میں انٹرسٹڈ نہیں ہوں۔" علیزے اب اسے کیا بتاتی کہ اس کی بہن خود علی کو پسند کرتی ہے۔

"میں آپ کی فیلنگز کی ریسپیکٹ کرتی ہوں مجھے امید ہے کہ آپ بھی مجھے سمجھیں گے۔" علیزے نے اپنے لہجے کو نارمل رکھا، علی کے تاثرات نے اسے شرمندہ کیا تھا، کافی کے کپ کو ہاتھ لگائے بغیر وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"اگر زندگی میں کوئی ایسا شخص آئے جو آپ کو پانے کی چاہ رکھتا ہو تو اسے کبھی خالی ہاتھ مت لوٹائیے گا۔" علیزے نے جانے کے لئے قدم بڑھایا ہی تھا کہ اسے اپنے پیچھے علی کی آواز آئی، اس کی آواز میں کچھ ایسا درد تھا کہ علیزے رکنے پر مجبور ہوگئی تھی۔

"مجھے امید ہے کہ آپ کو زندگی میں مجھ سے بہتر لڑکی ضرور ملے گی۔" علیزے نے ایک نظر علی کو دیکھا اور خود نائلہ کے ساتھ گھر واپس آ گئی۔

"لڑکی ضرور ملے گی لیکن وہ علیزے شفیق جیسی انمول نہیں ہو گی۔" علی خالی جگہ کو دیکھتے

ہوئے بڑبڑایا۔

اس رات علیزے بے چین رہی تھی وہ ایک طرف سے پرسکون تھی کہ نائلہ اور اس کے درمیان سب کچھ ٹھیک ہوگیا ہے تو دوسری طرف اسے علی کا اداس چہرہ یاد آیا تھا، اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا، وہ علی کی فیلنگز کو نائلہ کی فیلنگز پر ترجیح نہیں دے سکتی تھی، اس کی تقریبا دو بجے کے قریب آنکھ لگی تھی، گہری نیند میں جاتے ہوئے اسے اپنے کمرے میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا تھا لیکن وہ اپنا وہم جان کر سوگئی تھی، اسے معلوم نہیں تھا کہ کل کا دن اس کے لئے کتنا تاریک ثابت ہونے والا ہے۔

☆☆☆

''میں نے کیا کچھ نہیں کیا اپنی بیٹی کے لئے۔'' شفیق صاحب غصے سے اپنے کمرے میں ٹہل رہے تھے۔

''اور بدلے میں کیا مانگا صرف اتنا کہ میری عزت کی لاج رکھے مجھے کبھی دھوکہ نہ دے۔'' شفیق صاحب کی آنکھوں میں نمی آگئی۔

''میں نے صرف اسی لئے شادی نہیں کی کہ اس کی سوتیلی ماں اس سے برا سلوک نہ کرے اس کو مجھ سے دور نہ کر دے۔'' سوچ سوچ کر شفیق صاحب کا سر درد سے پھٹنے لگ گیا تھا، انہوں نے سر درد کی گولی کھائی اور پوری رات جاگ کر گزاری، صبح ہوتے ہی وہ ناشتہ کیے بغیر آفس چلے گئے، نائلہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی تھی، وہ اندر ہی اندر جلتی اور کڑھتی رہی تھی یہ سوچ کر کے، رابعہ کی ماں زاہدہ بیگم نے اس کی بجائے علیزے کو ترجیح دی ہے اور ان کے الفاظ، میرے بیٹے کی بھی یہ ہی خواہش ہے'' بجلی کی طرح اس پر گرے تھے، اس دن اسے پہلی بار علیزے سے نفرت محسوس ہوئی تھی، زندگی میں ہمیشہ علیزے اس سے چار قدم آگے رہی تھی، خوبصورتی ہو یا پڑھائی میں یا سب کا پیار لینے میں وہ ہمیشہ اس کو پیچھے چھوڑ دیتی تھی، اس کے سامنے نائلہ ہمیشہ پس منظر میں چلی جاتی تھی لیکن اس بار وہ اپنی شکست برداشت نہیں کر پائی تھی اس دن وہ بہت روئی تھی اور اس نے سوچ لیا تھا کہ اگر علی اس کا نہیں ہوسکا تو وہ اسے علیزے کا بھی نہیں ہونے دے گی صائمہ بیگم سے اپنی بیٹی کا دکھ نہیں دیکھا جا رہا تھا ان کا دل کر رہا تھا کہ وہ جا کر علیزے کا گلا دبا دیں اور پھر جب علی نے نائلہ کو فون کر کے علیزے سے ملنے کی خواہش کی تھی تو بس وہ ہی جانتی تھی کہ اس نے علی کی پوری بات کیسے سنی تھی، نائلہ نے آکر ساری بات اپنی ماں کو بتائی تھی، اس دن صائمہ بیگم نے علیزے کے خلاف ایک سازش کا سوچا تھا اور نائلہ کو بھی اس سازش کا حصہ بنایا تھا اور وہ صبح تک اس پر عمل کرنے کے لئے بالکل تیار تھیں، اس نے علیزے کو کیفے بلایا اور جب وہ علی کے ساتھ باتوں میں مصروف تھی تو غیر محسوس طریقے سے اس کی تصویریں لی تھیں جس میں وہ علی کے ساتھ بیٹھی تھی اور اسی رات کو جا کر لیٹرز اور کارڈز علیزے کی الماری میں رکھ دیئے تھے اب اس کا کام اسے شفیق صاحب کو دکھانے کا تھا اور اسے یہ موقع بھی جلدی مل گیا اس دن شفیق صاحب کوئی فائل لینے گھر آئے تھے نائلہ نے وہ فائل علیزے کے کمرے میں جا کر رکھ دی اور شفیق صاحب سے کہا اس نے وہ فائل علیزے کی الماری میں دیکھی ہے انہیں وہاں فائل تو نہیں ملی مگر کارڈز اور لیٹرز ضرور مل گئے تھے، انہوں نے نائلہ کو بلا کر اس کے متعلق پوچھا تو جواب میں نائلہ نے جھوٹی کہانی سنا کر انہیں علی کے ساتھ کیفے والی تصویر بھی دکھا دی صائمہ بیگم نے ان کے خوب کان بھرے

تھے، انہوں نے علیزے کو فون کر کے یونیورسٹی سے فوراً گھر بلایا تھا اور اس سے ان کارڈز کے متعلق پوچھا۔

علیزے کو خبر تک نہ تھی کہ یہ سب کیسے اور کیوں ہوا ہے وہ مسلسل انکار کر رہی تھی مگر کوئی اس کی بات کا یقین نہیں کر رہا تھا، اس دن علیزے نے اپنے باپ کی نظروں میں اپنے لئے واضح ناپسندیدگی دیکھی، تھی، علیزے نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ زندگی اسے یوں آزمائش میں ڈالے گی، اس سارے واقعے نے اسے بہت بدل دیا تھا اب وہ بات بات پر تپتی نہیں تھی اور نہ ہی پہلے کی طرح ہر چیز سے لاپرواہ رہی تھی، علیزے جس جگہ ہوتی تھی شفیق صاحب وہاں نہیں آتے تھے، علیزے بھی اب ان کے سامنے نہیں آتی تھی، وہ یونیورسٹی میں بھی صرف اپنی کلاس لیتی اور آ کر کمرے میں بند ہو جاتی تھی، اسے نائلہ اور صائمہ بیگم سے شدید نفرت محسوس ہوتی تھی، بی گل کے اصرار پر وہ کچھ وقت کوکنگ سیکھنے پر لگاتی تھی، رابعہ بھی اس سے کھنچی کھنچی رہتی تھی کیونکہ وہ سمجھتی تھی کہ علیزے نے جان بوجھ کر اس کے بھائی کو ہرٹ کیا ہے، نائلہ جہاں دیکھتی کے علیزے آ رہی ہے وہاں سے فوراً ماریہ اور نائلہ کو لے جاتی، اسے علیزے کو یوں اکیلا دیکھ کر بہت سکون ملتا تھا، پورے گھر میں صرف بی گل تھی جن کو یقین تھا کہ علیزے نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی، صائمہ اور نائلہ نے اس پر الزام لگایا ہے، ایک دن نائلہ اسے بتائے بغیر یونیورسٹی سے گاڑی لے کر گھر چلی گئی تھی، علیزے ٹیکسی کا انتظار کر رہی تھی کہ مصطفیٰ نے اسے گھر چھوڑنے کی آفر کی وہ کچھ سوچتے ہوئے اس کی کار میں بیٹھ گئی تھی اس نے مصطفیٰ سے کوئی بات نہیں کی تھی۔

''یہ گھر کا راستہ تو نہیں ہے۔'' علیزے نے چونک کر مصطفیٰ کو دیکھا۔

''آئی نو۔'' مصطفیٰ نے گاڑی ایک پارک کے سامنے روک دی اور خود گاڑی سے نکل آیا۔

''اب اترو بھی۔'' مصطفیٰ جھنجھلا کر بولا علیزے کچھ کہے بغیر گاڑی سے اتری اور اس کے پیچھے پارک میں داخل ہو گئی، کچھ دور جا کر وہ دونوں ایک بینچ پر بیٹھ گئے، چاروں طرف سبزہ زار پھیلا تھا، علیزے کو یہاں آ کر کچھ سکون محسوس ہوا تھا۔

''اب بتاؤ کیا ہوا ہے تمہیں؟'' مصطفیٰ علیزے سے کچھ فاصلے پر بیٹھا تھا۔

''کچھ بھی نہیں؟'' علیزے کی نظریں سامنے لہلہاتے پھولوں پر تھیں۔

''اگر تم نے' مجھے کچھ نہ بتایا تو میں جا کر نائلہ سے پوچھ لوں گا۔'' مصطفیٰ نے دھمکی دی تھی اور اس کی یہ دھمکی کارگر ثابت ہوئی تھی علیزے نے بھی جیسے اس وقت کے انتظار میں تھی کہ کوئی اسے بھی سمجھے اس نے مصطفیٰ کو ہر بات بتا دی تھی اس کی آنکھوں سے آنسو روانی سے بہہ رہے تھے۔

''تم میری ہیلپ کرو مصطفیٰ تم بابا کو بتاؤ کہ میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔'' علیزے نے بے دردی سے اپنے آنسو صاف کیے اب اسے وہاں کے پھول درخت، چرند پرند کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''میں جانتا ہوں تم بے قصور ہو اگر ساری دنیا بھی مجھ سے آ کر کہے کہ تم نے اپنے بابا کو دھوکہ دیا ہے تو میں یقین نہیں کروں گا۔'' مصطفیٰ بڑی دیر بعد بولا تھا، علیزے نے نظریں اٹھا کر مصطفیٰ کو ایسے دیکھا جیسے مصطفیٰ کی بات پر یقین نہ آیا ہو۔

''اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے تم فکر نہ کرو میں پوری کوشش کروں گا کہ تمہاری بے گناہی ثابت کرسکوں۔'' مصطفیٰ نے علیزے کو امید دلائی۔

''لیکن ان میں کیا حکمت پوشیدہ ہوگی؟'' علیزے کو مصطفیٰ کی بات سے کچھ حوصلہ ملا تھا۔

''یہ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا اب گھر چلو کہیں تمہاری پھپھو مجھ پر بھی الزام نہ لگا دیں۔'' مصطفیٰ ہنستا ہوا کھڑا ہوگیا، علیزے کو بھی یا چاہتے ہوئے ہنسی آگئی وہ بہت دنوں بعد مسکرائی تھی۔

☆☆☆

علیزے یونیورسٹی سے آتے ہی سوگئی تھی، جب اس کی آنکھ کھلی تو شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے، فریش ہوکر وہ نیچے کچن میں بی گل کے پاس آگئی۔

''اٹھ گئی میری بچی۔'' وہ اپنائیت سے بولیں۔

''جی کوئی مہمان آرہا ہے؟'' علیزے نے فریج سے پانی کی بوتل نکالی۔

''ہاں وہ صاحب کے دوست کا بیٹا آرہا ہے امریکہ سے صاحب نے آپ کو نہیں بتایا؟'' بی گل بے دھیانی میں کہہ گئی تھیں اور انہیں فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہوا تھا، علیزے کے چہرے پر تاریک سایہ لہرایا تھا۔

''میں آپ کی مدد کروا دیتی ہوں۔'' علیزے نے پانی پی کر بوتل فریج میں رکھی اور بی گل کے ساتھ کام کروانا شروع کر دیا، تقریباً دو گھنٹے میں ان دونوں نے مل کر چار پانچ ڈشز زبنا لیں تھیں، شفیق صاحب کے آنے میں تھوڑی دیر رہ گئی تھی علیزے اپنا کام ختم کرکے اپنے کمرے میں چلی گئی تھی اور لائٹس آف کرکے کھڑکیوں کے پاس آکر کھڑی ہوگئی بادلوں کی اوٹ سے جھلملاتا چاند بہت خوبصورت لگ رہا تھا، ہارن کی آواز پر علیزے نے چونک کر گیٹ کو دیکھا جہاں سے شفیق صاحب کی گاڑی اندر داخل ہورہی تھی، پورچ میں گاڑی کھڑی کرکے شفیق صاحب باہر نکلے اوران کے ساتھ ہی ایک لڑکا گاڑی سے نکلا تھا، شفیق صاحب نے ایک نظر علیزے کے کمرے کی طرف دیکھا اور آگے بڑھ گئے، جبکہ ان کے ساتھ آئے لڑکے نے بھی کھڑکیوں کے پاس کھڑے وجود کو دیکھا تھا، اندھیرا ہونے کی وجہ سے وہ علیزے کا چہرہ نہیں دیکھ سکا تھا، پھر سر جھٹکتا اندر چلا گیا، علیزے کی آنکھوں میں نم آگئی وہ کھڑکی کے پاس سے ہٹ گئی تھی لائٹس آن کرکے صوفے پر ہی بیٹھ گئی، اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ اپنے بابا کو ایسے چوری چھپے دیکھے گی کچھ دیر بعد وہ اپنی آنکھوں کی نمی صاف کرتی نیچے آگئی۔

''السلام علیکم!'' علیزے سلام کرتی اپنے باپ کے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ گئی، روحان کے علاوہ اس کے سلام کا کسی نے بھی جواب نہیں دیا تھا جیسے یہاں اس کی موجودگی سب کو ناگوار گزری ہو۔

''بیٹا اکمل کا ارادہ کب تک ہے پاکستان شفٹ ہونے کا۔'' شفیق صاحب نے روحان کے والد کے بارے میں پوچھا۔

''انکل جیسے ہی بزنس وائنڈ اپ ہوگا وہ فوراً پاکستان آجائیں گے آئی تھنک ایک منتھ تو لگ ہی جائے گا۔'' روحان نے بریانی اپنی پلیٹ میں ڈالی۔

''مگر تب تک تم بھی گھوم پھر لینا۔'' شفیق صاحب کہہ کر پھر کھانے میں مصروف ہوگئے جیسے اس وقت اس سے ضروری اور کوئی کام نہیں ہے۔

''بالکل بلکہ نائلہ تمہیں پورا شہر دکھا لائے

گی۔'' صائمہ بیگم چہک کر بولیں۔

''تھینکس۔'' روحان نے سر کو خم دیا، جبکہ علیزے نے حیرانگی سے اپنی پھپھو کو دیکھا کہاں وہ نائلہ کو اکیلے نہیں جانے دیتی تھیں اور اب وہ اسے روحان کے ساتھ بھیجنے کی بات کر رہی تھی جس سے چند گھنٹے پہلے ہی وہ پہلی بار ملی تھی۔

''بابا مجھے مارکیٹ سے کچھ بکس لینی ہیں کیا آپ کل میرے ساتھ چلیں گے؟'' علیزے نے ایک آس سے پوچھا، یہ پہلی بات تو جو علیزے نے پچھلے پندرہ منٹ میں کی تھی۔

''میں راشد سے کہہ دوں گا وہ تمہارے ساتھ چلا جائے گا۔'' شفیق صاحب نے بی گل کے بیٹے کا نام لیا۔

''جی۔'' علیزے نے دوبارہ گردن جھکالی، کھانے کے دوران صائمہ بیگم اور نائلہ روحان سے بڑھ چڑھ کر بات کر رہی تھی، نائلہ نے کامدار سوٹ پہنا تھا اور ہلکا سا میک اپ بھی کیا ہوا تھا، جبکہ علیزے عام کپڑوں اور دھوئے ہوئے صاف چہرے کے ساتھ زیادہ پرکشش لگ رہی تھی۔

''او کے بیٹا تم ریسٹ کرو صبح بات ہوگی۔'' شفیق صاحب سب کو شب بخیر کہتے اپنے کمرے میں چلے گئے تھے، انہوں نے ایک نظر بھی علیزے پر نہیں ڈالی تھی، شفیق صاحب کے جاتے ہی وہ بھی وہاں سے اٹھ کر چلی گئی تھی جیسے یہاں اب اس کے رکنے کا کوئی جواز ہی نہ ہو، روحان نے علیزے کی اس حرکت کو نوٹ کیا تھا مگر بولا کچھ نہیں، صائمہ بیگم اور نائلہ کے لئے تو یہ عام سی بات تھی کیونکہ جب سے شفیق صاحب نے علیزے کو بلانا چھوڑا تھا وہ زیادہ وقت یا تو اپنے کمرے میں گزارتی یا کچن میں وہ ڈائننگ ٹیبل پر بھی تب ہی آتی تھی جب شفیق صاحب موجود ہوں۔

☆☆☆

روحان کو آئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا، لیکن علیزے نے اس سے ایک دفعہ بھی بات نہیں کی تھی، اگر علیزے نے اسے نہیں بلایا تھا تو روحان نے بھی پہل نہیں کی تھی، نائلہ یونیورسٹی سے آتے ہی اپنا سارا وقت روحان کے ساتھ گزارتی تھی یا تو وہ اس کے ساتھ گھر بیٹھ کر کوئی فلم دیکھ لیتی یا اس کے ساتھ باہر گھومنے چلی جاتی، ایک دن علیزے نے یونیورسٹی سے سیدھا شاپنگ کرنے چلی گئی تھی اس نے شفیق صاحب کو میسج کر کے دیا تھا وہ شاپنگ کر رہی تھی کہ اس نے مال میں نائلہ اور روحان کو دیکھا، ان دونوں نے بھی علیزے کو دیکھ لیا تھا، روحان مسکراتے ہوئے علیزے کے پاس جانے لگا تھا کہ علیزے اسے نظر انداز کرتی وہاں سے چلی گئی جیسے وہ اسے جانتی ہی نہ ہو، روحان کو اپنا آپ اگنور کیا جانا بہت برا لگا تھا، علیزے کی واپسی شام کو ہوئی تھی۔

''تم اس وقت کہاں سے آ رہی ہو؟'' صائمہ بیگم بی گل سے بات کر رہی تھیں علیزے کو آتا دیکھ کر فوراً اس سے پوچھا۔

''شاپنگ پر گئی تھی۔'' علیزے نے شاپنگ بیگز صوفے پر رکھے۔

''کس سے پوچھ کر؟'' انہوں نے چبھتے ہوئے لہجے میں استفسار کیا۔

''بابا کو بتا کر گئی تھی۔'' علیزے نے اپنے غصے کو کنٹرول کرنے کی پوری کوشش کی تھی۔

''بھائی صاحب کو کیا معلوم کہ تم شاپنگ پر گئی تھی یا......'' انہوں نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑی تھی۔

''آپ کا مطلب ہے کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں؟'' علیزے اب ان کے سامنے کھڑی ہو گئی تھی۔

''تم پر تو یقین بھی نہیں کیا جاسکتا جو اپنے باپ کو دھوکہ دے سکتی ہے وہ کچھ بھی کر سکتی ہے اور تم جیسوں کو تو لگام ڈال کر رکھنی چاہیے۔'' صائمہ بیگم تمسخرانہ نہیں تھی۔

''اگر ایسی ہی بات ہے تو جا کر پہلے اپنی بیٹی کو لگام ڈالیئے جو چند دن کے شناسا شخص کے ساتھ دن دیہاڑے پورے شہر کی آوارگردی کرنے نکلی ہوئی ہے۔'' علیزے نے بھی حساب یکتا کر دیا تھا، اپنے بیگز اٹھا کر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی اور جب تک صائمہ بیگم کو بات سمجھ میں آئی علیزے اوپر جا چکی تھی، وہ بس مٹھیاں بھینچ کر رہ گئی تھیں، کچھ دنوں بعد روحان نے علیزے کے متعلق پوچھا تو نائلہ کو خاصا برا لگا اس وقت تو وہ بات کو ٹال گئی تھی لیکن روحان نے پھر پوچھا تھا کہ ''انکل اسے ٹھیک کیوں نہیں بات کرتے؟'' نائلہ کو روحان پر غصہ تو آیا لیکن اپنے غصے پر اس نے جلد ہی قابو پالیا۔

''کرتوتیں ہی ایسی ہیں۔'' اس نے علیزے کے خلاف زہر اگلنا شروع کر دیا تھا۔

''کیا مطلب؟'' روحان نے حیرانگی سے پوچھا۔

''مطلب یہ کہ میری دوست کے بھائی کا رشتہ آیا تھا میرے لئے لیکن علیزے سے برداشت نہیں ہوا، اس نے اس لڑکے سے جا کر میری بہت زیادہ برائیاں کی خود اس سے افیئر چلایا اور پھر جب وہ لڑکا پوری طرح اس کے عشق میں گرفتار ہو چکا تو اس لڑکے نے اپنے گھر والوں کو زور دیا کہ وہ نائلہ کا نہیں علیزے کا رشتہ مانگیں اور جب اس کے گھر والے علیزے کا رشتہ لے کر آئے تو علیزے نے انکار کر دیا اور کہا کہ وہ اس سے شادی کا کبھی سوچ بھی نہیں سکتی بس اس لڑکے کو غصہ آ گیا اور اس نے آ کر سارے گفٹس تصویریں اور کارڈز ماموں جان کو دکھا دیئے، اس دن کے بعد سے اس کا رویہ سب سے خراب ہو گیا۔'' نائلہ نے روحان کو شروع سے آخر تک جھوٹی سٹوری سنائی تھی۔

''لیکن اس نے ایسا کیوں کیا؟'' روحان کو حیرت ہوئی تھی۔

''میں نے بھی یہی پوچھا تھا تو کہنے لگی کہ میں تم سے نفرت کرتی ہوں مجھ سے برداشت نہیں ہوا کہ انہوں نے میرے اوپر تمہیں ترجیح دی ہے۔'' نائلہ کی آواز بھرا گئی تھی۔

''حیرت ہے لگتی تو نہیں ایسے۔'' روحان کو جیسے افسوس ہوا تھا۔

''یہی تو اس کی چالاکی ہے کہ وہ......'' نائلہ آگے کچھ اور بھی بول رہی تھی علیزے سے آگے نہ سنا گیا اور وہ روتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی، وہ نائلہ کے کمرے کے باہر سے گزر رہی تھی جب اپنا نام سن کر وہ بے اختیار رک گئی اور نائلہ کے منہ سے نکلنے والے الفاظ پر اسے نا چاہتے ہوئے بھی رونا آ گیا تھا۔

''میں کیسے اپنی بے گناہی ثابت کروں؟'' علیزے چہرہ ہاتھوں میں لئے بچوں کی طرح رو دی تھی، اتنا وہ پوری زندگی نہیں روئی ہوگی جتنا ان دنوں رو رہی تھی، دور سے اذان کی آواز آئی علیزے رونا بھول گئی تھی، اس اذان نے جیسے اسے امید کی کرن دکھائی تھی جیسے ہی اذان مکمل ہوئی علیزے نے اٹھ کر فوراً وضو کیا اور عشاء کی نماز ادا کی جیسے ہی اس نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ گیا کتنی ہی دیر اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔

''یا اللہ! تو تو دلوں کے حال جانتا ہے تو تو انسانوں کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔'' علیزے پھر رو دی تھی۔

''تجھے معلوم ہے میں ایسی نہیں ہوں میری نیت خراب نہیں ہے۔'' وہ اب ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

''میرے مالک مجھے معاف فرما دے اور مجھے اتنی ہمت دے کہ میں اپنے دامن پر لگا داغ صاف کر سکوں۔'' اور وہ کتنی ہی دیر اپنے رب سے باتیں کرتی رہی تھی جب اس کے دل کو کچھ سکون ملا تو وہ سونے کے لئے لیٹ گئی، وہ پہلے کبھی کبھی نماز پڑھ لیتی تھی لیکن جب سے یونیورسٹی شارٹ کی تھی بالکل بھی نہیں پڑھتی تھی اور آج وہ کھانا کھائے بغیر ہی سو گئی تھی، اس سارے واقعے کے بعد یہ پہلا دن تھا کہ وہ سکون سے سوئی تھی۔

''بے شک دلوں کا سکون اللہ ہی کے ذکر میں ہے۔''

☆☆☆

علیزے کی آنکھ دیر سے کھلی تھی اس لئے اس نے یونیورسٹی جانے کا ارادہ ترک کیا اور نیا دھو کر اپنے لئے ناشتہ بنایا، وہ لاؤنج میں بیٹھ کر ناشتہ کر رہی تھی کہ روحان گنگناتا ہوا بیرونی دروازے سے اندر داخل ہوا علیزے کو دیکھ کر وہ اس کے پاس تھوڑے فاصلے پر بیٹھ گیا، علیزے نے ایک نظر روحان کو دیکھا اور پھر سے ناشتے میں مگن ہو گئی۔

''تمہیں کیسے پتہ چلا کہ میں اس وقت چائے پیتا ہوں؟'' روحان نے آگے بڑھ کر اس کے سامنے رکھا چائے کا کپ پکڑ لیا۔

''تمہیں کس نے کہا کہ یہ میں نے تمہارے لئے بنائی ہے۔'' علیزے نے بھی فوراً اس کے ہاتھوں سے اپنا چائے کا کپ پکڑا اور اپنے سامنے ٹیبل پر رکھ لیا۔

''کیسی عجیب لڑکی ہو تم مہمانوں کا ذرا لحاظ نہیں ہے تمہیں۔'' روحان نے افسوس سے سر ہلایا۔

''تم اور مہمان؟'' علیزے نے ہاتھ سے اس کی طرف اشارہ کیا۔

''لحاظ کر ہی نہ جاؤں۔''

''اب طعنے دینے کی ضرورت نہیں ہے گھر ڈھونڈ رہا ہوں جیسے ہی ملا فوراً شفٹ ہو جاؤں گا۔'' روحان فوراً علیزے کا طنز سمجھ گیا تھا۔

''گڈ۔'' علیزے نے چائے کا کپ لبوں سے لگایا۔

''ویسے تم آج یونیورسٹی کیوں نہیں گئی؟'' روحان نے سرسری سا پوچھا۔

''آنکھ نہیں کھلی۔'' علیزے بیزاری سے بولی اب وہ صبح صبح اس شخص کے ساتھ بحث نہیں کر سکتی تھی۔

''ویسے میں نے ایک چیز نوٹ کی ہے پاکستان کے لوگ سوتے بہت ہیں۔'' روحان کا دل کر رہا تھا کہ وہ اس سے باتیں کرے، جو کہ نائلہ کے ہوتے ہوئے بالکل ممکن نہیں تھا۔

''ویسے میں نے بھی ایک چیز نوٹ کی ہے امریکہ کے لوگ بولتے بہت ہیں۔'' علیزے بھی اسی کی ٹون میں بولی جواب میں روحان نے بڑا جاندار قہقہہ لگایا تھا۔

''بائی داوے تمہارے ایگزامز کب ہیں؟'' روحان محظوظ ہوتے ہوئے بولا۔

''انکواری تمہیں کوئی اور کام نہیں ہے؟'' علیزے نے اکتا کر خالی کپ میز پر رکھا۔

''نہیں۔'' روحان نے نفی میں سر ہلایا، علیزے اس وقت کو پچھتا رہی تھی جب وہ لاؤنج میں ناشتہ کرنے بیٹھی تھی اس سے تو اچھا تھا وہ اپنے کمرے میں ہی کر لیتی۔

''تمہاری سب سے بڑی خواہش کیا

ہے؟'' کچھ دیر خاموشی کے بعد روحان پھر بولا۔

''کہ تم اس وقت یہاں سے چلے جاؤ۔'' علیزے نے بنالحاظ کے کہہ دیا۔

''میں تمہیں ڈسٹرب کر رہا ہوں؟'' روحان سنجیدگی سے بولا۔

''پچھلے بیس منٹ سے۔'' علیزے نے ایل سی ڈی آن کی۔

''اگر ایسی ہی بات ہے تو تم اٹھ کر جا سکتی ہو۔'' روحان نے کہتے ہی پاس پڑا ریموٹ اٹھا لیا۔

''یہاں پہلے میں آئی تھی اور ٹی وی بھی میں نے آن کیا تھا۔'' علیزے نے اس کے ہاتھوں سے ریموٹ پکڑنے لگی تھی کہ اس نے فوراً سے پہلے ریموٹ والا ہاتھ اپنی کمر کے پیچھے کر لیا تھا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' علیزے کو روحان پر غصہ آیا تھا۔

''اور وہ جو پچھلے بیس منٹ سے تم کر رہی ہو ہو کیا ہے؟'' روحان اطمینان سے بولا۔

علیزے کا دل کر رہا تھا کہ وہ فوراً اس شخص کو گھر سے باہر نکال دے، اگر عام حالات ہوتے تو علیزے ایک منٹ میں اسے سیدھا کر دیتی اور شفیق صاحب سے بھی اسے ڈانٹ ڈلواتی، لیکن اب وہ اس پوزیشن میں نہیں تھی کہ کوئی بھی بات لے کر شفیق صاحب کے پاس جاتی۔

''اچھا رونا نہیں یہ لو۔'' علیزے کی آنکھوں میں نمی دیکھ کر روحان نے فوراً اسے پہلے ریموٹ اس کے آگے کر دیا۔

''جہنم میں جاؤ۔'' علیزے اپنی آنکھوں کی نمی چھپاتی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

''اس سے تو بدلہ میں لے کر رہوں گی۔'' علیزے نے خود سے عہد کیا تھا، جبکہ روحان اس کے رویے پر غور کرتا رہ گیا۔

☆☆☆

روحان نے اپنی پوری توجہ نئے گھر کو ڈھونڈنے میں لگا دی تھی وہ صبح کا نکلا ہوا شام کو گھر آتا تھا آخر کار اسے ایک گھر پسند آ گیا تھا وہ اسی کے متعلق شفیق صاحب سے بات کرنے آیا تھا، کہ بی بگل کو بات کرتا دیکھ کر وہ باہر ہی کھڑا ہو گیا۔

''صاحب اگر آپ برا نہ مانیں تو میں ایک بات کہوں؟'' بی گل سٹڈی میں شفیق صاحب کو چائے دینے آئی تھی۔

''ہاں کہو۔'' شفیق صاحب نے بی گل کو دیکھا وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر شفیق صاحب کے پاس نہیں آتی تھیں۔

''صاحب آپ علیزے سے اپنی ناراضگی ختم کر لیں؟''

''تمہیں علیزے نے سفارشی بنا کر بھیجا ہے؟'' انہوں نے ہاتھ میں پکڑی کتاب بند کر دی۔

''صاحب وہ کچھ کہتی ہی تو نہیں ہے میں نے اس کو کئی بار چھپ چھپ کر روتے دیکھا ہے پہلی والی بات اس میں اب نہیں رہی، مجھے نہیں یاد کہ میں نے اسے آخری دفعہ ہنستے کب دیکھا تھا۔'' بی گل کی آواز بھرا گئی جبکہ شفیق صاحب بالکل خاموش تھے۔

''وہ آپ کی طرف سے نظر انداز ہونے پر روز مرتی ہے اگر اب بھی آپ نے اپنا رویہ ٹھیک نہ کیا تو وہ ٹوٹ جائے گی۔'' بی گل سے علیزے کی یہ حالت اب نہیں دیکھی جاتی تھی وہ بڑی ہمت کر کے شفیق صاحب کے پاس آئی تھیں۔

''اب آپ جا سکتی ہیں۔'' شفیق صاحب نے کہہ کر دوبارہ کتاب کھول لی تھی۔

بی گل افسوس سے سر جھٹکتی باہر چلی گئی تھیں

اور یہ الگ بات تھی کہ شفیق صاحب سے آگے ایک لفظ بھی نہیں پڑھا گیا تھا

☆☆☆

علیزے اور نائلہ کے ایگزامز ہو رہے تھے، اس دن کے بعد علیزے نے روحان سے کوئی بات نہیں کی تھی دوسری طرف روحان اپنے گھر کو سیٹ کرنے میں بہت مصروف تھا اور علیزے نے شکرادا کیا تھا، جب وہ آخری پیپر دے کر گھر آئی تو اس کا ارادہ تھا کہ وہ دیر تک سوئے گی لیکن بی گل کی خراب طبیعت کی وجہ سے اسے کھانا بنانا پڑتا تھا بی گل کو ان کے کوارٹر میں بھیج کر اس نے رات کے کھانے کی تیاری شروع کر دی اب وہ اس قابل تو ہو گئی تھی کہ خود کھانا بنا سکے، نائلہ آتے ہی روحان کے ساتھ باہر چلی گئی تھی، رات کا کھانا تیار کر کے وہ لاؤنج میں صوفے پر بیٹھ کر شفیق صاحب کا انتظار کرنے لگ گئی، انتظار کرتے کرتے اس کی آنکھ لگ گئی تھی، روحان اور نائلہ گھر میں داخل ہوئے تو نائلہ ایک نفرت بھری نگاہ علیزے پر ڈال کر صائمہ بیگم کے کمرے میں چلی گئی وہ ہر بات سے صائمہ بیگم کو آگاہ کرتی تھی، شفیق صاحب علیزے کو دیکھ کر پل بھر کو رکے پھر اپنے کمرے میں چلے گئے، روحان نے ایک چادر لا کر علیزے کے اوپر ڈال دی اور ٹی وی بند کر کے اپنے کمرے کی طرف چل دیا، تقریباً بارہ بجے کے قریب روحان پانی لینے کچن میں آیا تھا، لیکن شفیق صاحب کو دیکھ کر وہ کچن کے دروازے کے پاس ہی رک گیا، شفیق صاحب نے ایک تکیہ علیزے کے سر کے نیچے رکھا اس کے اوپر ایک اور چادر دی اور خود سیدھے کھڑے ہو گئے کچھ دیر علیزے کو دیکھتے رہے پھر آگے بڑھ کر اس کی پیشانی کو چوم لیا، علیزے تھوڑا سا کسمسائی، شفیق صاحب نے لاؤنج کی لائٹس آف کیں اور اپنے کمرے میں چلے گئے روحان نے اس ساری کاروائی کو بڑی دلچسپی سے دیکھا تھا اور مسکرا دیا تھا۔

ایگزامز سے فارغ ہو کر علیزے اب رزلٹ کا انتظار کر رہی تھی وہ اپنا پورا وقت کچن کو دے رہی تھی، آج اس نے سب کے لئے ناشتہ تیار کیا تھا۔

''تمہارا رزلٹ کب ہے؟'' شفیق صاحب کے سوال پر آملیٹ پلیٹ میں ڈالتے ہوئے اس کے ہاتھ رک گئے تھے۔

''اگلے ہفتے۔'' علیزے کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ شفیق صاحب نے خود اس سے بات کی ہے۔

''آگے کیا ارادہ ہے؟'' وہ پوری طرح علیزے کی طرف متوجہ تھے۔

''ایم ایس سی سائیکالوجی کا سوچا ہے میں نے۔'' بے یقینی سی بے یقینی تھی۔

''اپنے سارے ڈاکومنٹس تیار رکھنا میں رزلٹ آنے پر تمہارا ایڈمیشن کروا دوں گا بلکہ ایسا کرنا تم بھی میرے ساتھ چلنا۔'' شفیق صاحب کہہ کر اپنی اخبار کی طرف متوجہ ہو گئے۔

''جی۔'' علیزے سے خوشی کے مارے بولا ہی نہیں جا رہا تھا، ایک پل میں اس کا چہرہ کھل اٹھا تھا اور یہ بات ٹیبل پر بیٹھے تمام نفوس نے نوٹ کی تھی صائمہ بیگم نے اپنی بیٹی کو آنکھ سے اشارہ کیا جیسے کہہ رہی ہوں۔

''دیکھا تم نے۔'' نائلہ بھی شفیق صاحب کے رویے پر پریشان ہوئی تھی روحان نے علیزے کے کھلتے چہرے کو بڑی دلچسپی سے دیکھا شفیق صاحب علیزے سے ضرورتاً بات کر لیتے تھے، علیزے کے لئے یہ بھی بہت تھا۔

وہ کچن میں چائے بنانے آئی تھی کے روحان بھی وہیں چلا آیا۔

''کچھ چاہیے؟'' اب علیزے اس سے آرام سے بات کرتی تھی۔

''ہاں وہ ایک کپ چائے چاہیے تھی۔'' روحان کچھ جھجکتا ہوا بولا۔

''میں بنا دیتی ہوں۔'' علیزے نے فریج سے دودھ نکالا روحان حیران تو ہوا لیکن خاموشی سے وہاں سے چلا گیا، علیزے نے چائے بی گل کے ہاتھ بھجوادی تھی اور خود لان میں چلی گئی۔

روحان نے چائے کا کپ پکڑا اور آگے بڑھ کر کھڑکی کھول دی ٹھنڈی اور نرم ہوا اس کے چہرے سے ٹکرائی تھی، سامنے لان کا منظر بہت خوبصورت تھا، ہر طرف پھول کھلے ہوئے تھے، تب ہی روحان کی نظر لان میں کرسی پر بیٹھی علیزے پر پڑی اور وہ جیسے نظر ہٹانا بھول گیا تھا، ریڈ کلر کے ٹاپ بلیو کلر کی جینز اور اونچی پونی ٹیل کے ساتھ چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ سجائے وہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی، روحان کا دل بے اختیار دھڑکا تھا، علیزے نے اسے ابھی تک نہیں دیکھا تھا، روحان نے پردے برابر کیے اور چائے کا کپ اٹھائے باہر علیزے کے پاس لان میں چلا آیا، علیزے روحان کو آتا دیکھ کر فوراً سنبھل کر بیٹھ گئی، وائٹ شرٹ بلیک جینز اور بالوں کو ایک سٹائل سے بنائے وہ بہت ہینڈسم لگ رہا تھا، روحان بالکل اس کے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

''ارے تمہیں پتا چل گیا کہ میں اس وقت چائے کے ساتھ فرائز اور بسکٹ لیتا ہوں۔'' روحان نے کہتے ساتھ ہی میز پر پڑی چپس کی پلیٹ اٹھالی۔

''تمہیں کس نے کہا کہ یہ میں نے تمہارے لئے بنائی ہے۔'' علیزے نے فوراً اس کے ہاتھ سے پلیٹ جھپٹی۔

''یہ تم نے میرے لئے نہیں بنائی۔'' روحان اس کے ایسے پلیٹ پکڑنے پر حیرانگی ظاہر کی۔

''تم مجھے ابھی اتنے بھی اچھے نہیں لگتے کہ میں یہ تمہارے لئے بناؤں۔'' علیزے نے چپس کے دو پیس اٹھا کر منہ میں رکھے روحان چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔

''اچھا رونا نہیں یہ لو۔'' علیزے نے اس کا جملہ اسی کی طرف لوٹایا اور اس کے آگے پلیٹ کر دی جس کو روحان نے مسکراتے ہوئے پکڑ لیا۔

''تم لوگ پاکستان شفٹ کیوں ہونے لگے ہو۔'' علیزے نے پہلی بار اس سے خود بات کی تھی۔

''کیونکہ میرے ڈیڈ کی خواہش ہے کہ وہ اپنی باقی کی زندگی پاکستان آ کر گزاریں۔''

''لیکن ایک اور بھی وجہ ہے پاکستان شفٹ ہونے کی۔'' روحان نے دانستہ بات ادھوری چھوڑ دی۔

''کیا؟'' علیزے نے حیرانگی سے روحان کو دیکھا۔

''ڈیڈ چاہتے ہیں کہ میں پاکستان میں آ کر شادی کروں اس لئے انہوں نے مجھے پہلے بھیج دیا ہے کہ کہیں کوئی امریکی حسینہ مجھے اپنا دیوانہ نا بنا لے۔''

''حرکتیں ہی ایسی ہوں گی تمہاری کہ تمہارے ڈیڈی تمہیں پہلے پاکستان بھیجنے پر مجبور ہو گئے ہوں گے۔'' علیزے نے کہہ کر ایک جاندار قہقہہ لگایا تھا روحان نے فوراً نظریں علیزے کے چہرے سے ہٹائیں وہ اپنی اس حالت پر حیران تھا پھر قدرے سنبھل کر بولا۔

''تم مجھے چھوڑو اپنی فکر کرو اگلے ہفتے رزلٹ ہے تمہارا اگر فیل ہو گئی تو......''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا میں نے اس بار

بہت محنت کی ہے۔'' علیزے کانفیڈنس سے بولی۔

''فرض کرو اگر تم فیل ہو جاتی ہو تو تم کیا کرو گی؟ دوبارہ سٹڈی کنٹی نیو کرو گی یا خودکشی کرو گی۔'' روحان اتنے آرام سے بولا جیسے کہہ رہا ہو کیا کھاؤ گی؟ آئسکریم، کیک یا چاکلیٹ؟

''میں قتل کروں گی۔'' علیزے کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

''کس کا؟'' روحان تجسس سے آگے ہوا۔

''تمہارا اور وہ بھی اپنے ہاتھوں سے۔'' علیزے خفگی سے بولی۔

''وہ تو تم پہلے ہی کر چکی ہو۔'' روحان بے اختیار بول گیا۔

''کیا مطلب؟'' علیزے ناسمجھی سے بولی۔

''تم ابھی مجھے اتنی اچھی نہیں لگتی کہ تمہیں ہر بات ایکسپلین کر کے بتاؤں۔'' روحان نے بدلہ چکایا۔

''جہنم میں جاؤ۔'' علیزے نے اپنا خالی کپ اٹھایا اور اندر چل دی روحان کی نظروں میں کچھ تو ایسا تھا جسے علیزے سمجھ کر بھی سمجھ نہیں سکی تھی، رات کو سوتے وقت اس نے پہلی بار روحان کی کہی ہوئی بات پر غور کیا تھا ''اگر میں سچ میں فیل ہو گئی تو...... اب یہ حیرت کی بات تھی ہمیشہ پوزیشن لینے والی ایسی بات سوچ رہی تھی'' یہی سوچتے ہوئے اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

☆☆☆

صبح بہت روشن اور چمکیلی تھی، سب لاؤنج میں بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے آج شفیق صاحب آفس سے جلدی گھر آ گئے تھے، در وحان سے بزنس کے متعلق بات کر رہے تھے جب نائلہ تقریباً بھاگتی ہوئی اپنے کمرے سے آئی تھی۔

''امی میرا رزلٹ آ گیا اور میں پاس ہو گئی ہوں۔''

''ہائے میری بچی بہت بہت مبارک ہو۔'' صائمہ بیگم نے اٹھ کر اسے گلے سے لگایا جبکہ شفیق صاحب نے اس کے سر پر پیار دیا، روحان نے بھی اسے مبارک دی تھی۔

''آج تو علیزے کا بھی رزلٹ ہے؟'' بی گل جان بوجھ کر اونچا بولیں۔

''تمہیں بڑا یاد ہے اس کے رزلٹ کا اسے تو اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ آ کر اپنا رزلٹ ہی بتا دے؟'' صائمہ بیگم حقارت سے بولیں۔

''جاؤ جا کر علیزے کو بلا کر لاؤ۔'' شفیق صاحب نے ایک نگاہ صائمہ بیگم پر ڈالی کچھ ہی دیر بعد علیزے ان کے سامنے کھڑی تھی۔

''کیا رزلٹ آیا ہے تمہارا؟'' شفیق صاحب نے علیزے کو خاموش کھڑے دیکھ کر پوچھا اس کی سرخ آنکھوں سے سب کو اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ رو رہی تھی۔

''میری یونیورسٹی میں سیکنڈ پوزیشن آئی ہے۔'' علیزے نے کہتے ہی سر جھکا لیا اصل میں وہ اپنی آنکھوں کی نمی چھپا رہی تھی شفیق صاحب نے اٹھ کر اسے گلے سے لگایا اور اس کی پیشانی کو چوما۔

''آئی پراؤڈ آف یو۔'' شفیق صاحب نم آواز میں بولے، علیزے کتنی ہی دیر ان کے گلے لگی رہی اس کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا، کچھ دیر بعد شفیق صاحب نے اسے خود سے الگ کیا اور اس کے آنسو صاف کیے۔

''شام کو تم دونوں تیار رہنا آج ہم تینوں باہر ڈنر کریں گے۔'' اور علیزے کے سر پر ہاتھ پھیر کر باہر نکل گئے تھے، صائمہ بیگم اور نائلہ کو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا وہ شفیق صاحب کے رویے

سے بہت پریشان ہوئی تھیں وہ اتنی آسانی سے اپنی محنت ضائع ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھیں۔

''بی گل نے بھی اسے گلے لگا کر پیار کیا تھا صائمہ بیگم اور نائلہ نے اسے مبارک باد نہیں دی تھی اور اسے اس چیز کی پرواہ بھی نہیں تھی، شام کو علیزے دل لگا کر تیار ہوئی تھی اس نے پنک کلر کا فراک پہنا تھا اور اس کے ساتھ ہلکا سا میک اپ بھی کیا تھا، روحان لاؤنج میں کھڑا نائلہ سے بات کر رہا تھا، علیزے کو سیڑھیاں اترتے دیکھ کر وہ بات کرنا بھول گیا تھا، وہ سیڑھیاں اترتی ہوئی کوئی شہزادی لگ رہی تھی، روحان کا علیزے کو یوں دیکھنا نائلہ بری طرح کھٹکا تھا مگر وہ بولی کچھ نہیں۔

''بابا کہاں ہیں؟'' علیزے نے اپنا موبائل کلچ میں رکھا۔

''باہر گاڑی میں ویٹ کر رہے ہیں۔'' روحان نے نظریں چرائیں علیزے نے ایک نظر نائلہ کو دیکھا اور باہر کی جانب قدم بڑھا دیئے، علیزے آج بہت دنوں بعد دل لگا کر تیار ہوئی تھی، اس نے مصطفیٰ کو فون کر کے ایک ایک بات بتائی تھی وہ بھی بہت خوش ہوا تھا، بی گل نے علیزے کا مسکراتا چہرہ دیکھ کر رب کا شکر ادا کیا تھا، علیزے نے ڈنر کو خوب انجوائے کیا تھا جبکہ نائلہ وہاں خاموش ہی رہی تھی، اس رات علیزے بڑی پرسکون نیند سوئی تھی اور روحان بڑی بے چین نیند سویا تھا اس کی آنکھوں کے سامنے بار بار علیزے کا مسکراتا چہرہ آ رہا تھا۔

☆☆☆

شفیق صاحب نے ان دونوں کا یونیورسٹی میں ایڈمشن کروا دیا تھا روحان کے پیرنٹس بھی پاکستان آ گئے تھے، روحان اپنے گھر میں شفٹ ہو گیا تھا، شفیق صاحب نے ان کی ویک اینڈ پر دعوت کی تھی علیزے نے بی گل کے ساتھ مل کر سارا کھانا تیار کیا، اعجاز محمود، شفیق صاحب کے بے حد ممنون تھے کہ انہوں نے روحان کو اپنے گھر رکھا روحان کی والدہ صدف ایک سلجھی ہوئی خاتون تھی وہ زیادہ وقت علیزے سے ہی باتیں کرتی رہیں جو صائمہ بیگم اور نائلہ کو ایک آنکھ نہ بھایا تھا، علیزے سب کے لئے کچن میں چائے بنانے آئی تھی جب اسے اپنے پیچھے نائلہ کی آواز سنائی دی۔

''تم آج کل بڑا چہک رہی ہو۔'' علیزے نے کوئی جواب نہ دیا اور چولہا بند کر دیا۔

''تم روحان سے ذرا دور رہو زیادہ اچھی بننے کی کوشش نہ کرو اسے تمہاری اصلیت معلوم ہے۔'' نائلہ غصے سے بولی۔

''ایسے تو پھر اسے تمہاری بھی اصلیت معلوم ہوگی۔'' علیزے نے برتن میں پانی ڈالا۔

''اگر پہلے کی طرح تم پھر میرے راستے میں آئی تو اس طرح ذلیل کروں گی کہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گی۔'' نائلہ نے مشکل سے اپنی آواز کو دھیما رکھا۔

''عزت اور ذلت میرے اللہ کے ہاتھ میں ہے تم ابھی اس قابل نہیں ہوئی کہ مجھے ذلیل اور رسوا کر سکو اور جہاں تک بات راستے میں آنے کی ہے تو سنو میں تمہاری طرح گھٹیا سوچ نہیں رکھتی۔'' علیزے نے چولہا آہستہ کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ نائلہ نے ابلتے ہوئے پانی کے برتن پر ہاتھ مار کر اسے نیچے گرا دیا علیزے کو سنبھلنے کا موقع بھی نہ ملا اور سارا کھولتا ہوا پانی اس کے بازو اور پاؤں پر گر گیا، علیزے کی دردناک چیخیں پورے گھر میں گونجی تھیں، شفیق صاحب تقریباً بھاگتے ہوئے کچن میں پہنچے تھے، ان کے پیچھے باقی سب بھی آ گئے تھے، شفیق

صاحب نے آگے بڑھ کر سنک کا پانی کھولا اور اس کے نیچے علیزے کا بازو کر دیا، علیزے مسلسل رو رہی تھی۔

"علیزے میری جان کچھ نہیں ہوا حوصلہ کرو۔" شفیق صاحب اس سے زیادہ خود کو تسلی دے رہے تھے۔

"بابا!" علیزے اتنا کہہ کر شفیق صاحب کے بازوؤں میں لڑھک گئی تھی، روحان نے فوراً گاڑی نکالی شفیق صاحب اسے اٹھا کر ہسپتال لے گئے، تقریباً آدھے گھنٹے بعد ڈاکٹر نے باہر نکل کر ان کو تسلی دی تھی۔

"میری بیٹی کیسی ہے؟" شفیق صاحب فکر مندی سے بولے۔

"اب وہ ٹھیک ہیں شاکڈ کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی تھی۔" ڈاکٹر انہیں مطمئن کرتا وہاں سے چلا گیا۔

کچھ دیر بعد علیزے کو ہوش آ گئی تھی، اعجاز صاحب اور صدف دونوں اپنی گاڑی میں ہسپتال آئے تھے جبکہ صائمہ بیگم اور نائلہ نے فون کر کے حال تک پوچھنے کی زحمت نہیں کی تھی، روحان نے انہیں مطمئن کر کے گھر بھیج دیا وہ کمرے میں جانے لگا تھا مگر شفیق صاحب کو بات کرتا دیکھ کر باہر ہی رک گیا۔

"یہ سب کیسے ہوا؟" شفیق صاحب بیڈ پر بیٹھے اس کے بالوں پر ہاتھ پھیر رہے تھے۔

"میں چائے بنانے گئی تھی، میرے پیچھے نائلہ بھی آ گئی۔" علیزے آہستگی بولی۔

"پھر؟" شفیق صاحب کے ہاتھ پل بھر کو رکے۔

"اس کی اور میری بحث ہوئی تھی پھر اس نے غصے میں آ کر برتن کو ہاتھ دے مارا اور سارا گرم پانی میرے اوپر گر گیا۔" علیزے کہتے ہی پھر رو پڑی تھی، شفیق صاحب نے اس کے آنسو صاف کیے جبکہ باہر کھڑے روحان کو اس وقت نائلہ سے شدید نفرت ہوئی تھی، کوئی اس قدر کیسے گر سکتا ہے وہ بس سوچ کر رہ گیا، کچھ دیر بعد شفیق صاحب علیزے کو لے کر گھر آ گئے تھے، اسے اپنے کمرے میں سلا کر وہ خود پوری رات جاگے تھے اور سویا تو پوری رات روحان بھی نہیں تھا، وہ آنکھیں بند کرتا تھا تو اسے علیزے کی دردناک چیخیں سنائی دیتی تھی، وہ صبح ہوتے ہی اس سے ملنے گیا تھا اور اس کے لئے اس نے پھول اور چاکلیٹس بھی خریدی تھیں وہ کافی دیر علیزے کے پاس بیٹھا باتیں کرتا رہا پھر جب وہ سو گئی تو اس کے کمرے سے باہر آ گیا، روحان کو دیکھ کر نائلہ اس کی طرف بڑھی تھی لیکن روحان اسے نظر انداز کرتا اس کے پاس سے گزر گیا، نائلہ نے پہلے حیرت پھر غصے سے اس کو جاتے دیکھا۔

☆☆☆

علیزے کے زخم کافی حد تک ٹھیک ہو گئے تھے لیکن شفیق صاحب پھر بھی اسے روز ڈاکٹر کے پاس لے کر جاتے تھے وہ علیزے کی طرف سے ذرا بھی لاپرواہی نہیں برت رہے تھے، اسے اپنی موجودگی میں کھانا کھلاتے اور باقاعدگی سے دوائی دیتے تھے، ابھی بھی انہوں نے ڈاکٹر سے ٹائم لیا اور علیزے کو کال کر کے ریڈی رہنے کو کہا، علیزے لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی شفیق صاحب کا انتظار کر رہی تھی جب نائلہ اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

"ویسے کافی ڈھیٹ ہو تم۔" نائلہ بولی علیزے نے کوئی جواب نہیں دیا بس منہ پھیر لیا۔

"اب اگر تم میرے راستے میں آئی تو اس سے بھی زیادہ برا حال ہو گا تمہارا۔" نائلہ نے علیزے کے پاؤں کی طرف اشارہ کیا۔

''کسی کو اتنی تکلیف نہیں دینی چاہیے کہ وہ اللہ کے سامنے تمہارا نام لے کر رو پڑے۔'' بی گل کچن سے باہر نکل آئی وہ نائلہ کی باتیں سن چکی تھیں۔

''ہوسکتا ہے وہ شخص تم سے زیادہ اللہ کے قریب ہو۔'' بی گل کی بات پر نائلہ نے غصے سے بی گل کو دیکھا۔

''تمہاری بڑی زبان چل رہی ہے۔'' صائمہ بیگم بھی اپنے کمرے سے آگئی تھیں۔

''رہنے دیں امی یہ غریب لوگ بددعا دینے کے علاوہ اور کر بھی کیا سکتے ہیں؟'' نائلہ حقارت سے بولی۔

''زبان سنبھال کر بات کرو نائلہ۔'' علیزے بی گل کو بھی برا بھلا کہنے پر فوراً بول اٹھی۔

''تمہیں بڑی فکر ہو رہی ہے بی گل کی، تم کان کھول کر میری بات سن لو اگر میں نے اب تمہیں روحان کے ساتھ دیکھا تو مجھ سے برا اور کوئی نہیں ہوگا۔'' نائلہ غصے سے بولی۔

''تم سے برا اور کوئی ہے بھی نہیں علی کی وجہ سے تم نے مجھ پر جھوٹا الزام لگایا تھا نا دیکھو اللہ نے اسے تمہارے نصیب میں بھی نہیں لکھا۔'' علیزے نے نائلہ کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھا تھا۔

''ہاں لگایا تھا میں نے الزام تم پر علی کی وجہ سے اس نے مجھ پر تمہیں فوقیت دی تھی۔'' نائلہ زخمی شیرنی کی طرح دھاڑی۔

''کیا ملا تمہیں یہ سب کر کے؟'' علیزے نے افسوس سے نائلہ کو دیکھا۔

''سکون۔'' نائلہ فوراً بولی۔

''جب جب میں تمہیں تکلیف میں دیکھتی ہوں میری روح تک سرشاد ہو جاتی ہے اب تمہیں معلوم ہوا ہوگا کہ میں بچپن سے اب تک کن کن تکلیفوں سے گزری ہوں؟'' نائلہ ارد گرد سے بے نیاز اپنا زہر اگلنے میں مصروف تھی۔

''تمہیں کیا لگا میں اتنی اچھی ہوں چپ چاپ تمہاری ملاقات علی سے کروا دوں گی؟ جس شخص کو میں پسند کرتی تھی اسے اتنی آسانی سے تمہارا کیسے ہونے دیتی اس وجہ سے میں نے تمہارے ساتھ یہ سب کیا۔'' نائلہ اپنا گناہ بڑے دھڑلے سے قبول کر رہی تھی۔

''تم بدلہ لینے کے لئے اس حد تک گر سکتی ہو میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔'' شفیق صاحب نے ایک زوردار تھپڑ نائلہ کے منہ پر مارا نائلہ حق دق شفیق صاحب کو دیکھ رہی تھی۔

''ماموں آپ کو ضرور کوئی غلط فہمی.....''

شفیق صاحب کی آنکھوں میں غصہ دیکھ کر نائلہ بات بھی پوری نہیں کر سکی تھی، روحان کو کھڑا دیکھ کر وہ اسے سخت شرمندگی ہوئی تھی، روحان علیزے کا حال پوچھنے آیا تھا، شفیق صاحب اور روحان بیک وقت گھر میں داخل ہوئے تھے، نائلہ کو بولتے دیکھ کر شفیق صاحب نے روحان کو بھی آگے جانے سے روک دیا تھا وہ نائلہ کی ساری باتیں سن چکے تھے۔

''بھائی صاحب میری بچی نے کچھ نہیں کیا؟'' صائمہ بیگم ڈرتے ڈرتے بولی تھیں۔

''اور کتنا جھوٹ بولو گی تم دونوں تم لوگوں کو کیا لگا کہ میں آنکھیں بند کر کے تم لوگوں کی بات پر یقین کر لوں گا۔'' شفیق صاحب دھاڑے تھے۔

''میں نے خود علی سے بات کی تھی اس بارے میں اور اس نے مجھے سب سچ بتا دیا تھا اور وہ جو تم نے جو کارڈز رکھے تھے علیزے کے کمرے میں میں نے اس پر موجود رائٹنگ اور علی کی رائٹنگ میچ کر کے دیکھی تھی اور کوئی اندھا بھی دیکھ کر بتا سکتا تھا کہ ان میں زمین آسمان کا فرق

ہے۔“

علیزے کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل آئے تھے اس کا باپ پوری حقیقت سے آگاہ تھا۔

”میں جب جب اپنی بیٹی کو تکلیف میں دیکھتا تھا اپنی ہی نظروں میں گر جاتا تھا مجھ سے اس کی یہ حالت نہیں دیکھی جاتی تھی وہ جہاں ہوتی تھی میں وہاں سے چلا جاتا تھا کیونکہ میں اس کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا لیکن میں پھر بھی خاموش رہا تم لوگوں کو ایک اور موقع دینا چاہتا تھا لیکن تم لوگ اس قابل ہی نہیں تھے کہ تم لوگوں کو موقع دیا جائے۔“ اتنا غصے میں تو شفیق صاحب اس وقت نہیں آئے تھے جب نائلہ نے علیزے پر جھوٹا الزام لگایا تھا۔

”میں سب کچھ صبر سے برداشت کرتا رہا لیکن جب تم نے علیزے پر گرم پانی گرایا تھا اس دن مجھے تم سے شدید نفرت ہوئی تھی۔“ شفیق صاحب کی آواز پورے گھر میں گونج رہی تھی سب خاموشی سے شفیق صاحب کو سن رہے تھے۔

”لیکن میں نے فیصلہ کرلیا ہے میں تمہیں جائیداد میں سے حصہ دے دوں گا تم اور تمہاری بیٹی اب یہاں سے جاسکتے ہو میں اپنی بیٹی کو اور تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔“ شفیق صاحب فیصلہ کن انداز میں بولے۔

”بھائی صاحب یہ ظلم نہ کریں، ہم آپ کے بغیر کیسے رہیں گے؟“ صائمہ بیگم نے آگے بڑھ کر شفیق صاحب کے پاؤں پکڑ لئے۔

”جب میری بیٹی پر الزام لگایا تھا تب تم نے سوچا تھا کہ وہ میرے بغیر کیسے رہے گی اور میں اس کے بغیر؟“ شفیق صاحب نے اپنے پاؤں صائمہ بیگم کے ہاتھوں سے آزاد کروائے اور علیزے کے سامنے جاکر ہاتھ جوڑ دیئے۔

شگفتہ شگفتہ رواں دواں

اردو کی آخری کتاب

طنز و مزاح

لاہور اکیڈمی

پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون: 042-37321690، 042-37310797

"مجھے معاف کر دو میری بچی میں نے تمہارے ساتھ بہت غلط کیا۔" علیزے نے ان کے ہاتھ کھولے اور ان کے گلے لگ گئی، اس کے رب نے اسے ذلیل اور رسوا ہونے نہیں دیا تھا اس نے اپنا معاملہ اللہ کی عدالت میں پیش کیا تھا اور اس نے بھی کیا خوب انصاف کیا تھا۔

☆☆☆

صبح بہت روشن تھی، علیزے نے اٹھ کر کھڑکیاں کھول دیں، ایک لمبی سانس لی اور یونیورسٹی جانے کے لئے تیار ہونے لگ گئی یونیورسٹی سے واپسی پر اس نے بی گل کے ساتھ کھانا بنوایا اور اپنے کمرے میں آ گئی، اذان کی آواز پر وہ فوراً اٹھی وضو کیا اور عصر کی نماز پڑھنے لگ گئی، ابھی وہ نماز پڑھ رہی تھی کہ روحان دروازہ ناک کرتا اندر آ گیا اور علیزے کو نماز پڑھتا دیکھ کے خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گیا اس نے کمرے کا تفصیلی جائزہ لیا ہر چیز اپنی جگہ پر موجود تھی۔

علیزے نماز پڑھ کر کچھ دیر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتی رہی، روحان یہ ساری کاروائی بڑی محویت سے دیکھتا رہا وہ آنکھیں بند کیے دوپٹے سلیقے سے چہرے کے گرد لپیٹے بہت خشوع سے دعا مانگ رہی تھی، دعا مانگ کر جائے نماز سمیٹتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی، روحان اس کے چہرے سے نظریں نہ ہٹا سکا وہ بلاشبہ بہت خوبصورت تھی۔

"آج روحان صاحب میرے کمرے میں تشریف لے آئیں ہیں خیریت تو ہے؟" علیزے مسکراتے ہوئے بولی۔

"خیریت ہی تو نہیں ہے۔" روحان اٹھ کر بالکونی میں چلا گیا۔

"کیا ہوا؟" علیزے حقیقتاً پریشان ہوئی تھی۔

"ڈیڈ چاہتے ہیں کہ میں ان کے دوست کی بیٹی سے شادی کر لوں۔" روحان نے ایک نظر علیزے کو دیکھا۔

"تو کر لو پرابلم کیا ہے؟" علیزے لاپرواہی سے بولی۔

"لیکن میں کسی اور کو پسند کرتا ہوں۔" روحان نے اصل بات بتائی۔

"اوہ۔"

"لیکن اس لڑکی کو نہیں معلوم کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں تم میری ہیلپ کرو گی؟" روحان نے گیند علیزے کے کورٹ میں ڈالی۔

"میں بھلا کیسے مدد کر سکتی ہوں؟"

"تمہیں اس لڑکی کو بتانا ہے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔" روحان سنجیدگی سے بولا۔

"اچھا تم مجھے اس لڑکی کے بارے میں بتاؤ جس سے تم محبت کرتے ہو؟" علیزے کچھ سوچ کر بولی۔

"مجھے اس لڑکی سے محبت ہوئی ہے جس کا اگر موڈ خراب ہو تو وہ مہمان کے ساتھ بھی روڈ ہو جائے اسے لفٹ بھی نہ کروائے اور جسے میں اتنا اچھا بھی نہیں لگتا کہ وہ میرے لئے فرنچ فرائز بنائے۔" روحان کی بات پر علیزے نے پوری آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

"بولو اس لڑکی کو میرے لئے منا لو گی اور کوشش کرنا میں اسے اتنا پسند آ جاؤں کہ وہ میرے لئے فرنچ فرائز کے ساتھ ساتھ کھانا بھی بنا ڈالے۔" وہ اسے محبت بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا، علیزے ابھی تک اس کی بات سے شاکڈ تھی کیونکہ وہ جس لڑکی کے بارے میں کہہ رہا تھا وہ لڑکی خود علیزے تھی، علیزے نہیں جانتی تھی کہ وہ کب سے اس کے دل میں بس گئی تھی اور روحان بھی اس بات سے بے خبر تھا کہ کب سے

وہ اپنے دل میں علیزے کو جگہ دے چکا ہے، روحان جب ان کے گھر آیا تھا تو سب نے اسے اہمیت دی تھی، نائلہ ہر وقت اس کے اردگرد رہتی تھی اس کی بات کو اہمیت دیتی تھی صائمہ بیگم بھی اس کا غیر معمولی خیال رکھتی تھیں، شفیق صاحب مصروف ہونے کے باوجود روحان کے لئے وقت نکالتے تھے لیکن صرف علیزے تھی جسے اپنے اس فیملی فرینڈ سے کوئی سروکار نہیں تھا، وہ بہت لئے دیے رکھنے والوں میں سے تھی، اول تو وہ اس سے خود بات نہیں کرتی تھی اگر روحان کوئی بات کرتا تو ڈھنگ کا جواب بھی نہ دیتی تھی اور شاید علیزے کے اسی چیز نے روحان کو متوجہ کیا تھا جب وہ دیکھتا کہ وہ اداس ہے تو نجانے کیوں وہ بھی اداس ہو جاتا تھا، پھر جب اس کے اپنے بابا کے ساتھ تعلقات ٹھیک ہوئے تو تب اسے پتہ چلا کہ علیزے خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ بلا کی ذہین اور حاضر جواب بھی ہے۔

☆☆☆

علیزے دلہن کے روپ میں غضب ڈھا رہی تھی اس نے ڈیپ ریڈ کلر کا لہنگا پہنا تھا، وہ سج سج کر قدم رکھتی اسٹیج پر روحان کے برابر میں آ کر بیٹھ گئی تھی روحان نے بلیک کلر کی شیروانی پہنی تھی جو کہ اس پر بہت اچھی لگ رہی تھی۔

''کیسا لگ رہا ہے میری بیوی بن کر؟''

اس کے بیٹھتے ہی روحان شروع ہو گیا بدلے میں علیزے نے اسے ایک بڑی سی گھوری ڈالی، روحان اس کی اس حرکت پر مسکرا دیا تھا۔

''روحان گھر جا کر جتنا مرضی ہنس لینا قسم سے دور سے دیکھ کر ایسا لگتا ہے جیسے دولہا نے آج ہی نئے دانت لگوائے ہیں اور ان کی نمائش کر رہا ہے۔'' مصطفیٰ کے ساتھ رابعہ اور ماریہ بھی آئی تھیں اور اب وہ سارے مصطفیٰ کی بات پر ہنس رہے تھے، اللہ کے بعد علیزے مصطفیٰ کی بے حد ممنون تھی، اگر مصطفیٰ نہ کہتا تو اس کے بابا کبھی بھی علی سے ملنے نہ جاتے۔

''تم نے یاد ہے مجھ سے پوچھا تھا کہ اس سارے معاملے میں اللہ کی کیا حکمت ہو گی؟''

روحان اپنے دوستوں سے بات کرنے میں مصروف تھا جب مصطفیٰ نے علیزے کو اس کی بات یاد دلائی، علیزے نے ناسمجھی سے مصطفیٰ کو دیکھا۔

''ہو سکتا ہے یہ تمہاری اس دعا کا نتیجہ ہو جو تم نے کبھی رب سے مانگی ہو گی کہ جو تمہیں نقصان پہنچانا چاہتا ہے وہ تمہاری زندگی سے نکل جائے۔'' علیزے نے ٹھٹک کر مصطفیٰ کو دیکھا اس نے واقعی یہ دعا مانگی تھی، علیزے نے اسٹیج سے بہت دور ایک کونے میں صائمہ بیگم اور وہیل چیئر پر نائلہ کو بیٹھے دیکھا تھا ایک ایکسیڈنٹ میں نائلہ اپنی دونوں ٹانگیں گنوا چکی تھی، ڈاکٹرز کے مطابق اب وہ پوری زندگی اپنے پاؤں پر کھڑی نہیں ہو سکتی تھی، وہ دونوں ابھی بھی شفیق صاحب کے ساتھ رہتی تھیں لیکن اب ان میں وہ پہلے تعلقات نہیں رہے تھے علیزے کی آنکھ سے آنسو نکل آیا، تب ہی روحان نے اس کی طرف دیکھا اور نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کا آنسو صاف کیا روحان کی اس حرکت پر سب کزنز کی ''اوئے ہوئے'' کی آواز بڑی جاندار تھی، اس منظر کو کیمرے کی آنکھ نے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیا تھا علیزے نے شرما کر گردن جھکا لی وہ اپنے رب کی بے حد شکر گزار تھی۔

☆☆☆

''کچھ نہیں۔'' وہ افسردگی سے کہتی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

''ضرور کوئی زہر اگلا ہوگا آسیہ آنٹی نے ورنہ نغمی یوں اتنی بجھی بجھی سی نہ ہوتی۔'' حسنہ نے دل میں سوچا تھا۔

نغمہ نے کمرے میں آتے یہ پہلا کام یہ کیا کہ بس سروس کو فون کیا اور لاہور سے رحیم یار خان جانے والی بس کی ٹکٹ کا پوچھا، سیٹ دستیاب تھی اس نے فون پر ہی بکنگ کروا دی، شام ساڑھے سات بجے روانگی تھی، اس کام سے فارغ ہو کر اس نے اپنے کپڑے نکالے اور شاور لینے کے لئے واش روم میں چلی گئی، نہا کر تیار ہوئی، اپنا سارا سامان سمیٹا اور کمرے سے باہر آ گئی۔

''شاید سب سو گئے۔'' گھر میں پھیلی خاموشی محسوس کر کے اس نے سوچا، تبھی اسے آسیہ بیگم کے کمرے سے کچھ آوازیں سنائی دیں، اپنا نام آسیہ بیگم کی زبان سے سن کر وہ ٹھٹکی اور آپ ہی آپ چلتی ہوئی کمرے کے دروازے کے قریب آ کر رک گئی، ادھ کھلے دروازے سے آتی آوازیں وہ بہت صاف اور واضح سن سکتی تھی۔

''امی! آپ کی سوچ غلط ہے نغمہ کے بارے میں۔'' شفیق الحسن کہہ رہے تھے، وہ مجسم کان بنی کھڑی تھی۔

''ہاں اب تم بھی ماں کو ہی غلط کہنا، بھائی کی حمایت میں ہی بولنا، ماں غلط ہے، نغمہ غلط نہیں ہے۔'' آسیہ بیگم نے غصیلے لہجے میں کہا تو نغمہ کو بہت دکھ ہوا ان کی سوچ پر اور حیرت بھی ہوئی تھی کہ یہ وہی آسیہ آنٹی ہیں جو اس کو بچپن میں بہت پیار سے ملا کرتی تھیں۔

''آسیہ بیگم! آپ رائی کا پہاڑ بنا رہی ہیں کیا ہوا اگر ہماری بہو کی بہن اس کے گھر چند روز

میری زندگی ہے نغمہ

: سباس گل

رہنے کے لئے آ گئی ہے؟'' انیس الحسن ان کے معاملات میں کم ہی بولا کرتے تھے یہاں انہیں بلا جواز نغمہ سے متنفر ہونا اور فضول گوئی ہوتے دیکھنا برداشت نہیں ہوا تو وہ بھی مجبورا بول پڑے۔

''وہ چند روز کے لئے رہنے نہیں آئی وہ یہاں ہمیشہ کے لئے رہنے کا راستہ ہموار کر رہی ہے۔'' آسیہ بیگم تیزی سے بولیں۔

''میری سمجھ میں آپ کی باتیں نہیں آ رہیں۔'' انیس الحسن سر ہلاتے ہوئے بولے۔

''مردوں کی سمجھ میں ایسی باتیں اتنی جلدی کہاں آتی ہیں؟ اور اسی بات کا فائدہ اٹھا رہی ہیں یہ دونوں بہنیں۔''

''کیا فائدہ اٹھا رہی ہے نغمہ! بتائیں ذرا؟'' انیق الحسن نے بے کلی سے سوال کیا اور پھر گویا ہوئے۔

''میں نے جس دن سے اسے یہاں دیکھا ہے وہ سب کی ضرورتوں کا خیال رکھ رہی ہے، گھر کی صفائی کوکنگ ہر کام کر رہی ہے، بھابھی کے لئے اتنی آسانی ہو گئی ہے اس کے یہاں آنے سے سب کو من پسند کھانا کھانے کو مل رہا ہے، بچے ان سے خوش ہیں وہ تو الٹا ہم سب کی خدمت کر رہی ہے ہمیں اس کے یہاں ہونے سے فائدہ ہوا ہے، وہ بھلا کیا فائدہ اٹھا رہی ہیں؟''

''مستقل فائدے کی خاطر چند دن کی محنت کرنا کون سا بڑی بات ہے؟ حسنہ تو چلو اب میرے سامنے زبان نہیں چلاتی مگر یہ نغمہ تو اسے بھی دس ہاتھ آگے لگتی ہے، سب کے کام کر کے دل جیت لیا نا اس نے؟ کیسی چلتر باز، حرافہ اور ہوشیار نکلی یہ لڑکی جسے دیکھو اسی کے گن گا رہا ہے۔'' آسیہ بیگم نے جو الفاظ نغمہ کے لئے استعمال کیے تھے وہ نہ صرف نغمہ کے دل پر آرے چلا گئے تھے، بلکہ شفیق الحسن اور انیق الحسن کو بھی شدید دکھ اور شرمندگی سے دوچار کر رہے تھے۔

''ابو! سن رہے ہیں آپ؟ کیسے ایک معصوم لڑکی کے کردار کی دھجیاں بکھیر رہی ہیں امی۔'' انیق الحسن نے باپ کو دیکھتے ہوئے تاسف زدہ لہجے میں کہا، اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے آسیہ بیگم پھٹ پڑی۔

''کوئی معصوم نہیں ہے وہ ایسی حرافہ، مکار اور آوارہ مزاج لڑکی ہے کیسے اپنے حسن و معصومیت کا جادو چلا رکھا ہے تم پر مسلسل اسی کی حمایت میں بولے جا رہے ہو۔''

''تو امی ایسا کیا کر دیا ہے نغمہ نے جو آپ نے گھر میں قدم رکھتے ہی اس کو گالیاں دینا شروع کر دی ہیں؟'' شفیق الحسن قدرے تیز آواز میں بولے تھے۔

''تم دونوں کو اپنی مٹھی میں کر رکھا ہے یہ کیا کم کارنامہ انجام دیا ہے اس حرافہ نے؟''

''بس کر دیں امی! خدا کا خوف کریں وہ نیک سیرت اور معصوم لڑکی ہے ایک ہفتے میں اس نے ہم سب کو اتنی خوشیاں دی ہیں، میں نے نغمہ کو ہمیشہ اپنی محسن کی طرح سمجھا اور چاہا ہے، آپ اس کے حسن اخلاق، سلیقہ شعاری اور سگھڑاپے کو غلط رنگ دے کر اس کے خلوص کی توہین کر رہی ہیں۔'' شفیق الحسن نے سنجیدگی سے کہا تو وہ طنزیہ لہجے میں بولیں۔

''سب جانتی ہوں میں کہ وہ کس چکر میں ہے اور یہ سب کس لئے کر رہی ہے، غضب خدا کا شمسہ کو بھی خیال نہیں آیا جوان جہان بیٹی کو یوں بیٹی کے سسرال بھیج دیا، صاف ظاہر ہے ان سب کی ملی بھگت ہے، میرے بیٹے پھنسانے کے لئے بھیج دیا بیٹی کو داؤ پیچ سیکھا کر، انیق کے پاکستان آنے کا پتا چلا ہوگا کے سرجن بن کر آ رہا ہے تو رال ٹپکنے لگی ان سب کی، سرجن داماد بنانے کے

لئے بیٹی کو سیکھا پڑھا کے یہاں بھیج دیا اور وہ ایک حد تک کامیاب بھی ہو گئی اپنے مقصد میں، جبھی تو تم دونوں اس کی تعریف کرتے نہیں تھک رہے، کیسا لمبا ہاتھ مارنے چلی تھیں نغمہ بیگم ہارٹ سرجن کی دلہن بنیں گی، میں بھی دیکھتی ہوں کیسے وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہوتی ہے اور اس کی ماں شمسہ، اسے تو میں دیکھ لوں گی اچھی طرح دوست بن کر ڈس لیا اس نے مجھے۔"

"ڈس آپ کو دوست نے لیا ہے اور زبان آپ کی اپنی زہر اگل رہی ہے توبہ استغفر اللہ۔" انیس الحسن بہت افسوس بھری نظروں سے آسیہ بیگم کو دیکھتے ہوئے بولے۔

"ریئلی امی! زندگی میں پہلی بار مجھے آپ کی سوچ اور رویے پر شرمندگی محسوس ہو رہی ہے مائی گاڈ کچھ احساس ہے آپ کو کسی معصوم بے گناہ پر تہمت لگانا کتنا بڑا گناہ ہے۔" شفیق الحسن نے آسیہ بیگم کو دیکھتے ہوئے دکھی لہجے میں کہا۔

"بالکل، آج آپ نے سب کو پیچھے چھوڑ دیا آسیہ بیگم! حسنہ غیر ذمے دار ضرور ہے لیکن شروع کے ہنگاموں کے بعد اتنی عقل، سمجھ اسے بھی آ گئی تھی کہ ہم اس کے بڑے ہیں پھر ہمارے سامنے اس نے کبھی زبان نہیں کھولی، بدتمیزی نہیں کی، آج اگر وہ آپ کے یہ نادر خیالات جان لے اپنی بہن کے بارے میں تو آپ کی کیا عزت رہ جائے گی اس کی نظروں میں؟" انیس الحسن نے تاسف زدہ لہجے میں کہا۔

"اس کی اپنی کوئی عزت ہے جو وہ میرے بارے میں رائے قائم کرے گی، شفیق کے معاملے میں تو دھوکا ہو گیا تھا مجھے، مگر انیق کی شادی میں خوب دیکھ بھال کے کروں گی، ان بہنوں کے خواب تو میں کبھی پورے نہیں ہونے دوں گی۔" آسیہ بیگم بدستور حقارت آمیز لہجے میں بولیں۔

"اف میرا سر درد سے پھٹا جا رہا ہے۔" انیق الحسن جو پچھلے اڑتالیس گھنٹوں سے جاگ رہے تھے، ان کا سر حقیقتاً شدید درد کرنے لگا تھا اب اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، وہ بے بسی سے اپنا سر دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر بولے۔

"ہاں ماں کی باتیں سن کر تو تمہارے سر میں ہی درد ہو گا اب۔" آسیہ بیگم نے غصے سے کہا تو وہ تاسف سے بس انہیں دیکھ کر رہ گئے۔

"کیا ہو گیا ہے امی آپ کو، انیق ڈے نائٹ ڈیوٹی کر کے ہوسپٹل سے بارہ بجے گھر لوٹا ہے نیند اور تھکن کے بعد آپ کی یہ شک نفرت اور بدگمانی سے پر گفتگو سن کر اس کے سر میں ہی درد ہو گا نا؟"

"ایق! تم جاؤ بھائی، جا کر کوئی پین کلر کھا کر سو جاؤ، یہ باتیں تو پتا نہیں کب تک چلیں گی؟" شفیق الحسن نے آسیہ بیگم کو جواب دینے کے بعد انیق الحسن کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو وہ دکھی لہجے میں بولے۔

"ایسی باتیں سننے کے بعد نیند آئے گی کیا؟"

"ہاں بیٹا! جاؤ تم دوا کھا کے آرام کرو تمہاری امی حضور ادھر ہی رہیں گی اب ان کی باتیں تو تمہیں روز ہی سننے کو ملیں گی۔" انیس الحسن نے بھی انیق الحسن کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

نغمہ یہ سن کر جانے کے لئے واپس پلٹی تو صائم اور صارم کو وہاں کھڑے دیکھ کر ایک پل کو تو وہ ڈر گئی پھر خود کو کمپوز رکھتے ہوئے مسکرا دی اور ان دونوں کو سر پر ہاتھ پھیر کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی، صائم اور صارم نے افسردگی سے ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

عصر کی اذان ہو چکی تھی، انیق الحسن نے

وضو کر کے نماز ادا کی دو پین کلر کھائیں اور سونے کی غرض سے لیٹ گئے، تھکن، نیند، سر درد سے آنکھیں اپنے آپ بند ہونے لگیں اور وہ کچھ دیر میں نیند کی وادی میں پہنچ گئے تھے۔

شام کے سات بجنے والے تھے، نغمہ اپنا بیگ اور سوٹ لے کر کمرے سے باہر آ گئی، کیپ کو فون کر دیا تھا اس نے جبھی جب ڈائیو بس سروس کو کال کر کے اپنی سیٹ بک کروائی تھی، دوبارہ بھی انہیں ری مائنڈ کروا دیا تھا، کیپ آنے والی تھی اسی لئے وہ کمرے سے باہر آ گئی تھی تاکہ سب سے مل لے اور سب کو خدا حافظ بھی کہہ دے۔

گھر میں اتنے افراد موجود تھے اس کے باوجود گھر میں اس وقت سناٹا چھایا ہوا تھا، صائم اور صارم اس وقت ٹی وی پر کارٹون پروگرام دیکھتے تھے یا کرکٹ کھیلتے تھے لیکن اس وقت وہ دونوں ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے تھے اپنی کتابیں کھولے خاموش اور افسردہ سے، شفیق الحسن اور حسنہ چائے پی رہے تھے مگر ان کے درمیان گہری چپ تھی، انیس الحسن اور آسیہ بیگم اپنے کمرے میں تھے شاید۔

''ہیلو ہیلو یہ طوفان کے بعد کی خاموشی ہے یا طوفان آنے سے پہلے کی خاموشی ہے۔'' نغمہ نے اپنا بیگ اور سوٹ کیس نیچے رکھ کر ان سب کو دیکھتے ہوئے خوشگوار موڈ میں کہا تو سب چونک کر اس کی جانب دیکھنے لگے، وہ سر سے پاؤں تک سیاہ اور کتھئی رنگ کی چادر میں لپٹی ہوئی تھی۔

''تم کہیں جا رہی ہو؟'' حسنہ چائے کا کپ میز پر رکھ کر اٹھ کر اس کی طرف آئیں۔

''جی ہاں بیک ٹو پویلین۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی تو صائم اور صارم اٹھ کر دوڑتے ہوئے اس کے پاس آئے تھے۔

''خالہ جانی! آپ واپس جا رہی ہیں؟'' صائم نے فکر مندی سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا تو آسیہ بیگم بھی اپنے کمرے سے باہر نکلیں تھیں اسی وقت۔

''جی ہاں میں واپس جا رہی ہوں۔''

''لیکن یوں اچانک؟'' حسنہ تحیر آمیز نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولیں تو شفیق الحسن بھی اس کے پاس چلے آئے۔

''نغمہ! کیا بات ہے یوں ایکدم سے تم نے جانے کا فیصلہ کیسے کر لیا؟ کسی نے کچھ کہا ہے کیا؟'' شفیق الحسن نے نرمی سے پوچھا۔

''کسی کی مجال ہے کہ مجھے کچھ کہے، اپنوں کے ہوتے ہوئے اور آپ کو تو پتا ہے میں ایسی ہی ہوں اچانک آئی تھی اور اچانک واپس جا رہی ہوں، سرپرائز۔'' نغمہ نے ان پر بالکل بھی ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ ان کی والدہ کے حقارت آمیز رویے سے دلبرداشتہ ہو کر یہاں سے یوں اچانک جا رہی ہے بلکہ اس نے بہت خوشگوار موڈ میں مسکراتے ہوئے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

''سچ سچ بتاؤ نغمی، کیوں جا رہی ہو؟'' حسنہ نے اس کے گال کو چھوتے ہوئے پوچھا۔

''سچ کڑوا ہوتا ہے بجیا، اور میں جاتے ہوئے کڑواہٹ نہیں گھولنا چاہتی ماحول میں، ارے بھئی، کچھ نہیں ہوا کل دادی سے میری بات ہوئی تھی وہ سب عشرت خالہ کے ہاں گئے ہیں ایک ہفتے کے لئے ان کی بیٹی کی منگنی ہے پرسوں اور پوتے کا عقیقہ ہے، لہٰذا مابدولت بھی اس خاص الخاص تقریب میں مدعو ہیں، آپ جانتی تو ہیں کہ طوبیٰ سے میری کتنی دوستی ہے اب اگر میں اس کی منگنی میں شریک نہ ہوئی تو وہ میری جان کو آ جائے گی، اس لئے میں نے رات ہی بکنگ کروائی تھی کیپ بھی ابھی آتی ہوگی مجھے لینے

کے لئے میں یہاں سے ڈائیو بس سروس کے ذریعے رحیم یار خان عشرت خالہ کے گھر جا رہی ہوں، وہاں مجھے ابو اور خالو جان لینے آ جائیں گے سمپل۔‘‘ نغمہ نے مسکراتے ہوئے تیزی سے ساری تفصیل بتائی یہ بہت معقول بہانہ تھا یقین نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

’’سچ کہہ رہی ہو؟‘‘ حسنہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

’’ارے یقین نہیں آ رہا تو دادی کو کال کر کے پوچھ لیں انہیں سب معلوم ہے۔‘‘ نغمہ مسکراتے ہوئے بولی۔

’’اکیلی کیسے جاؤ گی؟‘‘ شفیق الحسن نے قدرے مطمئن ہو کر پوچھا تو اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

’’جیسے اکیلی آئی تھی۔‘‘

’’تم لوگ اتنے سوال جواب کیوں کر رہے ہو اس سے نغمہ بچی تھوڑی ہے جو اکیلی جائے گی تو گم ہو جائے گی ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے یہ جب اکیلی آ سکتی ہے سفر کر کے تو اکیلی اپنے گھر جا بھی سکتی ہے، بس میں ہی تو بیٹھنا ہے کون سا پیدل سفر کرنا ہے جو تمہیں اتنی فکر ہو رہی ہے اس کی۔‘‘ آسیہ بیگم نے وہاں ان سب کے پاس آ کر کہا۔

’’دیکھا آنٹی میری بات سمجھ گئی ہیں آپ بھی سمجھ جائیں اور مجھے اجازت دیں کیپ آ چکی ہے کیپ والے کی کال آ رہی ہے۔‘‘ نغمہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور ہاتھ میں پکڑا ہوا اپنا سیل فون آن کر لیا۔

’’جی بس پانچ منٹ ویٹ کیجئے میں آ رہی ہوں۔‘‘ نغمہ نے یہ کہہ کر کال ڈسکنیکٹ کر دی۔

’’او کے صائم صارم اپنا بہت خیال رکھنا ہے آپ نے مما پاپا کو تنگ نہیں کرنا، خوب دل لگا کر پڑھنا ہے ٹھیک ہے۔‘‘ صائم اور صارم کو اپنے دائیں بائیں بازوؤں کے حصار میں لیتے ہوئے اس نے پیار سے سمجھایا وہ دونوں رونے کو ہو رہے تھے۔

’’جی، لیکن خالہ جانی آپ کیوں جا رہی ہیں؟‘‘ صارم بھیگی آواز میں بولا۔

’’جن کا دل لگ گیا ہے ان کا کیا ہوگا؟‘‘ شفیق الحسن کا اشارہ انیق الحسن سے جو اس کی واپسی سے بے خبر گہری نیند میں تھے۔

’’دولہا بھائی! میں کوئی یہاں ہمیشہ کے لئے تھوڑی آئی تھی نہ ہی دل لگانے آئی تھی، میں تو آپ سے ملنے آئی تھی اس کے لئے ہفتہ بہت ہوتا ہے زندگی رہی تو پھر ملیں گے، بجیا میں نے خاصا الٹ پلٹ کر دیا آپ کا گھر سوری، او کے اب اجازت دیجئے۔‘‘ وہ سب سے ملتے ہوئے تیزی سے بولتی چلی گئی، کوئی کچھ کہہ ہی نہ پایا، صارم اور صائم کو اس نے پیار کیا محسن کو آیا لے آئی اسے بھی پیار کیا، آسیہ بیگم تو صوفے پر جا بیٹھی تھیں، انیس الحسن بھی آ گئے تھے سب کو خدا حافظ کہہ کر وہ اپنا سامان اٹھانے لگی تو شفیق الحسن بولے۔

’’تم چلو سامان میں اٹھا لیتا ہوں۔‘‘

’’نہیں شفیق بھائی، میں اٹھا لوں گی ویسے بھی انسان کو اپنا بوجھ خود ہی اٹھانا چاہیے۔‘‘ نغمہ نے مسکراتے ہوئے بڑی سہولت سے انہیں منع کر دیا۔

’’تمہیں ڈائیو کے اڈے تک تو میں چھوڑ کے آ سکتا تھا تم نے تو مجھے بالکل ہی پرایا کر دیا۔‘‘ وہ خفگی سے بولے۔

’’سوری بھائی، بس میں آپ کو زحمت نہیں دینا چاہتی تھی اور پھر یہ کیپ والوں کی بھی تو روزی روٹی کا مسئلہ ہے نا ان کا بھی کچھ فائدہ ہو جائے تو کیا حرج ہے، او کے اللہ حافظ۔‘‘ وہ مسکراتے ہوئے بولی اور اپنا سامان اٹھا کر باہر

نکل گئی، شفیق الحسن، حسنہ، صارم، صائم بھی گیٹ تک اسے چھوڑنے آئے شفیق الحسن اور بچے تو تب تک باہر کھڑے رہے جب تک نغمہ کی کیپ ان کی نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئی۔

''پاپا! نغمہ خالہ اتنی جلدی کیوں چلی گئیں؟'' صارم نے ان کے ساتھ اندر آتے ہوئے افسردگی سے پوچھا۔

''وہ اس لئے بیٹا! کہ خوشی انسان کی زندگی میں بہت کم وقت کے لئے آتی ہے ہمیں اس کی قدر کرنی چاہیے۔'' شفیق الحسن نے اس کا ماتھا چوم کر نرم لہجے میں جواب دیا۔

''چاچو کو تو پتا بھی نہیں ہے کہ نغمہ خالہ واپس چلی گئی ہیں۔'' صائم اداسی سے بولا، آنکھیں آنسوؤں سے بھری تھیں۔

''انہیں جتنی دیر سے پتا چلے اتنا ہی اچھا ہے، ایک طوفان گزر گیا ہے اور دوسرا طوفان شاید آنے والا ہے۔'' شفیق الحسن نغمہ کے لئے انیق الحسن کے جذبات سے بخوبی واقف تھے اسی لئے متفکر لہجے میں بولے اور اندر آ گئے۔

''چلی گئیں تمہاری سالی صاحبہ؟'' آسیہ بیگم نے انہیں دیکھتے ہی پوچھا۔

''جی چلی گئیں۔'' شفیق الحسن نے جواب دیا، بچوں کو اپنی دادی کا نغمہ کے بارے میں یہ انداز اور رویہ بہت ناگوار گزرا تھا، نغمہ کی طرح وہ بھی ان کی ساری باتیں سن چکے تھے اور ان کے دل میں دادی کے لئے غصے اور ناراضگی نے جنم لے لیا تھا۔

''چلو اچھا ہوا۔'' آسیہ بیگم بولیں۔

''خس کم جہاں پاک۔'' یہ جملہ انہوں نے بہت آہستگی سے ادا کیا تھا لیکن حسنہ کی سماعتوں نے ان کا زہر آلود یہ جملہ واضح طور پر سنا تھا، حسنہ بس لب بھینچ کر دل مسوس کر رہ گئیں، کوئی جواب نہ دے سکیں ساس کو اس گوہرافشانی پر۔

☆☆☆

اسے کہنا!
ہمیں کب فرق پڑتا ہے؟
کہ
ہم تو شاخ سے ٹوٹے ہوئے پتے
بہت عرصہ ہوا ہم کو
رگیں تک مر چکیں دل کی
کوئی پاؤں تلے روندے
جلا کر راکھ کر ڈالے
ہوا کے ہاتھ پر رکھ کر
کہیں بھی پھینک دے ہم کو
سپرد خاک کر ڈالے
ہمیں اب یاد ہی کب ہے؟
کہ ہم بھی ایک موسم تھے

نغمہ بس میں بیٹھی سوئے ہوئے مسافروں کو دیکھ رہی تھی، اس کے دل اور روح پر لگے زخم ہرے ہو گئے تھے، درد جاگ گیا تھا، آسیہ بیگم کا کہا اک اک حرف گولی کی طرح اس کے وجود کو مان، اعتماد، ذات کے وقار و اعتبار کو چھلنی کر گیا تھا اور وہ اب تک بڑے صبر و ضبط سے خود کو سنبھالتی یہاں تک آئی تھی، کسی کو شرمسار نہیں کرنا چاہتی تھی وہ نہ ہی اپنی وجہ سے بجیا کے گھر میں کوئی جھگڑا چاہتی تھی، جبھی کسی سے کچھ گلہ کیے بنا یہاں سے جا رہی تھی، اس کے خیال میں ایسا کرنا ہی سب کے حق میں بہتر تھا۔

''سوری دادی! میں آپ کا دیا کام پورا نہیں کر سکی، مجھے تو اپنا آپ آدھا، ادھورا لے جانا پڑ رہا ہے یہاں سے جو بات میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھی، اس بات کو بنیاد بنا کر آسیہ آنٹی نے میرے کردار کو کیسے تار تار کر دیا، انیق الحسن کی محبت ان کا ذاتی تعلق ہے میں اس کے ذمے دار

نہیں ہوں، نہ ہی میں نے ان کی کبھی بھی حوصلہ افزائی کی ہے اس سلسلے میں اورانہوں نے بھی کسی سے کچھ نہیں کہاتو آسیہ آنٹی نے اپنے آپ ہی یہ سوچ لیا، اف، کتنا برا سوچا انہوں نے میرے بارے میں، دادی ٹھیک کہتی ہیں کہ ’’دیگ میں چاول کاایک دانہ دیکھ کر پوری دیگ کا حال معلوم ہو جاتا ہے، بالکل اسی طرح آسیہ آنٹی نے حسنہ بجیا کے رویے عمل و کردار کو دیکھ کر میرے بارے میں اتنا منفی خیال اور رویہ اپنایا، اندازہ لگایا۔‘‘ وہ آنکھیں موندے سیٹ کی بیک سے سر ٹکائے سوچوں کے سفر پر نکل کھڑی ہوئی تھی۔

’’خس کم جہاں پاک۔‘‘ حسنہ نے اپنے کمرے میں آکر شفیق الحسن کو سناتے ہوئے کہا۔

’’یہ کس کے لئے کہا؟‘‘

’’نغمہ کے لئے۔‘‘ وہ بولیں۔

’’شرم آنی چاہیے تمہیں اپنی بہن کے جانے پر اس کے بارے میں ایسا کہہ رہی ہو۔‘‘ شفیق الحسن نے تاسف زدہ نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

’’یہ میں نہیں آپ کی امی جان نے کہا ہے میری بہن کے بارے میں۔‘‘ حسنہ نے غصے سے وضاحت کی۔

’’امی نے۔‘‘ وہ شرمندہ ہوئے۔

’’جی، اب جائیں جا کر انہیں شرم دلائیں ناں، میری بہن نے ان کا کیا بگاڑا ہے جو اسے اتنی حقارت سے دیکھ رہی تھیں؟‘‘ حسنہ تیز لہجے میں بولیں۔

’’تم نے ان کا جو کچھ بگاڑا ہے وہ اس کا غصہ تمہاری بہن پر نکال رہی تھیں اور بس۔‘‘

’’کیا بگاڑا ہے میں نے ان کا؟ آپ سے شادی کی ہے تو ان کی مرضی سے وہ ہمارے گھر رشتہ لے کر آئی تھیں میں نے ان کی منتیں نہیں کی تھیں نہ رشتہ لے کر آئیں ہمارے گھر۔‘‘ حسنہ کو تو آگ لگ گئی تھی ان کی بات سے غصے سے بولیں۔

’’یہی تو غلطی ہو گئی ان سے۔‘‘ شفیق الحسن بولے۔

’’تو اس غلطی کی سزا وہ میری بہن کو دینا چاہتی ہیں؟‘‘

’’اپنی غلطی کی سزا اپنوں کو ہی ملا کرتی ہے۔‘‘

’’نغمہ جس طرح یہاں سے گئی ہے نا وہ مجھے صحیح نہیں لگ رہا، کچھ تو غلط ہوا ہے، میرا دل مطمئن نہیں ہے۔‘‘ حسنہ کو حقیقتاً نغمہ کے یوں چلے جانے سے پریشانی ہو رہی تھی، پر سوچ لہجے میں بولیں تو انہوں نے کہا۔

’’دعا کرو کہ وہ خیریت سے گھر پہنچ جائے۔‘‘

’’آمین!‘‘ حسنہ نے دل سے کہا اور ثمن کا پیپر چینج کرانے لگیں۔

☆☆☆

رات بہت خاموش، اداس اور بھیگی ہوئی سی گزر گئی تھی، صبح ناشتے کی میز پر سب بہت خاموش تھے، بچے نغمہ کے چلے جانے کی وجہ سے افسردہ اور خاموش تھے، حسنہ اپنے شوہر سے ناراض اور ساس کے رویے پر احتجاجاً خاموش تھیں، شفیق الحسن اور انیق کل شام ہونے والی بات چیت کو لے کر اپنے والدین سے بات نہیں کر رہے تھے، گویا ان سے اپنی ناراضگی کا اظہار کر رہے تھے، انیق الحسن کی نگاہیں نغمہ کو ڈھونڈ رہی تھیں لیکن وہ آسیہ بیگم کی وجہ سے کسی سے اس کے بارے میں پوچھ نہ سکے ان کا خیال تھا کہ وہ ثمن کے پاس اس کے کمرے میں ہوگی اور نہ ہی گھر میں کسی نے انہیں نغمہ کے واپس چلے جانے

کے بارے میں مطلع کیا تھا، لہٰذا وہ خاموشی سے ناشتہ کر کے ہوسپٹل روانہ ہوگئے، شفیق الحسن بچوں کو لے کر نکل گئے، حسنہ نے ساس سسر کی آمد کے باعث کالج سے چھٹی کر لی تھی۔

"امی! آپ کھانے میں کیا پسند کریں گی؟ دوپہر کو کیا پکاؤں؟" حسنہ نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"پکانا آ گیا تمہیں؟" آسیہ بیگم کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"آپ جیسا مزیدار تو نہیں پکا سکتی لیکن ایسا تو بنا ہی لیتی ہوں کے کھایا جا سکے۔" حسنہ مسکراتے ہوئے نرم لہجے میں بولیں۔

"خیال ہے تمہارا، ایسا ہوتا تو شفیق اتنا کمزور نہ ہوتا چند مہینوں میں کتنا وزن کم ہو گیا میرے بچے کا۔" آسیہ بیگم نے طنزیہ لہجے میں کہا تو وہ جواب دینے کی بجائے ثمن کے رونے کی آواز سن کر اپنے بیڈ روم کی طرف تیزی سے دوڑیں۔

نغمہ خیریت سے عشرت خالہ کے گھر پہنچ گئی تھی، سب سے مل کر ناشتہ کرنے کے بعد وہ لمبی تان کر سوئی تھی، کیونکہ اس کی کزنز اور خالہ نے صاف کہہ دیا تھا کہ وہ خوب باتیں کریں گے اور رات کو طوبیٰ کی منگنی کی تیاری میں کی گئی شاپنگ بھی اسے دکھائیں گی سو وہ ابھی اپنی نیند پوری کر لے اور اسے اچھی نیند لینے کی اشد ضرورت تھی راستے میں سفر کے دوران بھی وہ سوئی نہیں تھی بس سوچتی ہی رہی تھی، اپنی ذات پر اتنی بڑی تہمت و الزام لگنے کا دکھ اس کے دل و دماغ کی رگوں میں زہر بن کر اتر گیا تھا روح میں نیلاہٹیں گھل گئی تھیں ایسے میں بھلا نیند کیسے آ سکتی تھی اسے۔

انیق الحسن شام کو ہسپتال سے لوٹے تو لان میں بے اختیار نگاہ گئی تھی، جہاں نغمہ بچوں کے ساتھ کرکٹ کھیلتی دکھائی دے جایا کرتی تھیں، مگر آج لان میں کوئی بھی نہیں تھا، وہ نغمہ کی کمی شدت سے محسوس کرتے ہوئے اندر آئے، لاؤنج میں دیکھا، وہاں نہ بچے تھے نہ ہی نغمہ، کچن کے قریب سے گزرے تو ملازمہ کو کچن میں موجود پا کر وہ مزید الجھ گئے، آسیہ بیگم اور انیس الحسن کمرے سے باہر نکل رہے تھے، انہوں نے دونوں کو سلام کیا، ان کی طبیعت کا پوچھا اور چینج کرنے کا کہہ کر اپنے کمرے میں چلے آئے۔

"اتنی خاموشی کیوں ہے گھر میں، بچے صبح خاموش تھے اور اس وقت بھی نظر نہیں آ رہے، نغمہ کہاں چھپی ہوئی ہے، کیوں گریزاں ہے وہ مجھ سے، شاید وہ امی کی وجہ سے ان کے اور میرے سامنے آنے سے کترا رہی ہے اور اپنے کمرے میں ہی بند ہو کر بیٹھ گئی ہے، امی نے بھی آتے یہ اس پر طنزیہ جملوں کی برسات شروع کر دی تھی، پتا نہیں کیا سوچتی ہو گی وہ امی کے بارے میں، ہمارے بارے میں، لیکن ایسا کب تک چلے گا، چوبیس گھنٹے گزر گئے ہیں میں نے نغمہ کو دیکھا نہیں ہے تو جیسے کچھ بھی اچھا نہیں ہے زندگی میں، اف، یہ محبت نجانے کیا حال کرے گی میرا؟" انیق الحسن نے ٹائی کی ناٹ کھولتے ہوئے بے قراری سے کمرے میں ٹہلتے ہوئے سوچا۔

"شفیق میاں! بچے کہاں گم ہیں، بھئی بلاؤ انہیں بچوں کے ہوتے ہوئے گھر میں سناٹا چھایا ہوا ہے بہت بے چینی ہو رہی ہے مجھے تو۔" انیس الحسن نے شفیق الحسن کے گھر آنے پر ان سے کہا تو آسیہ بیگم بھی کہنے لگیں۔

"اور کیا ہم جب سے یہاں آئے ہیں وہ تو پردہ ہی کر کے بیٹھ گئے ہیں ہم سے۔"

"جی میں دیکھتا ہوں بچوں کو، بھیجتا ہوں انہیں آپ کے پاس۔" شفیق الحسن نے دھیمے پن

سے کہا اور صارم صائم کے کمرے کی طرف بڑھ گئے، انیق الحسن کو نغمہ کی دید کی امید نے سراپا انتظار بنا دیا تھا، ان کو یقین تھا کہ نغمہ بچوں کے ساتھ ان کے کمرے میں ہی ہو گی اور اب ان کے ساتھ وہ بھی کمرے سے باہر آ جائے گی۔

''السلام علیکم بچو! کیا ہو رہا ہے؟'' شفیق الحسن، صارم، صائم کے مشترکہ کمرے کا دروازہ ناک کرنے کے بعد اندر داخل ہوتے ہوئے بولے وہ دونوں اپنا ہوم ورک کر رہے تھے، انہیں دیکھ کر کھڑے ہو گئے۔

''السلام علیکم پاپا! ہم ہوم ورک کر رہے تھے۔'' صائم نے بتایا تو وہ ان کے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے پوچھنے لگے۔

''ویری گڈ، تو ہو گیا ہوم ورک؟''

''جی پاپا!'' وہ دونوں ایک ساتھ بولے۔

''شاباش چلیں پھر اپنے دادا دادی کے پاس وہ آپ دونوں کو بلا رہے ہیں، آپ ان کے پاس گئے ہی نہیں ابھی تک۔''

''ہمیں نہیں جانا ان کے پاس؟'' دونوں نے ایک ساتھ جواب دیا۔

''کیوں نہیں جانا؟'' شفیق الحسن نے حیرانگی سے پوچھا۔

''پاپا! آپ نے نغمہ خالہ کو جانے سے روکا کیوں نہیں؟''

''بیٹا! میں انہیں کیسے روکتا؟'' صارم کے سوال پر انہوں نے پیار سے جواب دیا۔

''مما نے بھی تو نہیں روکا انہیں، ہم کتنے خوش ان کے آنے سے وہ کتنا پیار کرتی ہیں ہم سے، ہمارے ساتھ کھیلتی تھیں، مزے مزے کے کھانے پکاتی تھیں، وہ تو یہاں بہت دنوں کے لئے آئی تھیں لیکن اتنی جلدی چلی گئیں۔'' صائم نے افسردگی سے کہا تو انہوں نے دونوں کو پیار سے اپنے ساتھ لگا لیا اور نرمی سے سمجھانے لگے۔

''بیٹا! ان کی کزن کی شادی طے ہو رہی ہے منگنی ہو رہی ہے نا، اس لئے آپ کی خالہ کو جانا پڑا۔''

''ایسا آپ کو لگتا ہے پاپا!'' صائم یہ کہتے ہوئے صارم کو دیکھنے لگا۔

''ایسا ہی ہے بیٹا!'' شفیق الحسن نے انہیں یقین دلانا چاہا۔

''نہیں ایسا نہیں ہے آپ کچھ نہیں جانتے۔'' صارم غصے سے بولتا ان سے دور جا کھڑا ہوا تھا، حسنہ بھی انہیں بلانے وہاں آئی تھیں اور باپ بیٹوں کی گفتگو سن کر وہیں دروازے میں کھڑی ہو گئی تھیں، صارم کے اس قدر شدید ردعمل پر انہیں بھی شفیق الحسن کی طرح شدید حیرت ہو رہی تھی۔

''صارم بیٹا کیا ہو گیا ہے آپ کو، آپ ایسے ری ایکٹ کیوں کر رہے ہیں، آپ کی خالہ کو تو یہاں سے جانا ہی تھا نا؟''

''لیکن ایسے تو نہیں جانا چاہیے تھا نا جیسے وہ یہاں سے گئی ہیں۔'' صارم رونے لگا تھا ایکدم سے۔

''آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں، اصل بات بتائیں، مجھے کیا ہوا ہے؟'' شفیق الحسن نے پریشانی سے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''بہت برا ہوا ہے پاپا!'' صارم روتے ہوئے بولا۔

''صائم بیٹا آپ بتائیں کسی نے کچھ کہا ہے آپ سے؟''

''پاپا کل شام دادو کے کمرے میں جو آپ سب باتیں کر رہے تھے نا وہ سب نغمہ خالہ نے سن لی تھیں اور ہم نے بھی۔'' صائم نے بتایا۔

''کیا؟'' شفیق الحسن کو لگا جیسے چھت دھڑام

سے ان کے سر پر آن گری ہو۔

''جی۔'' صائم افسردگی سے بولا۔

''او مائی گاڈ، یہ نہیں ہونا چاہیے تھا، بہت برا ہوا یہ تو۔'' شفیق الحسن صدمے شرمندگی اور پریشانی سے اپنا سر پکڑ کر رہ گئے۔

''دادو بہت گندی ہیں انہوں نے خالہ کو گالیاں دیں ان کے لئے بری باتیں کہیں اور نغمہ خالہ اتنی اچھی ہیں کے انہوں نے کسی سے بھی کچھ نہیں کہا اور ہنستی مسکراتی یہاں سے چلی گئیں آئی ہیٹ دادو۔'' صائم نے غصیلے لہجے میں کہا۔

حسنہ اور شفیق الحسن نے پہلی بار اپنے بچوں کو غصے میں دیکھا تھا وہ بھی اتنے شدید غصے میں اپنی خالہ کے لئے، انہیں احساس ہو رہا تھا کہ بچے اب بچے نہیں رہے، ایکدم سے بڑے ہو گئے ہیں اور سمجھدار بھی۔

ادھر انیق الحسن کی بے چینی و بے قراری بڑھتی جا رہی تھی، حسنہ کو انہوں نے آنکھوں میں آنسو لئے اپنے کمرے کی جانب جاتے دیکھا تھا، شفیق الحسن جیسے تیسے بچوں کو منا کر لاؤنج میں لے آئے تھے، مگر موڈ آف تھے، نغمہ نہیں تھی بس انیق الحسن یہ دیکھ کر ہی اٹھ کر لان میں چلے گئے۔

حسنہ کو اتنا تو اندازہ ہو گیا تھا کے آسیہ آنٹی نے کوئی بہت ہی گری ہوئی بات کہی ہوگی جبھی نغمہ فوراً وہاں سے چلی گئی تھی اور وہ بے خبر اپنے کمرے میں ٹی وی دیکھتی رہی تھیں، صارم اور صائم کی باتوں سے انہیں معاملے کی سنگینی کا شدت سے احساس ہوا تھا اور انہوں نے خود کو نارمل رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے نغمہ کے سیل فون پر کال کی۔

''السلام علیکم بجیا!'' نغمہ نے کال اٹینڈ کرتے ہی انہیں خوشگوار موڈ میں سلام کیا تھا، وہ ان پر کچھ بھی ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''وعلیکم السلام! کیسی ہو؟ گھر میں سب کیسے ہیں؟''

''الحمدللہ سب ٹھیک ہیں اور میں بھی بہت مزے میں ہوں کل طوبی کی منگنی کی تقریب ہے نا، تو سب اسی کی تیاریوں میں بزی ہیں اور میرے یہاں آنے پر سب بہت خوش ہیں۔'' نغمہ نے خوشگوار موڈ میں انہیں تفصیلی جواب دیا۔

''اور تمہارے یہاں سے جانے پر سب بہت اداس ہیں بلکہ بچے تو رو بھی رہے ہیں تمہارے جانے پر۔'' حسنہ نے بتایا۔

''ہاؤ سویٹ بجیا! بچے تو بچے ہوتے ہیں ناں بہت جلدی مانوس بھی ہو جاتے ہیں اور اداس بھی ہو جاتے ہیں آپ فکر نہ کریں انشاءاللہ چند روز میں وہ سیٹ ہو جائیں گے۔'' نغمہ نے اپنی اداسی اور دکھ کو چھپاتے ہوئے نارمل لہجے میں جواب دیا۔

''ہوں، تمہیں پتا ہے بچے اپنی دادو سے بہت ناراض ہیں، ان کے پاس بھی نہیں جا رہے کہ انہوں نے ان کی نغمہ خالہ پر الزام لگائے انہیں برا کہا، نغمی، تم آسیہ آنٹی کے رویے کی وجہ سے ان کی باتوں سے دلبرداشتہ ہو کر واپس گئی ہو نا؟ سچ بتاؤ، انہوں نے کیا کہا تھا، تمہیں میری قسم ہے پلیز جھوٹ مت بولنا نغمی، مجھے سچ بتاؤ؟'' حسنہ نے سنجیدگی سے اسے اپنی قسم دیتے ہوئے کہا۔

''بجیا! آسیہ آنٹی نے مجھے جو بھی، میرے بارے میں اپنے شوہر اور بیٹوں کے سامنے جو کچھ کہا وہ ان کی آپ سے نفرت مایوسی اور بیزاری کے نتیجے میں کہا، کیونکہ وہ آپ سے خوش نہیں ہیں آپ کے غیر ذمے دارانہ رویے، جھگڑوں اور گھریلو امور میں نااہلی کے سبب انہیں لگتا ہے کہ آپ نے ان کے بیٹے کو صرف پریشانی اور دکھ

دیئے ہیں لہٰذا وہ بیٹے کی محبت میں آپ کی بہن کو بھی آپ سے دس ہاتھ آگے کی چیز سمجھتی ہیں بجیا! میں نے جو کچھ سنا، سہا ہے صرف اور صرف آپ کی وجہ سے کیونکہ آپ نے ان کے سامنے کوئی اچھی مثال قائم نہیں کی وہ سمجھتی ہیں کے میں ان کے دوسرے بیٹے کو پھنسانے آئی ہوں۔''

''واٹ؟'' حسنہ کو جھٹکا سا لگا تھا۔

''جی پلیز، یہ باتیں آپ ان کے سامنے مت دہرایئے گا بجیا، مجھے ان کے بیٹے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے اور نہ ہی میں نے اپنا سگھڑاپا ان بھائیوں کی نظروں میں خود کو اچھا ثابت کرنے کے لئے کیا تھا۔'' نغمہ نے سنجیدگی سے کہا تو وہ بولیں۔

''سوری نغمی! میں تمہیں غلط سمجھتی رہی۔''

''ہم یہی تو غلطی کرتے ہیں بجیا! کہ اپنی غلطی کو نہیں سمجھتے نہ مانتے اور سدھارتے ہیں الٹا دوسروں کو ان کی غلطیوں پر چیخ چلا کر شرمندہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، شفیق بھائی بہت نائس اور نفیس انسان ہیں ان کی قدر کریں بجیا، اس واقعے سے ہی آپ اندازہ لیں کے آپ کے سسرال والے آپ سے کتنے متنفر، بدگمان اور ناخوش ہیں۔'' نغمہ نے سنجیدگی سے کہا تو حسنہ کو دلی دکھ اور شرمندگی نے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور ایسا آج پہلی بار ہوا تھا، وہ نغمہ کے ظرف پہ حیران تھیں کہ اپنی ذات پر اتنے الزامات سہہ کر بھی وہ ہنستی، مسکراتی ہوئی بنا کسی سے کوئی شکوہ، گلہ کیے یہاں سے فوراً ہی چلی گئی تھی، یہ تو آسیہ بیگم کے منہ پر طمانچہ تھا اگر انہیں اپنی سوچ اور رویے کی بدصورتی کا احساس ہوتا تب۔

''ٹھیک کہہ رہی تھی نغمہ! اس نے جو ذلت سہی میری بداعمالیوں کے سبب ہی، اسے جو کچھ سننا پڑا اس کی قصوروار میں ہوں، وہ تو ہمیشہ سے ایسی ہی ہے نرم مزاج ذمے دار سلیقہ مند احساس کرنے والی، محبت لٹانے والی، پھر بھی اسے اتنا سب کچھ سننا پڑا، کتنا دل دکھا ہوگا اس کا بنا کسی جرم کے اتنی بڑی سزا دی گئی اسے اور اس نے مجھے کبھی نہیں جتایا، صرف سمجھانے کی غرض سے، احساس دلانے کی غرض سے میرے قسم دینے پر بتایا مگر سب سچ نہیں بتایا، وہ لفظ کیسے ہوں گے جن سے اس کی روح گھائل ہوگئی، اس کا دل چھلنی ہوگیا، صرف اور صرف میری وجہ سے اور آسیہ آنٹی کیا، میرا اپنا رویہ کون سا درست تھا اس کے ساتھ، مجھے لگنے لگا تھا کہ وہ میرے شوہر اور گھر پر قبضہ کرنے کے لئے یہ سب کچھ کر رہی ہے، شفیق اور بچے، انیق بھی تو اس کے گن گا رہے تھے اور یہ بات مجھے کیسے کیسے وسوسوں میں ڈال رہی تھی، میں اپنی بہن پر شک کر رہی تھی، اس کے خلوص پر شک کر رہی تھی، حسد کر رہی تھی غصہ آتا تھا مجھے اس پر حالانکہ اس نے کوئی ایسا کام نہیں کیا تھا، وہ تو وہی کچھ کر رہی تھی جو ایک عورت ہونے کے ناطے اپنے گھر کے لئے مجھے کرنا چاہیے تھا اور میں نے کبھی نہیں کیا، جو کیا وہ بھی بے دلی سے کیا پھر بھلا اپنے شوہر کا دل کیسے جیتتی میں، میں نے اپنے فرائض و ذمے داریوں کو ہمیشہ بوجھ، مصیبت اور ظلم سمجھا اسی لئے مجھ سے کوئی بھی خوش نہیں ہے نہ شوہر، نہ بچے اور ساس سسر کے خوش ہونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' حسنہ کے دل و دماغ اور ضمیر پر آج کاری ضرب پڑی تھی جس نے انہیں ان کی ساری غلطیوں کو ان کے سامنے آئینے کی طرح واضح کر دیا تھا اور ان کے پاس اپنی غلطیوں، لاپروائیوں، بدتمیزیوں پر سوائے آنسو بہانے، جلنے، کڑھنے اور پچھتانے کے کوئی چارہ نہ تھا۔

''بھائی جان! مس نغمہ کہاں ہیں؟ صبح سے

دکھائی نہیں دے رہیں۔'' انیق الحسن نے دل کی بے قراری کے ہاتھوں مجبور ہو کر شفیق الحسن سے آ کر پوچھا وہ اسٹڈی میں بیٹھے تھے۔

''تمہیں کسی نے نہیں بتایا؟''

''کیا؟''

''یہی کہ نغمہ کل شام سات بجے اس گھر سے چلی گئی تھی اور اس وقت وہ رحیم یار خان میں اپنی خالہ کے گھر پہنچ چکی ہے۔''

''واٹ؟'' انیق الحسن کو شاک لگا تھا۔

''نغمہ چلی گئیں اور وہ بھی یوں اچانک، مجھے کسی نے بتایا کیوں نہیں؟'' انیق الحسن نے بے چینی و بے قراری سے پر لہجے میں سوال کیا، شفیق الحسن سنجیدگی سے گویا ہوئے۔

''تمہیں سوئے ہوئے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی اور تمہاری طرف دھیان گیا ہی نہیں ویسے بھی ہم سب خود حیرت زدہ تھے کہ نغمہ نے یوں اچانک سے جانے کا ارادہ کر لیا، اپنی سیٹ بھی بک کروالی اور چلی گئی۔''

''آپ نے انہیں روکا نہیں؟'' انیق الحسن نے بجھے بجھے لہجے میں استفسار کیا۔

''نہیں، پتا نہیں کیوں نہیں روکا، وہ تو اپنا سامان باندھے چادر اوڑھے ہمارے سامنے کھڑی تھی ہنستے مسکراتے بتایا کہ جا رہی ہوں کزن کی منگنی ہے خالہ کے پوتے کا عقیقہ ہے اس کی فیملی بھی وہاں پہنچی ہوئی ہے، میں تو کیا بچے جو اس کے جانے سے اتنے اداس اور اپ سیٹ ہیں وہ اسے نہیں روک پائے، یقین مانو اس کے یوں چلے جانے سے دل مطمئن نہیں تھا اور اب مزید افسوس سے دکھ سے بھر گیا ہے، بچوں کی حالت دیکھ کر ان کی باتیں سن کر۔'' شفیق الحسن نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا جو ان کے سامنے صوفے پر بیٹھے تھے، ان کے چہرے سے ان کی بے چینی، پریشانی واضح نظر آرہی تھی۔

''یہ تو شاکنگ سرپرائز دے دیا نغمہ نے ہمیں، انہیں بچوں کا تو سوچنا چاہیے تھا ایسے جانے کی کیا ضرورت تھی، بنا بتائے صحیح نہیں کیا انہوں نے۔'' انیق الحسن کے لہجے میں شکوے بول رہے تھے۔

''اس نے بالکل صحیح کیا ہے وہ بہت اعلیٰ ظرف اور سمجھدار لڑکی ہے اور حساس بھی بہت ہے اسی لئے یہاں سے چلی گئی، رہی بات شاکنگ سرپرائز کی تو وہ جانتے ہو کیا ہے؟'' شفیق الحسن نے انہیں دیکھتے ہوئے نہایت سنجیدگی سے کہا۔

''کیا ہے؟'' انیق الحسن نے الجھن آمیز نظروں سے انہیں دیکھا تھا۔

''کل امی نے جو بھی کہا ہم سب کی ساری باتیں نغمہ نے اتفاقاً سن لی تھیں۔''

''واٹ! اونو۔'' انیق الحسن کو جیسے ہزار والٹ کا کرنٹ لگا تھا، وہ بیٹھے سے کھڑے ہو گئے۔

''بس، اسی لئے وہ فوراً اپنی سیٹ بک کروا کر یہاں سے چلی گئی، اسے چلے ہی جانا چاہیے تھا مزید رہتی تو امی مزید کچھ ایسا کہتیں کہ وہ ہرٹ ہوتی۔'' شفیق الحسن نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

''آئی ایم شیور، نغمہ نے اسی پل یہاں سے جانے کا ارادہ کر لیا ہو گا جس پل امی سے وہ ملی تھیں کیونکہ امی نے تو آتے ہی اس کے بارے میں فضول بولنا شروع کر دیا تھا میں تو جبھی ان سے شرمندہ ہو گیا تھا امی کے رویے پر۔'' انیق الحسن نے انہیں مخاطب کر کے کہا تو وہ انہیں دیکھ کر جواباً اثبات میں سر ہلا کر کمرے سے باہر نکل گئے۔

انیق الحسن بے قراری و بے چینی کے عالم

میں اپنے کمرے میں ٹہلتے ہوئے سوچ رہے تھے، انہیں یہ سوچ سوچ کر شدید دکھ اور ندامت کا احساس ہو رہا تھا کہ آسیہ بیگم نے اس کے حوالے سے جو بھی اخلاق سوز باتیں کہیں تھیں وہ سب کی سب نغمہ اپنے کانوں سے سن چکی تھی اسے کتنے دکھ اور ذلت سے دو چار کیا تھا ان کی والدہ نے اسے، وہ تو خود کو نغمہ کے سامنے جانے کے قابل بھی نہیں پا رہے تھے، کس منہ سے اس کے سامنے جائیں گے؟ کہیں گے اس سے اپنی بے گناہی اور صفائی میں، اسے اپنی محبت کا یقین دلا رہے تھے وہ تو، یقین ہونے سے پہلے ہی سب ختم ہو گیا تھا، وہ شدید کرب و اذیت میں مبتلا تھے اور انہیں اس بات کا بھی شدت سے احساس تھا کہ نغمہ ان سے زیادہ اذیت اور دکھ میں ہو گی اس وقت، وہ اس سے بات کرنا چاہتے تھے مگر کیسے؟ ان کے پاس تو نغمہ کا موبائل نمبر بھی نہیں تھا۔

☆☆☆

''نغمہ بیٹی! مجھے تو بتا دو کہ وہاں کیا ہوا تھا جو تم فوراً چلی آئیں۔'' رات کو وہ سب کے سونے کے بعد دادی کے پاس آ کر لیٹی تو دادی نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے محبت سے کہا۔

''مما! حرافہ کسے کہتے ہیں؟'' حسنہ سب کے ساتھ لان میں بیٹھی چائے پی رہی تھیں تو اچانک سے صارم سے ان سے سوال کیا۔

''چلتر باز کا کیا مطلب ہے مما؟'' صائم نے بھی فوراً سوال کیا تو حسنہ ہی نہیں شفیق الحسن اور انیق الحسن بھی بری طرح چونکے، ٹھٹکے اور شرمندہ ہوئے تھے، انیس الحسن، آسیہ بیگم لے کر کسی رشتے دار کے گھر گئے تھے ورنہ وہ بھی اس صورتحال سے مستفید ہوتے۔

''آپ دونوں نے یہ بے ہودہ، لفظ کہاں سے سیکھے ہیں؟'' حسنہ نے چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے دونوں کو کڑے تیوروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''سیکھے نہیں ہیں مما، سنے ہیں۔'' صائم فوراً بولا۔

''کس سے؟''

''دادو سے وہ نغمہ خالہ کو ایسا کہہ رہی تھیں، یعنی بے ہودہ کہہ رہی تھیں؟ برا کہہ رہی تھیں نغمہ خالہ کو؟'' صائم نے معصومیت اور سادگی سے کہا تو وہ دونوں بھائی شرمندہ ہو گئے، حسنہ کو شدید غصے نے آن لیا تھا لیکن وہ ضبط و برداشت سے کام لے رہی تھیں، انیق الحسن کے سامنے وہ شوہر سے جھگڑنا نہیں چاہتی تھیں۔

''جائیں آپ دونوں اپنے کمرے میں جا کر ہوم ورک ری وائز کریں اپنا میں آتی ہوں۔'' حسنہ نے بچوں سے کہا تو وہ دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کے اندر کی جانب بڑھ گئے۔

''سن لیا آپ نے؟ یہ میری تربیت نہیں ہے یہ آپ کی والدہ نے سکھایا ہے بچوں کو۔'' حسنہ نے شفیق الحسن کو دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا وہ شرمندہ سے بیٹھے تھے، یہی حال انیق الحسن کا تھا۔

''اور ساسو ماں نے میری بہن کو حرافہ، چلتر باز کس بنیاد پر کہا، بتائیں ذرا، میں مانتی ہوں کہ میں گھرداری میں زیرو ہوں لیکن میں نے کبھی چالیں نہیں چلیں، آوارگی نہیں کی، بقول آپ کے میری وجہ سے آپ کی امی نے نغمہ کو برا بھلا کہا، تو مجھ سے نفرت میں وہ اس حد تک گر گئیں کہ میری معصوم بہن کے کردار کو نشانہ بنایا، میرے کردار میں کون سا جھول دیکھا ہے آپ نے یا آپ کی ماں نے جس کو سامنے رکھ کر میری بہن کو بھی بدکردار کہا گیا؟ اگر یہ سوچ ہے آپ کی

امی کی تو معاف کیجئے گا مجھے اسے لوگوں کی نظروں میں اچھا بننے کا کوئی شوق نہیں ہے جن کی نظر میں کسی کی بیٹی کی کوئی عزت نہ ہو، آسیہ آنٹی نے میری وجہ سے اپنا اصل رنگ دکھا دیا اپنی سوچ کی پستی ظاہر کر کے کم از کم مجھے میری نظروں میں سرخرو کر دیا، ان کے دل میں میرے لئے میرے گھر والوں کے لئے کتنی نفرت بھری ہے یہ کھل کر سامنے آ گیا، شفیق الحسن صاحب، اپنی امی سے یہ ضرور پوچھئے گا کہ جب انسان کسی کی نظروں سے گر جاتا ہے تو اسے دوبارہ اٹھنے میں کتنا عرصہ درکار ہوتا ہے؟'' حسنہ نے انہیں دیکھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا اور چائے کے خالی برتن اٹھا کر وہاں سے چلی گئیں، دونوں بھائی ایک دوسرے کو بے بسی سے دیکھتے رہ گئے۔

''دادی! زخموں کی نمائش نہیں کی جاتی انہیں مرہم لگایا جاتا ہے دوا، درود کیا جاتا ہے تا کہ زخم ناسور نہ بن سکیں۔'' نغمہ نے آنکھیں موند کر دھیمی آواز میں گہری بات کی تھی۔

''اب دادی سے بھی چھپائے گی اپنے زخم؟''

''چل بتا دے شاباش۔'' دادی نے نرمی اور پیار سے کہا تو ناچار اسے اصل حقیقت انہیں بتانا پڑی۔

''دیکھا تم نے عورت اگر اپنی گرہستی صحیح طریقے سے نہ سنبھال سکے اور زبان کی بھی تیز ہو، اپنی ذمے داریوں کو نہ نبھانا جانتی ہو تو اس کی یہ عزت ہوتی ہے سسرال میں نہ صرف اس کی بلکہ اس کے میکے والوں کو بھی رتی برابر عزت نہیں رہتی، اس کے سسرال میں خدا کرے کے اب تو حسنہ کو عقل آ جائے سمجھ جائے وہ اپنی غلطیوں اور لاپرواہیوں کے ساتھ ساتھ اپنی ذمے داریوں اور فرائض کو بھی۔'' دادی نے ساری بات سن کر کہا تھا اور نغمہ نے آنکھیں موند لیں، یکا یک بند آنکھوں کے پردوں پر انیق الحسن کا مسکراتا، دلکش چہرہ ابھر آیا، اس نے گھبرا کر فوراً آنکھیں کھول دیں، دل کی دھڑکن بہت تیز تھی، ایک ان دیکھی آگ نے اس کے پورے بدن کو سلگا دیا تھا، وہ حیران، پریشان سی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''کیا ہوا؟'' دادی نے اسے یوں دیکھ کر سوال کیا۔

''پتا نہیں۔'' اس کے لب ہلے۔

''آیت الکرسی پڑھ کے سو جاؤ ڈر نہیں لگے گا۔''

''کیا آیت الکرسی پڑھ کر پھونک لینے سے محبت ہو جانے کا ڈر دل سے نکل جاتا ہے؟'' نغمہ نے خوابناک لہجے میں پوچھا۔

''ہیں، کیا کہہ رہی ہے بچی؟'' دادی جو لیٹ گئیں تھیں سونے کے لئے مندی مندی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بولیں۔

''کچھ نہیں دادی! مجھے نیند آ رہی ہے آپ بھی سو جائیں، شب بخیر۔'' نغمہ نے مدھم آواز میں جواب دیا اور کروٹ بدل کر لیٹ گئیں۔

☆☆☆

''بجیا! آپ ایک عورت ہیں اور آپ کا اصل کام ہے گھر داری، گھر شوہر بچے یہ آپ کے ذمے داری اور فرائض ہیں آپ اپنے فرائض کو بوجھ سمجھ رہی ہیں۔'' حسنہ سونے کے لئے لیٹیں تو نغمہ کی کہی باتیں اس کی سماعتوں میں جاگ اٹھیں۔

''عورت چاہے دنیا فتح کر لے قارون کے خزانوں کی مالک بن جائے لیکن اگر وہ اپنی گھر داری احسن طریقے سے نہیں چلا سکتی، نہیں نبھا سکتی تو وہ ایک ناکام اور مات کھائی ہوئی، شکست خوردہ عورت کہلاتی ہے۔'' نغمہ کی اس بات نے

حسنہ کو بے چینی میں مبتلا کر کے بستر سے اٹھنے پر مجبور کر دیا۔

”سچ ہے بجیا! دادی ہمیشہ کہتی ہیں جو بیوی اپنے شوہر کو خوش نہیں رکھ سکتی وہ جنت کی حقدار نہیں کہلا سکتی، آپ خود سوچیں، آپ کی ساس کے دل میں آپ کے لئے اتنا غصہ نفرت اور بدگمانی بھری ہے کیونکہ آپ نے ان کے بیٹے کی قدر نہیں کی اسے اچھی بیوی ہونے کا سکھ، آرام اور خوشی نہیں دی تو وہ شخص جو آپ کا شوہر ہے اور آپ کے اس لاپرواہ، غیر ذمے دارانہ رویے پر خاموشی اختیار کر کے بس اپنے فرائض ادا کیے جا رہا ہے وہ آپ سے کتنا ناخوش اور بد دل ہوگا؟ اور اس کا ظرف دیکھیں کے وہ آپ سے کچھ کہتا بھی نہیں ہے آپ کو آپ کی مرضی اور خواہش کے مطابق زندگی گزارنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا ہے، اپنی ناراضگی، مرضی، خواہش کو دل میں ہی دبا لیا ہے، وہ تو جنت کما گیا اور آپ، دادی کہتی ہیں کہ ایسی بیوی پر تو جنت کی خوشبو بھی حرام ہوتی ہے جس کا شوہر اس سے ناراض ہو یا ناخوش ہو۔“ نغمہ کی مختلف اوقات میں کہی گئی باتیں اب ایک ایک کر کے حسنہ کے دل و دماغ میں سماعتوں میں گونج رہی تھیں اور ان کو پہلی بار بہت بے چینی اور پریشانی کا احساس ہو رہا تھا۔

”گھر تو ایک جنت ہوتا ہے بجیا! جہاں پیار، محبت، احساس، پروا ہوتی ہے رشتوں میں، جہاں انسان صبح کا نکلا شام کو لوٹتا ہے تو اس کی دن بھر کی تھکن دور ہو جاتی ہے، خوشی، سکون اور آسودگی کا احساس ملتا ہے، گھر میں، میاں بیوی کے رشتے میں، محبت اور اعتماد ہوتا ہے ”میں“ نہیں ہوتی، خود پسندی میں، خود کو ہر معاملے میں درست سمجھنا، کہنا، اپنی نیند، آرام، آسانی دیکھنا، یہ سب چیزیں یہ رویے بھی کسی رشتے کو مضبوط اور دیرپا نہیں بنا سکتے، رشتے نبھانے کے لئے دلوں میں گھر بنانے کے لئے سب سے پہلے اپنی میں کو ختم کرنا پڑتا ہے، اپنے شوق قربان کرنا ہوتے ہیں، اپنی نیند آرام اپنی من مرضی کو مارنا پڑتا ہے، اپنوں کی اپنے سے وابستہ رشتوں کی پروا کرنا پڑتی ہے ان کی پسند ناپسند، خوشی آرام مرضی کا جذبات و احساسات کا خیال رکھنا پڑتا ہے، زبان کو میٹھا بنانا پڑتا ہے، تب کہیں جا کے آپ کسی کے دل میں گھر کر پاتے ہیں اور گھر کو جنت بناتے ہیں۔“ حسنہ لاؤنج میں آ کر ٹہلتے ہوئے نغمہ کی ساری باتیں یاد کر رہی تھیں، سوچ رہی تھیں کہ کہاں ان کی غلطی ہے اور کب کب انہوں نے اپنی ذمے داریاں پوری نہیں کیں، جواباً انہیں خود سے ہی بہت مایوسی ہوئی تھی وہ اپنی گرہستی کے ہر محاذ پر بری طرح ناکام ہو رہی تھیں، انہیں اگر کسی بات کی فکر تھی تو صرف اپنے کالج جانے آنے کی، اپنے اچھے کپڑوں جوتوں کی، برانڈڈ اشیاء کی خریداری کی باہر اچھے ہوٹلز سے کھانا آرڈر کر کے کھانے کی، گھر شوہر بچے یکسر نظر انداز ہو رہے تھے یا نوکروں کے رحم و کرم پر تھے، اسی حقیقت نے پہلی بار حسنہ کو خود سے شرمسار کیا تھا۔

”میں جاب نہیں چھوڑ سکتی۔“ وہ زیر لب بولیں۔

”تو مت چھوڑیں جاب۔“ نغمہ کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔

”سستی، کام چوری، لاپرواہی اور ہر وقت کا آرام چھوڑ دیں، صبح فجر کے وقت نیند سے بیدار ہوں نماز ادا کریں سب کے لئے ناشتہ بنائیں، شوہر بچوں کو اسکول اور آفس کے لئے تیار ہونے میں ان کی مدد کریں اور خود بھی تیار ہو کر کالج جائیں، کالج سے واپس آ کر ملازمہ کے

ہاتھ کا پکا کھانا کھا کر سونے کے بجائے خود کھانا پکائیں اور سب کی پسند کا خیال رکھیں، ملازمہ کو پورا گھر مت سونپیں صرف اوپر کے کام کروائیں کوکنگ خود کریں بچوں اور شوہر کا خیال رکھیں ان کے ساتھ وقت گزاریں، ان سے پیار کریں اور اپنے پیار کا یقین دلائیں ان کو، اپنی جاب کی وجہ سے گھر اور گھر والوں کو، گھر کے کاموں کو نظر انداز مت کریں، جب آپ سب فرائض اچھے طریقے سے ادا کریں گی تو کسی کو آپ سے شکوہ گلہ نہیں ہو گا، کچھ پانے کے لئے کچھ کھونا پڑتا ہے، آرام کے لئے بھی کام ضروری ہے، کامیابی، قربانی مانگتی ہے، نیند آرام صحت کی قربانی، اپنی خوشی تج دینے کا نام ہی محبت ہے بجیا۔'' نغمہ کسی استاد کی طرح حسنہ کو سمجھا رہی تھیں آج وہی باتیں دل و دماغ کے کونوں کھدروں سے نکل کر ان کی سماعتوں میں شور مچا رہی تھیں انہیں احساس دلا رہی تھیں، نئے در وا کر رہی تھیں ان پر اور وہ خود سے ہی نظریں نہیں ملا پا رہی تھیں۔

''خیریت، یہاں کیوں آ گئیں، کیا ہوا ہے؟'' شفیق الحسن جو کافی دیر سے ان کی بے چینی محسوس کر رہے تھے ان کے کمرے میں واپس نہ آنے پر فکر مند ہو کر انہیں ڈھونڈتے ہوئے ٹی وی لاؤنج میں چلے آئے اور حسنہ کو دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑے صوفے پر بیٹھے دیکھ کر استفسار کیا۔

''ہوں، کچھ نہیں، جو ہونا تھا، وہ تو ہو گیا۔'' وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولیں۔

''نغمہ کے لئے پریشان ہو؟'' شفیق الحسن کو یہی خیال آیا۔

''نہیں وہ میرے لئے پریشان ہے، میری وجہ سے پریشان ہے، لیکن وہ کسی کی پریشانی کی وجہ ہرگز نہیں بن سکتی، پریشانی کی وجہ تو میں ہوں اپنے لئے بھی، اپنوں کے لئے بھی۔'' حسنہ نے اپنے ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھتے ہوئے مدھم آواز میں کہا۔

''رات بہت ہو گئی ہے سو جاؤ، صبح کالج بھی جانا ہے تم نے۔'' شفیق الحسن نے لب بھینچے ہوئے انہیں دیکھا اور ان کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے نرمی سے کہا تو وہ سر اٹھا کر ان کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

''آپ نفرت کرتے ہیں ناں مجھ سے؟''

''یہ تم سے کس نے کہا؟'' وہ الجھن آمیز نظروں سے ان کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

''آپ کی امی نے جب وہ مجھ سے اتنی نفرت کرتی ہیں تو آپ تو مجھے دن رات بھگت رہے ہیں آپ کی نفرت کی شدت تو ان کی نفرت سے کہیں زیادہ ہو گی نا؟'' حسنہ بے تاثر لہجے میں بولتی ہوئی وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں، شفیق الحسن بھی ان کے پیچھے چلے آئے۔

☆☆☆

''بھئی کیا بات ہے آخر بچے کیا بڑے کیا لگتا ہے سبھی نے اپنی زبانیں گروی رکھ دی ہیں اتنی خاموشی اتنے سارے افراد کے ہوتے ہوئے کم از کم مجھے تو ہضم نہیں ہو رہی۔'' انیس الحسن نے ناشتے کی میز پر سب کی موجودگی میں خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے کہا۔

''نغمہ خالہ کہتی ہیں کہ کھانا کھاتے وقت بلا ضرورت نہیں بولنا چاہیے۔'' صائم نے جواب دیا تو انیق الحسن کے دل کی دھڑکن لمحے بھر کو مس ہوئی تھی۔

''خالہ نے کہا تو فوراً عمل شروع کر دیا دادی کہتی تھی تو سنی ان سنی کر دیتے تھے واہ بھئی خالہ کا جادو تو بچوں پر بھی سر چڑھ کے بول رہا ہے۔'' آسیہ بیگم نغمہ کے ذکر پر جل کر بولیں۔

''اسے کہتے ہیں میٹھے بول کا جادو، جو بات پیار سے منوائی جا سکتی ہے سکھائی جا سکتی ہے، بعض دفعہ وہی بات سختی اور غصے سے بگڑ بھی جاتی ہے۔'' انیس الحسن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''لگتا ہے ہمارا یہاں آنا ہمارے بچوں کو کچھ اچھا نہیں لگا کیوں شفیق!'' آسیہ بیگم نے شفیق الحسن سے جواب طلب کیا۔

''امی! ناحق بدگمانیاں پالنے سے رشتے کمزور ہو جاتے ہیں پلیز، آپ اس قسم کے خیالات اپنے دل و دماغ سے نکال دیجئے آپ ہمارے ماں باپ ہیں ہمیں آپ کا آنا برا کیوں لگ سکتا ہے؟ اور یوں بھی کم بولنا ہی بہتر ہے زیادہ بول کر ہم بعض اوقات کسی دوسرے کی یا اپنے کی دل آزاری اور ذلت کا سبب بن جائیں اس سے اچھا ہے کہ ہم کم بات کریں تا کہ گناہ بھی کم ہوں ہمارے۔'' شفیق الحسن نے ناشتہ کرتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''ارے بیٹا! صاف کیوں نہیں کہتے کہ نغمہ بی بی کے یہاں سے چلے جانے کا سوگ منایا جا رہا ہے، میں ماں ہوں تمہاری کوئی دودھ پیتی بچی نہیں ہوں کہ تم سب کے بدلے ہوئے موڈ نہ پہچان سکوں۔'' آسیہ بیگم تلخی سے بولیں۔

''کاش! آپ پہچان سکتیں۔'' شفیق الحسن دکھ سے بولے۔

''صائم اور صارم چلو بچو، اسکول کے لئے دیر ہو رہی ہے۔'' حسنہ نے اپنا ناشتہ بیچ میں ہی چھوڑا اور اٹھ کھڑی ہوئیں، وہ بچوں کے سامنے کوئی ایسی بات نہیں چاہتی تھی جس سے وہ مزید افسردہ ہوں جبھی انہیں بہانے سے وہاں سے اٹھایا تھا، شفیق الحسن اور انیق الحسن کو ان کی اس سمجھداری پر خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔

''بھائی جان! میں نغمہ سے بات کرنا چاہتا ہوں آپ مجھے ان کا موبائل نمبر دے سکتے ہیں؟'' انیق الحسن نے گھر سے نکلتے وقت شفیق الحسن کو روک کر کہا تو شفیق الحسن بولے۔

''نغمہ سے تو میں بھی بات کرنا چاہتا ہوں لیکن مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ کیا بات کروں گا؟ کیا کہوں گا اس سے؟''

''صحیح کہہ رہے ہیں بھائی، امی نے ان کے بارے میں باتیں ہی ایسی کی ہیں کے ہمارا بات کرنے کا حوصلہ ہی نہیں پڑ رہا، پھر بھی ہمیں ان سے معذرت کرنا چاہیے ہماری وجہ سے ان کی اتنی تذلیل ہوئی، اتنے گھٹیا الزام لگائے امی نے ان پر، ہم سب جاننے کے بعد بھی خاموش ہیں یہ صحیح رویہ نہیں ہے بھائی جان۔'' انیق الحسن سنجیدگی سے بولے۔

''ہاں ٹھیک کہا تم نے آج کال کروں گا میں نغمہ کو، تمہارے سیل پر اس کا موبائل نمبر سینڈ کر دیا ہے۔'' شفیق الحسن نے اپنے موبائل سے نغمہ کا سیل نمبر انیق الحسن کو سینڈ کرتے ہوئے کہا۔

''تھینکس۔'' انیق الحسن نے نمبر سیو کر لیا۔

''جان مارنی پڑتی ہے من مارنا پڑتا ہے گھر بسانا بچوں کا کھیل نہیں ہے لیکن بچوں کو پالنے جتنی محنت درکار ہوتی ہے گھر کو گھر بنانے کے لئے شوہر کی بیوی کی محبت بھری رفاقت چاہیے، بچوں کو پیار بھری توجہ چاہیے، گھر کو دیکھ بھال چاہیے اسے ہی تو عورت کا رتبہ اور مقام قابل احترام نہیں ٹھہرایا گیا۔'' حسنہ کالج میں تھیں وہاں بھی نغمہ کی کب کب کی کہی باتیں ان کی یاداشت پر دستک دیتی رہیں اور وہ بے کل ہوتی رہیں۔

''آپ اس جاب کی بنیاد پر اپنے شوہر کو جتاتی ہیں کے چھوڑ دو مجھے اپنے بچے میں خود پال سکتی ہوں، یہ آپ کا منفی رویہ ہے غلط سوچ ہے، اتنا عالی شان بنگلہ آپ کے شوہر کی محنت کی کمائی

سے بنا ہے گھر میں دو دو گاڑیاں ہیں وہ بھی آپ کے شوہر کی کمائی سے خریدی گئی ہیں، اپنی تنخواہ سے تو صرف آپ اپنی شوقیہ شاپنگ کرتی ہیں یا کھاتی پیتی ہیں باہر، گھر کا سارا خرچ تو شفیق الحسن بھائی اٹھاتے ہیں جب آپ انہیں اور گھر کو معاشی لحاظ سے سپورٹ نہیں کرتیں تو ان پر اتنا رعب، غصہ، جتلانا کس بات کے لئے ہیں؟'' نغمہ کی یہ بات کوڑے کی طرح ان کی سماعتوں پر لگی تھی اور پھر دل پر شرمندگی بن کر وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہی تھی۔

''جس عورت کو اپنے شوہر اور گھر سے لگاؤ، بچوں سے پیار ہوتا ہے نا، وہ شادی کے بعد سال چھ مہینے میں گھر داری کے سب کام سیکھ لیتی ہے اور بجیا آپ کی شادی کو تو دس برس ہو چکے ہیں آپ خود ہی بتائیں کہ آپ کو کس سے لگاؤ ہے، کس سے پیار ہے اگر گھر شوہر بچوں سے نہیں ہے تو؟'' اس اور سوال انہیں آئینہ دکھا رہا تھا اور انہیں اپنا چہرہ بہت بدصورت دکھائی دے رہا تھا۔

میری زندگی ہے نغمہ میری زندگی ترانہ
میں صدائے زندگی ہوں مجھے ڈھونڈ لے زمانہ

نغمہ ٹی وی دیکھ رہی تھی کہ اس کے موبائل پر میسج ٹون بجی، اس نے چیک کیا تو یہ شعر لکھا تھا، ان نون نمبر تھا، لہٰذا اس نے دھیان نہ دیا۔

اک پیار کا نغمہ ہے جو میری زندگی ہے

دوسری بار پھر سے یہ شعر آیا تو نغمہ کا دل بہت زور سے دھڑکا، چہرہ اک پل میں گرم ہو گیا، انیق الحسن کا خیال فوراً ذہن و دل میں آیا تھا، مگر اس نے ریپلائی نہیں کیا۔

''نغمہ جی! مجھے آپ سے بات کرنا ہے پلیز انکار مت کیجئے گا، میرا اسیل نمبر سیو کر لیجئے، میں فری ہو کر آپ کو کال کرتا ہوں، پہچان تو گئی ہوں گی؟ انیق الحسن کو؟'' اگلا ٹیکسٹ یہ آیا تھا، نغمہ نے نمبر سیو کر لیا مگر انہیں کوئی جواب نہ دیا۔

''مسٹر ان لا تم تو واپس جا کر ہم سب کو بھول ہی گئیں۔'' شفیق الحسن نے نغمہ کو فون کر کے اپنائیت بھرا شکوہ کیا۔

''نہیں دولہا بھائی، میں تو کچھ بھی نہیں بھولی، مجھے یاد ہے سب ذرا ذرا۔'' نغمہ نے خوشگوار موڈ میں جواب دیا۔

جانے کیوں شفیق الحسن کو لگا کہ اس کا اشارہ آسیہ بیگم کے رویے کی طرف ہے جبھی وہ شرمندہ سے ہو گئے تھے۔

''اچھا! کیسی ہو؟''

''الحمدللہ بہت اچھی ہوں۔''

''ہاں اس میں تو کوئی شک نہیں ہے میری بہن بہت اچھی ہے بس ہمارے جیسے لوگ اچھے لوگوں کی قدر نہیں کرتے ان کا دل دکھاتے ہیں۔'' شفیق الحسن نے اصل بات کی طرف آتے ہوئے تمہید باندھی۔

''یہی دستور دنیا ہے اور لوگوں کی فطرت ہے، زندگی کا چلن ہے جو ہمیں سبق سکھانے کے بہانے بناتی رہتی ہے، مگر اس کا فائدہ بھی تو ہوتا ہے نا، جو بات ہمیں کل سمجھ میں آنی تھی وہ آج سمجھ آ گئی ہے تو اچھا ہے نا یہ تو؟'' وہ دھیرے سے ہنس کر بولی۔

''ہوں تم بہت زندہ دل اعلیٰ ظرف اور با اخلاق لڑکی ہو۔''

''ہائیں ہائیں اتنا مکھن کس خوشی میں لگایا جا رہا ہے دولہا بھائی! مجھے سفارش خوشامد قطعی ناپسند ہے لہٰذا آپ کی دال نہیں گلنے والی۔'' نغمہ نے ان کی بات سنتے ہی تیزی سے کہا تو وہ ہنس پڑے۔

''نغمہ بیٹا میں نے تمہیں ہمیشہ اپنے بچوں کی طرح سمجھا اور مانا ہے میری ثمن جیسی ہو تم، بیٹی

سمجھتا ہوں تمہیں۔"

"میں جانتی ہوں بھائی، آپ کو یہ سب بتانے کی کیا ضرورت ہے؟"

"مجھے بہت دکھ ہے جو کچھ میرے گھر میں تمہارے ساتھ ہوا۔" شفیق الحسن نہایت سنجیدگی سے بولے تو لمحے بھر کو وہ خاموش ہوئی پھر فوراً بات کو بدلتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"یہ بتائیں صائم، صارم اور ثمن کیسے ہیں؟ مجھے مس کرتے ہیں؟"

"تمہیں تو سبھی مس کرتے ہیں، تم بات کو اگنور کیوں کر رہی ہو بیٹا؟"

"کیونکہ یہی حالات کی نزاکت کا تقاضا ہے۔" نغمہ سنجیدگی سے بولی۔

"تم سب جانتی ہو یہ میں بھی جانتا ہوں اسی لئے بہت شرمندہ ہوں تم سے بہت ہمت کرکے آج تمہیں فون کیا ہے، تمہیں اتنا برا کہا گیا، ہرٹ کیا گیا تمہاری انسلٹ کی میری ماں نے اور تم خاموشی سے یہاں سے چلی گئیں بنا شکایت کیے، بنا واویلا مچائے اور نہ ہی اپنے گھر جا کر کسی سے کچھ کہا ورنہ ایک طوفان کھڑا ہو جاتا، کیوں نغمہ، کیوں نہیں بتایا کسی کو، مجھ سے شکایت کیوں نہیں کی امی کے رویے کی، مجھے ایکدم سے اتنا پرایا کر دیا تم نے اور خاموشی کا تھپڑ مار کر چلی گئیں یہاں سے کیوں بیٹا ایسا کیوں کیا آپ نے؟" شفیق الحسن بہت نرم مگر سنجیدہ، شرمندہ سے لہجے میں شکوہ کناں تھے۔

"شفیق بھائی، آپ میرے لئے بہت محترم ہیں میں چاہتی ہوں کے بجیا اور آپ ہمیشہ ایک ساتھ خوش آباد رہیں بجیا آپ کی قدر کریں، اس کے لئے ضروری تھا کہ میں وہاں سے خاموشی سے چلی آتی سیلاب آ رہا ہو تو اس کے سامنے بند باندھنا چاہیے نہ کہ طوفان کھڑا کر دینا چاہیے، اگر دونوں جانب ایک سا رویہ اپنایا جائے گا تو معاملہ مزید بگڑ جائے گا، دونوں طرف سے ہونے والی اندھا دھند فائرنگ میں بے گناہ اور معصوم لوگ بھی مارے جاتے ہیں اور آپ کا قصور تھا اس سب میں؟ جو میں آپ سے کچھ کہتی، بجیا کے مزاج سے بھی میں واقف ہوں وہ آپ کی امی سے زیادہ بڑا طوفان اٹھا دیتیں، آپ کو سب معلوم ہو گیا ہے تو بس آپ بھی میری صبر برداشت سے کام لیں اور اگنور کریں ویسے بھی وہ آپ کی ماں ہیں، ماں سے کیا کہیں گے آپ، الٹا میں مزید بری بن جاؤں گی ان کی نگاہ میں۔" نغمہ نے نہایت سنجیدگی سے مفصل جواب دیا۔

"میں بہت دکھ اور شرمندگی سے دوچار ہوں نغمہ، امی کے رویے پر میں تم سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتا ہوں۔"

"ارے شفیق بھائی، یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ غلطی کسی کی ہوتی ہے اور معافی کوئی دوسرا مانگتا ہے۔"

"جس کی غلطی ہو اسے احساس ہونا ضروری ہے اسے احساس نہ ہو تو دوسروں کے معافی مانگنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا، جیسے کسی کی غلطی کی سزا، کسی اور کو ملتی ہے ویسے ہی کسی کی اور کے غلط رویے کی معافی کوئی اور مانگ رہا ہوتا ہے کتنا عجیب مگر غلط رویہ ہے نا یہ؟"

"ہے تو، اب کیا کہوں میں؟"

"کچھ مت کہیے اور اطمینان رکھیے میں آپ سے ناراض نہیں ہوں اور جو دکھ ہم سہہ لیتے ہیں ناں اس کی کوئی تلافی نہیں ہوا کرتی، خدا حافظ۔" نغمہ نے سنجیدگی اور نرمی سے اپنی بات مکمل کی اور کال منقطع کر دی۔

☆☆☆

"گھر بسانا ہو، شوہر سسرال والوں کو خوش

کرنا ہو تو اس کے لئے جان مارنا پڑتی ہے، آرام چھوڑنا اپنے شوق اور اپنی خوشیوں کا گلا گھونٹنا پڑتا ہے، آپ دس سال سے اپنا شوق اپنی خوشی پوری کر رہی ہیں اور آپ سے کوئی بھی خوش نہیں ہے، اب آپ خود انصاف کریں، کیا آپ کو یہ بات پسند ہے کہ جن رشتوں میں آپ رہتی ہیں بندھی ہوئی ہیں وہ آپ کو ناپسند کرتے رہیں، آپ سے ہمیشہ نفرت کرتے رہیں، آپ کو مجبوراً قبول یا برداشت کرتے جائیں۔'' نغمہ کی آواز حسنہ پر آگہی کا در کھولتی محسوس ہو رہی تھی۔

''عورت کے لئے دو محاذوں پر لڑنا آسان نہیں ہوتا لہٰذا اسے اپنا اولین محاذ یعنی گھرداری سنبھالنا چاہیے باقی قلعے اپنے آپ فتح ہوتے چلے جاتے ہیں گرہستی قائم رہے تو ہستی کو اہمیت پیار، وقار بھی مل جاتا ہے ایکدن۔'' نغمہ کی باتوں کو سوچتے یاد کرتے ہوئے حسنہ بہت کشمکش میں گھر گئیں تھیں۔

''گھر عورت بناتی ہے محبت، خلوص، ایثار، احترام، برداشت اور چاہت کی اینٹوں سے، رشتوں کو جوڑ کر مکان کو گھر بناتی ہے، شوقیہ، ٹائم پاس کرنے کو گھر کی ذمے داری سے جان چھڑانے کو نوکری کرنے والی حسنہ شفیق الحسن تم کیا جانو، گھر کیسے بنتا ہے؟ گھر کی ابتر حالت بیزار خاموش چڑ چڑا شوہر، ناراض غصیلے بچے، شاکی سسرال، بے ترتیب گھر بے ترتیب چیزیں، یہ سب تمہاری لاپرواہی کا نتیجہ ہے، یہ تمہارا گھر ہے، تمہارے شوہر کا گھر ہے، تمہارے بچے ہیں تو یہ سب تمہاری ہی ذمے داری اور فرائض میں شامل ہیں تمہاری ایک قربانی سے پورا گھر بن سکتا ہے سنور سکتا ہے، ابھی بھی دیر نہیں ہوئی اپنا گھر ٹوٹنے، بکھرنے سے بچالو۔'' دادی نے اگلے دن حسنہ کو فون کر کے سمجھایا تھا۔

''میری اتنی اچھی جاب ہے شاندار سیلری میں ایسے کیسے چھوڑ دوں جاب؟ ریٹائرمنٹ پر ٹھیک ٹھاک گریجوئٹی ملے گی، پینشن ملے گی اور یہ سب بچوں کے کام آئے گا، مہنگائی دن بدن بڑھتی جا رہی ہے، بچے بڑے ہوں گے تو ان کے تعلیمی اخراجات اور دیگر ضروریات میں بھی اضافہ ہوگا، ایسے میں صرف ایک شخص کی تنخواہ پر گزارہ کیسے ہوگا؟'' حسنہ نے نغمہ سے فون پر بات کرتے ہوئے کہا تو وہ سنجیدگی سے بولی۔

''بجیا، آپ شادی سے پہلے سے جاب کر رہی ہیں بارہ سال ہو گئے آپ کو ملازمت کرتے ہوئے آپ نے جو بھی کمایا ہے وہ نہ تو ماں باپ کے ہاتھ پر رکھا ہے نہ ہی اپنے شوہر کو دیا ہے، سب اپنے اکاؤنٹ میں جمع رکھا ہے آج تک، اگر آپ واقعی اپنے گھر اور بچوں پر خرچ کرنا چاہتی ہیں تو بارہ سال کی کمائی کافی ہے اور اگر جاب نہیں چھوڑنا چاہتیں تو نیند آرام چھوڑ دیں آئی مین کم کر دیں اور مینج کریں دونوں جگہ پر جیسے باقی ورکنگ وومن کرتی ہیں، دل میں جگہ اور گھر کو جنت بنانے کے لئے یہ قربانی تو آپ کو دینا پڑے گی، محنت کرنا ہوگی، جان مارنا ہوگی، وہ بھی ہنسی خوشی بے زاری یا غصے سے نہیں۔''

''ہوں۔'' حسنہ نے بس ہوں کہنے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

☆☆☆

انیق الحسن کی کال تیسری بار نغمہ کے سیل فون پر آ رہی تھی ناچار اسے کال اٹینڈ کرنا پڑی۔

''السلام علیکم!'' نغمہ مدھم لہجے میں بولی۔

''وعلیکم السلام، صد شکر ہے کہ آپ نے میری کال تو ریسیو کی، کیسی ہیں آپ؟'' انیق الحسن اس کی آواز سن کر تشکر آمیز لہجے میں بولے۔

''میں کیسی بھی ہوں آپ یہ جان کر کیا

کریں گے؟''

''ناراض ہیں مجھ سے؟''

''آپ سے میرا ناراضگی والا تو کوئی رشتہ ہے ہی نہیں۔'' نغمہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''لیکن میں بنانا چاہتا ہوں۔''

''کیوں؟''

''آپ نہیں جانتیں کیوں؟''

''نہیں اور نہ ہی جاننا چاہتی ہوں۔''

''اگر میں کہوں، مجھے تم سے محبت ہے، میری بس یہی چاہت ہے، تو کیا کہو گی؟'' انیق الحسن اپنے مہذب دلکش مگر سنجیدہ لہجے میں استفسار کر رہے تھے، اس کا جواب بے ساختہ اور فوری تھا۔

''کچھ نہیں۔''

''لیکن کیوں؟ میں زندگی کے اس سفر میں تمہارا ساتھ چاہتا ہوں نغمہ۔'' وہ بے کل ہو کر بولے۔

''یہ ممکن نہیں ہے۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''اول تو آپ کی امی راضی نہیں ہوں گی وہ بجیا سے متنفر ہیں اور مجھ سے بدگمان ہیں ایسے میں آپ کسی بھی نئے رشتے کے بارے میں کیسے سوچ سکتے ہیں؟'' نغمہ سنجیدگی سے کہا۔

''کیا آپ کو مجھ سے پیار نہیں ہے؟'' انیق الحسن نے آس بھرے لہجے میں پوچھا۔

''نہیں ہے۔'' اس نے دل کی آواز کی نفی کرتے ہوئے کہا۔

''جھوٹ بولنا گناہ ہے۔''

''والدین کی حکم عدولی کرنا بھی گناہ ہے۔'' انیق الحسن بھی فورا بولے۔

''میں اپنی خوشی کو ان کی خوشی بناؤں گا، اپنی رضامندی کو ان کی رضامندی اور قبولیت کی سند دلوا کر ہی آپ کو اپنی زندگی میں شامل کروں گا، آپ کو پوری عزت اور شان کے ساتھ بیاہ کر لے جاؤں گا یہ میرا آپ سے وعدہ ہے۔''

''مجھے آپ سے ایسے کسی وعدے کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ جو آپ چاہتے ہیں وہ میں ہرگز نہیں چاہتی۔'' نغمہ نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''پھر سے جھوٹ۔'' انیق الحسن کو یقین تھا کہ وہ یہ بات دل سے نہیں کہہ رہی جبھی بے کل ہو کر اعتماد بھرے لہجے میں بولے تو وہ پھٹ پڑی۔

''آپ کو کیوں لگتا ہے کہ میں آپ سے جھوٹ بول رہی ہوں؟ آپ بھول گئے ہیں وہ سب خرافات جو آپ کی والدہ محترمہ میرے بارے میں ارشاد فرما چکی ہیں، بنا کسی وجہ کے انہوں نے مجھے اتنا قابل تحقیر و تضحیک سمجھ لیا اور آپ یہ بات کر کے انہیں میرے کردار پر مزید کیچڑ اچھالنے کا موقع فراہم کرنا چاہتے ہیں؟''

''آئی ایم سوری، میرا یقین کیجئے میں امی کے رویے پر بہت نادم ہوں اور انہیں منا لو گا آپ کے لئے میرا یقین کیجئے نغمہ!'' وہ شرمندگی اور بے قراری سے پر لہجے میں بولے۔

''مجھے یہ یقین مت دلائیے سرجن صاحب، آپ کو کیا لگتا ہے کہ جس عورت نے میرے کردار پر تہمت دھری ہو، مجھے الزام دیئے ہوں، گالیاں دی ہوں میں اس عورت کے بیٹے سے پیار محبت اور رشتے جوڑوں گی، شادی کے خواب دیکھوں گی؟ نہیں ہرگز نہیں، آسیہ بیگم میرے لئے صرف میری بہن کی ساس ہونے کی وجہ سے قابل احترام ہیں، اس کے علاوہ میرا نہ ان سے کوئی رشتہ ہے نہ ہی میں کوئی رشتہ بنانا چاہتی ہوں۔'' نغمہ نے نہایت دھیمے مگر سنجیدہ و سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''میرا قصور بتائیں گی آپ مجھے؟'' انیق الحسن نے مرے مرے لہجے میں سوال کیا۔

''میرا قصور بتائیں گے آپ مجھے؟'' الٹا وہی سوال نغمہ نے ان سے کرلیا۔

''میں صرف اتنا جانتا ہوں کے میں آپ کو بہت چاہتا ہوں اور پوری عزت اور محبت کے حق کے ساتھ آپ کو اپنی شریک حیات بنانا چاہتا ہوں اور اپنی اس بات سے میں پیچھے نہیں ہٹوں گا میری جیون ساتھی صرف آپ بنیں گی آپ نہیں تو کوئی نہیں۔'' انیق الحسن نے دل سے کہا اور کال منقطع کر دی، نغمہ کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ کرتے چلے گئے۔

☆☆☆

حسنہ کے کالج میں گرمیوں کی چھٹیاں ہو گئی تھیں اور نغمہ کے کہنے پر انہوں نے اس بار گھر پر رہ کر کوکنگ سیکھنے اور دیگر کام کرنے کا فیصلہ کیا تھا، میکے نہیں جا رہی تھیں وہ اس بار یہ دیکھ کر شفیق الحسن کو بہت حیرت ہوئی تھی، اس سے بھی زیادہ حیرت انہیں تب ہوئی جب انہوں نے حسنہ کو فجر کی نماز ادا کرتے دیکھا اور اس کے بعد بچوں کے چھوٹے چھوٹے کام کر کے کچن میں ناشتہ بناتے، گھر کے کام، صفائی ستھرائی میں دلچسپی لیتے دیکھا۔

آسیہ بیگم بھی حیران تھیں کہ بہو بیگم میکے نہیں گئیں اس بار چھٹیوں میں اور گھر کے کاموں میں دلچسپی بھی لے رہی ہیں۔

''حسنہ بہو!'' آج سنڈے تھا تو وہ سب کی پسند کا کھانا پکا رہی تھیں، آسیہ بیگم کو چائے دینے لاؤنج میں آئیں تو وہ پوچھنے لگیں۔

''خیر تو ہے نا؟ میکے والوں سے ان بن تو نہیں ہو گئی تمہاری جو اس بار گرمیوں کی چھٹیاں تم شوہر کے گھر میں گزار رہی ہو؟''

''اس میں کوئی برائی ہے کیا؟'' حسنہ نے انہیں دیکھے بنا کشن ٹھیک کرتے ہوئے پوچھا، شفیق الحسن بھی ٹی وی پر میچ دیکھتے ہوئے ان کی طرف متوجہ تھے۔

''برائی ہی ہو گی جو تم ہر سال بلکہ سال میں دو بار گرمی، سردی کی چھٹیاں ہمیشہ میکے گزارنے جاتی رہیں آج تک۔'' آسیہ بیگم نے چائے کا سیپ لے کر کہا۔

''امی! میں نے حسنہ کو میکے جا کر چھٹیاں گزارنے سے منع کیا ہے۔'' شفیق الحسن نے حسنہ کو مشکل میں دیکھا تو فوراً بول پڑے اور معقول بہانہ بنا کر حسنہ کو مزید سوال جواب سے بچالیا۔

''اور یہ مان بھی گئیں؟ کمال ہے بیٹا، یہ تو معجزہ ہو گیا کہ تمہاری بیوی نے تمہاری بات مان لی۔'' آسیہ بیگم نے طنزیہ لہجے میں کہا تو حسنہ شرمندہ سی وہاں سے کچن کی طرف چلی گئیں، وہ شفیق الحسن کی شکر گزار تھیں کہ انہوں نے اپنی ماں کے سامنے انہیں شرمندہ ہونے سے بچالیا تھا، وہ تو ہمیشہ ان کا ساتھ دیتے تھے، حسنہ ہی تھیں جو کبھی انہیں یا ان کی بات کو اہمیت نہیں دیتی تھیں، حسنہ کو شدت سے اپنی بدتمیزیوں اور بے نیازیوں کا احساس ہو رہا تھا جن کی وجہ سے آسیہ بیگم ایک سخت مزاج نفرت کرنے والی اور ان سے بری طرح بیزار و بدگمان ساس بن کر سامنے آئی تھیں۔

آسیہ بیگم کا منفی رویہ حسنہ کے منفی اعمال کا ہی ردعمل تھا اور ان کی وجہ سے نغمہ بھی ان کے منفی رویے کی زد میں آئی تھی، حسنہ اور شفیق الحسن کے درمیان ایک عجیب سی خاموشی چھائی ہوئی تھی حسنہ اپنے رویوں کی وجہ سے شرمندہ تھیں اور ان کے سامنے اعتراف کر کے معافی مانگنے کی ہمت

نہیں کر پا رہی تھیں اور شفیق الحسن اپنی ماں کے رویے کے سبب شرمسار تھے جو انہوں نے نغمہ کے معاملے میں برتا اور اب وہ حسنہ کو مسلسل طنز و تنقید کا نشانہ بنا رہی تھیں، بات بے بات انہیں شرمندہ اور ذلیل کرنے پر تلی ہوئی تھیں، بچے الگ پریشان سہمے سہمے سے تھے اپنی دادی سے گھر کا ماحول ایک ان دیکھی سرد جنگ میں بدل چکا تھا جہاں خفگی، ناراضگی غصے اور بیزاری تھی۔

''ایک انسان کے منفی رویوں اور باتوں سے ایک خاندان، ایک نسل متاثر ہوتی ہے کاش! میں صحیح ہوتی تو یہ میرا گھر، خاندان یوں متاثر نہ ہوتا، مجھے اپنی غلطیوں کو سدھارنا ہے باقی سب خود ہی ٹھیک ہو جائے گا، میری معافی اسی صورت ممکن ہے جب میں اپنی ذمے داریاں، اپنے فرائض احسن طریقے سے نبھاؤں، سب کام ٹھیک سے کروں تب شفیق اور ان کے پیرنٹس مجھے آسانی سے معاف کر سکیں گے، دس برس کی غلطیاں سدھارنے میں کچھ دن تو لگیں گے لیکن وہ اب کوئی غلطی، کوتاہی نہیں کریں گی۔'' حسنہ نے خود سے یہ عہد کرتے ہوئے ٹی وی لاؤنج میں جھانکا تھا جہاں آسیہ بیگم، شفیق الحسن سے کہہ رہی تھیں۔

''تم نے کیوں روک لیا اس مصیبت کو جانے دیتے میکے کم از کم چند ہفتے تو سکون سے گزر جاتے وہ کون سا کچھ کرتی ہے یا تمہیں کھانے پکا پکا کر کھلاتی ہے جو اس کے جانے سے تمہیں مشکل ہو جاتی۔''

''امی! یہ بات نہیں ہے، بچے وہاں جا کر کھیل کود میں لگ جاتے ہیں پڑھائی پر توجہ نہیں دیتے مارکس بھی کم آتے ہیں پھر ان کے پیپرز میں دو مہینے میں وہ بالکل نکمے ہو کر آتے ہیں یہاں۔'' شفیق الحسن نے بات بنائی تھی، حالانکہ ننھیال میں نغمہ بچوں کو پڑھاتی تھی اور پڑھائی سے بالکل غفلت برتنے نہیں دیتی تھی، حسنہ نے یہ سنا تو سمجھ گئی کے وہ بات بنانے کے لئے ایسا کہہ رہے ہیں ورنہ وہ تو ہمیشہ نغمہ کا شکریہ ادا کیا کرتے تھے کہ اس نے ان کے بچوں کو کورس کروا کے بھیجا ہے۔

☆☆☆

''بھائی جان! میں نغمہ سے پیار کرتا ہوں شادی کرنا چاہتا ہوں ان سے۔'' انیق الحسن نے بالآخر دل کی بات کھل کر شفیق الحسن کے سامنے بیان کر دی۔

''جانتا ہوں، پہلے دن سے جانتا ہوں۔'' شفیق الحسن اس وقت اپنے آفس میں تھے، انیق الحسن لنچ ٹائم میں ان کے پاس آ گئے تھے، شفیق الحسن نے ان کی بات سن کر کہا۔

''تو کچھ کریں گے نہیں میرے لئے؟'' انیق الحسن کے لہجے میں امید بھرا سوال تھا۔

''دل تو بہت چاہتا ہے میرے بھائی کے تمہاری اور نغمہ کی شادی خوب دھوم دھام سے کرواؤں لیکن۔''

''لیکن کیا؟''

''میں حقیقتاً اس بچی سے بہت شرمندہ ہوں، اس نے ہمیشہ ہم سب کے بچوں کا بہت خیال رکھا ہے، بچے چھٹیوں میں ہر سال اپنے نانا کے گھر جاتے ہیں تو نغمہ کے گن گاتے واپس آتے ہیں ان کی پڑھائی کا حرن نہیں ہونے دیا اس نے بھی بہت پیار کرنے والی بچی ہے، کیئرنگ ہے تم بہت خوش نصیب ہو گے اگر وہ تمہاری لائف پانٹر بنے گی۔''

''انشاء اللہ تعالیٰ ضرور بنے گی نغمہ میری لائف پانٹر، آپ امی ابو سے بات کریں ناں پلیز۔'' انیق الحسن نے بے قراری سے کہا۔

''ان سے بات کرنے کا مطلب ہے : ت

کو مزید بگاڑنا جو تم افورڈ نہیں کر سکتے، ابھی تو اپنے گھر میں امی نے نغمہ کی تذلیل کی ہے دوبارہ بات کرنے سے وہ نغمہ کے گھر جا کر اگر کچھ غلط بول آئیں تو سوچو کیا نتیجہ نکلے گا اس سب کا؟ ابھی تو حسنہ کو بھی نغمہ کی بے عزتی نہیں بھولی اور وہ نغمہ کی نصیحتوں پر عمل کرتے ہوئے گھر میں دلچسپی لے رہی ہے اپنی ذمے داریوں کو سمجھ رہی ہے وہ سب ٹھیک کر لے امی کے دل میں اس کے لئے گنجائش نکل آئے تب بات کرنا مناسب ہوگا۔'' شفیق الحسن نے انہیں دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

''اور یہ ٹھیک کتنے عرصے میں ہوگا؟''

''کچھ مہینے تو لگیں گے اس میں۔''

''کچھ مہینے، نو دے بھائی جان! کچھ مہینے میں اگر نغمہ کا رشتہ کہیں اور طے ہو گیا تو؟'' انیق الحسن پریشانی سے بولے۔

''تو تمہارا نصیب۔''

''میں نہیں مانتا یہ بات بنا کوشش کیے میں نصیب کو دوش دیے بیٹھ جاؤں ہر گز نہیں میں ابو سے بات کروں گا۔'' انیق الحسن سنجیدگی سے بولے تو شفیق الحسن کہنے لگے۔

''ابو تو آرام سے مان جائیں گے مسئلہ امی کو منانے کا ہے اور امی کی بات تو ابو بھی نہیں ٹال سکتے میرے بھائی۔''

''کیا مشکل ہے بھائی، کوئی تو حل ہوگا اس مسئلے کا؟''

''حل بتایا تو ہے۔''

''اتنا صبر نہیں ہے مجھ میں۔'' انیق الحسن صاف گوئی سے بولے۔

''اتنا پیار کرتے ہو نغمہ سے؟''

''جی اور اسی لئے ڈرتا ہوں کہ کہیں کوئی اور نہ اسے لے اڑے، ماشاء اللہ لاکھوں میں ایک ہے نغمہ، اس کے لئے رشتوں کی کمی تھوڑی ہے جو اس کے امی ابا میرے رشتے کے انتظار میں ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں گے اور کسی رشتے کے لئے ہاں نہیں کریں گے۔'' انیق الحسن نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''تمہاری بات میں وزن ہے۔''

''لیکن ہماری ماں کی باتوں نے ہمیں بہت ہلکا کر دیا ہے ان کی نظروں میں۔'' انیق الحسن بے بسی سے بولے اور وہاں سے اٹھ کر چلے گئے، شفیق الحسن لب بھینچے ہوئے سوچ میں پڑ گئے تھے، انیق الحسن انہیں بہت عزیز تھے وہ انہیں پریشان نہیں دیکھ سکتے تھے، واقعہ ابھی تازہ تھا لہٰذا ابھی بات کرنے کا مناسب وقت بھی نہیں تھا۔

محبت کچھ الگ سی ہے تجھ سے
تو میرے خیال میں نہیں دعاؤں میں رہتا ہے

نغمہ کے سیل فون پر انیق الحسن کا ٹیکسٹ اس شعر کی صورت آیا تھا جسے پڑھ کر اس کے دھیان کی ساری کڑیاں پھر سے انیق الحسن کی جانب مبذول ہو گئیں تھیں، آسیہ بیگم کی زبان سے دی گئی ساری اذیتیں پھر سے پھڑ پھڑانے لگی تھیں۔

''انیق الحسن! نا چاہتے ہوئے بھی دل آپ کے نام پر دھڑکنے لگا ہے، محبت نام کا پنچھی میری روح میں پھڑ پھڑانے لگا ہے اور ساتھ ہی یہ درد بھی آنکھ کھول رہا ہے کہ آپ اور میں زندگی کے سفر میں ہمراہی، ہم سفر نہیں بن سکتے، میں اپنی ذات، اپنے کردار پر لگائے گئے آپ کی والدہ کے الزامات نہیں بھول سکتی، اس لئے بہتر یہی ہے کہ آپ مجھے بھول جائیں۔''

نغمہ دل میں انیق الحسن سے مخاطب تھی، آنکھوں سے آنسو خود بخود بہہ نکلے تھے، دادی جائے نماز پر بیٹھی نماز ادا کر رہی تھیں، سلام پھیرتے ہوئے ان کی نظر نغمہ کے آنسوؤں پر

پڑی تو جلدی سے سلام پھیرا اور اس سے پوچھنے لگیں۔

''نغمہ! کیا ہوا بیٹی؟ رو کیوں رہی ہو چندا؟''

''روؤں نہ تو کیا کروں دادی؟ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں، پیار کرتے ہیں مجھ سے اور ان کی امی وہ انہیں بھی رلائیں گی اب دیکھیے گا آپ۔'' وہ آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔

''اللہ نہ کرے، تم دل برا نہ کرو انشاء اللہ، سب اچھا ہو جائے گا، انیق الحسن اگر میری نغمہ کے دل میں آبسا ہے تو میری نغمہ بھی اس کے گھر میں جابسے گی اور بہت خوش رہے گی میں ابھی دعا کرتی ہوں۔'' دادی نے اسے دیکھتے ہوئے مدھم آواز میں کہا۔

''نہیں دادی! وہ مجھ سے پیار کرتے ہیں کیونکہ پیار پہ اختیار تھوڑی ہوتا ہے لیکن فیصلوں پر تو اختیار ہوتا ہے نا؟ میں ان سے شادی نہیں کروں گی۔'' نغمہ بولی۔

''آسیہ بیگم کو اپنی غلطی کا احساس ہو جائے اور وہ تجھ سے معافی مانگیں تب بھی شادی نہیں کرے گی؟''

''نہیں۔''

''بیٹی! یہ تو پھر تم زیادتی کرو گے انیق کے ساتھ بھی اور اپنے ساتھ بھی۔'' دادی سنجیدگی سے بولیں۔

''کبھی کبھی اپنے ساتھ زیادتی کر جانا ہی مسئلے کا حل ہوتا ہے۔'' نغمہ سنجیدگی سے بولی تو دادی نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اور وہ جو تجھے اتنا چاہتا ہے اس کا کیا؟''

''وہ کل کسی اور کو چاہنے لگے گا۔''

''ایسا ہے کیا؟''

''نہیں تو۔'' وہ دل سے ان کی محبت پر یقین کرتے ہوئے بولی۔

''اگر وہ ایسا نہیں ہے تو پھر یہ اس کے ساتھ زیادتی ہے۔''

''میری مجبوری ہے دادی! میں انیق الحسن سے شادی نہیں کر سکتی۔'' اس نے دل کو سنبھالتے ہوئے کہا۔

''میری نغمہ تو کسی کے ساتھ بھی زیادتی نہیں کر سکتی پھر اس انسان کے ساتھ کیوں زیادتی کر رہی ہے جو اسے پیار کرتا ہے، دل سے اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہتا ہے۔'' دادی نے پیار سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ سر جھکا کر بھیگی آواز میں بولی۔

''کیونکہ آپ کی نغمہ ایک انسان ہے اور اس کے دل کو بھی چوٹ لگتی ہے دادی! درد ہوتا ہے۔''

''میں سمجھتی ہوں تیرا درد، لیکن بچے ایک چوٹ کھا کر زندگی بھر کی خوشیوں سے منہ نہیں موڑا کرتے، میرا دل کہتا ہے کے انیق الحسن تمہیں بہت محبت، عزت اور خوشیاں دیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔'' دادی نہایت رسانیت سے بولیں۔

''دادی! آپ تو اپنی طرف سے انیق الحسن کے رشتے کو پہلے ہی سے قبول کیے بیٹھی ہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''ہاں تو اور کیا، مجھے یقین ہے انیق میاں جلد اپنے گھر والوں کو لے کر آئیں گے باقاعدہ رشتے کی بات کرنے کے لئے۔''

''دادی! میں اپنا فیصلہ آپ کو ابھی بتا رہی ہوں، انیق سے شادی نہیں کروں گی میں لہٰذا ان کے آنے کی صورت میں انہیں انکار کر دیجئے گا۔''

''گھر آئی نعمت اور خوشی کو انکار نہیں کرتے۔'' دادی نے سمجھایا۔

''دیکھنا تم انیق میاں اپنی محبت سے تمہارا ہر دکھ درد ختم کر دیں گے۔''

''دادی! آپ بھی نا خوابوں کی دنیا میں پہنچی ہوئی ہیں۔'' نغمہ نے مذاق اڑانے والے انداز میں ہنس کر کہا۔

''یہ خوابوں کی دنیا حقیقت ضرور بنے گی انشاء اللہ، میں دعا کرنے لگی ہوں ابھی دیکھنا کیسے سنتا ہے اوپر والا۔'' دادی نے پریقین لہجے میں اپنی بات مکمل کرتے ہی دعا کے لئے ہاتھ پھیلا دیئے اور نغمہ کا دل بھی دعا مانگ رہا تھا کہ دادی کی ساری دعائیں اس کے حق میں قبول ہو جائیں۔

☆☆☆

حسنہ کے رویے کی خوشگوار اور مثبت تبدیلی نے گھر اور گھر والوں کا موڈ بھی خوشگوار کر دیا تھا، حسنہ ملازمہ کے ساتھ مل کر گھر کی صفائی، سجاوٹ کرتیں، کوکنگ سیکھ رہی تھیں، اگر کچھ سمجھ نہ آتا تو میکے فون کر کے نغمہ دادی یا امی سے ترکیب و طریقہ پوچھ لیا کرتیں۔

نئی ڈشز کے تجربے کرنے کے لئے انٹر نیٹ سے مدد لیتی، چند ہی ہفتوں کی محنت توجہ اور دلچسپی سے انہوں نے کافی کچھ پکانا سیکھ لیا تھا اور کسی حد تک شفیق الحسن اور بچوں کا دل بھی جیت لیا تھا، آسیہ بیگم اور انیس الحسن البتہ خاموشی سے حسنہ کے رویے کی یہ تبدیلی دیکھ رہے تھے، انیس الحسن ان کے ہاتھ کے بنے کھانوں کی تعریف ضرور کرتے تھے تاکہ ان کا حوصلہ بڑھے۔

حسنہ اب شوہر اور بچوں کی ہر ضرورت کی ہر چیز کا خیال رکھنے لگی تھیں اور کسی کو ان سے اس سلسلے میں شکایت نہیں رہی تھی، حسنہ نے محسوس کیا تھا کہ ان کی تھوڑی سی کوشش اور محنت سے سب کتنے خوش رہنے لگے تھے، شفیق الحسن سے وہ کسی بات پر بحث تو دور کی بات تھی دوسری بار اصرار یا تکرار کبھی نہیں کرتی تھیں اب یہ بات ان کے لئے خوشی سے زیادہ پریشان کن تھی کہ حسنہ سے وہ جو بھی کہتے وہ فوراً جی ٹھیک ہے جیسے آپ کو بہتر لگے کہہ کر مان لیتی تھیں، انہیں یہ خیال ستانے لگا تھا کہ ان کی اس فرمانبرداری کے پیچھے ان کی ناراضگی تو نہیں چھپی ہوئی، وہ سب کا پوری طرح سے خیال رکھ رہی تھیں، فجر کے وقت بیدار ہونے لگی تھیں، نماز کی ادائیگی کے بعد وہ گھر کے چھوٹے موٹے کام کرتیں پھر ناشتہ بناتیں، آسیہ بیگم اس بار واپس بہاول پور جانے کا نام ہی نہیں لے رہی تھیں، انہیں خدشہ تھا کہ کہیں حسنہ کا یہاں چھٹیوں میں رکے رہنا کسی پلاننگ کا سبب نہ ہو اور وہ پھر سے اپنی بہن یا پوری فیملی کو ملنے کے بہانے یہاں نہ بلا لے اور انیق الحسن کو اپنی بہن کے لئے نہ راضی کر لے، وہ اس بات سے بے خبر تھیں کہ نغمہ ان کی ساری باتیں سن کر ان کے بیٹے پر تین حرف بھیج کر ہی یہاں سے واپس گئی تھی۔

☆☆☆

نغمہ کے لئے دو رشتے آئے تھے، ایک خالہ کا انجینئر بیٹا تھا جو حال ہی میں امریکہ سے تعلیم مکمل کر کے لوٹا تھا اور شادی کے بعد واپس امریکہ جانے کا ارادہ تھا، وہ خالہ نے بہت محبت سے نغمہ کا رشتہ مانگا تھا، دوسرا رشتہ افتخار حمید کے چچا زاد بھائی کے ڈاکٹر بیٹے کا تھا، ڈاکٹر راحیل انور آئی اسپیشلسٹ تھے ینگ ہینڈسم ڈاکٹر تھے، دو بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے، خوشحال گھرانہ تھا، بہنیں شادی شدہ تھیں، سر پہ کوئی ذمے داری بھی نہیں تھی، گھر گاڑی اپنا ذاتی کلینک تھا جو چند ماہ پہلے مکمل ہوا تھا، شمسہ افتخار اور افتخار حمید کو دونوں رشتے ہی بہت پسند تھے اور وہ اپنی بیٹی کی قسمت پر رشک کر رہے تھے جس کے لئے اتنے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اچھے لڑکوں کے رشتے آئے تھے، نغمہ کا دل جیسے مٹھی میں آ گیا تھا، وہ لاکھ انیق

الحسن سے محبت اور شادی سے انکار کرتی رہی تھی لیکن دل تو ایق الحسن کے نام کی تسبیح ہی پڑھ رہا تھا، جان جیسے سولی پہ ٹنگ گئی تھی اور آنکھیں برکھا رت کا منظر پیش کر رہی تھیں۔

☆☆☆

''ایق میاں! آگے کیا ارادے ہیں، تعلیم مکمل ہوگئی جاب ہے، گھر بھی بنا ہی سمجھو گھر والی لانا باقی ہے شادی کرلو میاں اور جو وہ شاندار بنگلہ بنوا رہے ہو اسے اپنے بیوی بچوں سے آباد کرو اب۔'' رات کے کھانے کے بعد انیس الحسن بیوی بیٹوں اور بہو کے ساتھ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے چائے پی رہے تھے تو ایق الحسن سے کہنے لگے، ایق الحسن نے بے اختیار شفیق الحسن کی طرف دیکھا تھا، آسیہ بیگم نے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

''شفیق کو کیا دیکھ رہے ہو، اپنی بات کرو کوئی لڑکی ہے نظر میں تو بتاؤ ہم دیکھ لیں گے اگر تمہارے لئے مناسب ہوئی تو ٹھیک ہے ورنہ میری نظر میں ہیں ہیں دو تین لڑکیاں مجھے تو بہت پسند ہیں۔''

''امی! ایق دو تین نہیں صرف ایک لڑکی سے شادی کرے گا اور میرا خیال ہے کہ زندگی ایق کو گزارنی ہے تو پسند بھی اسی کی ہونی چاہیے۔'' شفیق الحسن چائے کا گھونٹ بھر کر سنجیدگی سے بولے۔

''بھئی میری پسند کی لڑکی نے تمہیں ناکوں چنے چبوائے ہیں کوئی سکھ نہیں دیا۔'' آسیہ بیگم نے چبھتی ہوئی نظروں سے حسنہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا سبھی شرمندہ سے ہوگئے تھے ان کی اس بات پر اسی وقت صائم دوڑتا ہوا حسنہ کا موبائل ہاتھ میں لئے وہاں آیا۔

''مما! نانو کا فون ہے پتا ہے نغمہ خالہ کی شادی ہو رہی ہے۔'' صائم نے بہت پرجوش انداز میں حسنہ کو بتایا اور موبائل ان کو دے دیا، حسنہ بات کرنے کے لئے لان میں چلی گئیں۔

ایق الحسن پر یہ خبر بجلی بن کر گری تھی، انہوں نے بے بسی سے شفیق الحسن کی طرف دیکھا تھا وہ بھی اس خبر پر حیران دکھائی دے رہے تھے، جبکہ آسیہ بیگم حیران ہونے کے ساتھ ساتھ مطمئن نظر آ رہی تھیں کہ ان ک بیٹے کی جان چھوٹ جائے گی نغمہ سے۔

''ایسی کیا خفیہ باتیں جو کرنے کے لئے وہ باہر ہی چلی گئی؟'' آسیہ بیگم بولیں تو انیس الحسن کہنے لگے۔

''وہ یہاں بیٹھ کر بات کرتی تب تم کہتیں کہ تمہیں سنانے کے لئے یہاں بیٹھی ہے تمہیں کسی طرح بھی چین نہیں ہے آسیہ بیگم، تم ایک روایتی ساس بن چکی ہو جسے اپنی بہو کے ہر عمل میں صرف برائی اور تنقید کے پہلو دکھائی دیتے ہیں۔''

''آپ کو تو بس میں ہی غلط لگتی ہوں۔'' آسیہ بیگم ناراض لہجے میں بولیں۔

''پلیز لیو دس ٹاپک۔'' ایق الحسن نے چائے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے بیزاری سے کہا تو انیس الحسن بولے۔

''یار! میں تو تمہاری شادی کی بات کر رہا تھا۔''

''اور نغمہ کی شادی کی خبر مل گئی۔'' شفیق الحسن بولے۔

''اتنی جلدی کہاں شادی ہو رہی ہے اس لڑکی کی؟'' آسیہ بیگم کو یہ جاننے کی بے چینی تھی باہر دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔

''جلدی کی خوب کہی آپ نے نغمہ ماشاء اللہ لاکھوں میں ایک ہے اعلیٰ تعلیم یافتہ خوبصورت، خوب سیرت، سلیقہ مند لڑکی ہے با

اخلاق ہے ایسی پیاری لڑکی کے لئے تو ایک سے ایک اچھا رشتہ مل سکتا ہے۔" شفیق الحسن نے سنجیدگی سے کہا۔

"خیر اب ایسا بھی نہیں ہے حسنہ کی قسمت اچھی تھی کہ اسے تم جیسا قابل اور ٹھنڈے مزاج کا شوہر ملا ورنہ کوئی اور ہوتا تو اسے کب کا فارغ کر چکا ہوتا، اس کی بہن بھی اسی جیسی ہوگی۔" آسیہ بیگم طنزیہ لہجے میں بولیں۔

"آپ کس جیسی ہیں امی؟" انیق الحسن انہیں دیکھتے ہوئے بولے۔

"یہ کیسا سوال ہے؟" آسیہ بیگم نے انہیں بھنویں سکیڑ کر دیکھا۔

"جیسے آپ بھائی جان کو کہہ رہی ہیں ناں ابو بھی تو اسی لائن میں کھڑے ہیں اور آپ بھی کسی حد تک حسنہ بھابھی جیسی تھیں وہ تو اب بدل گئی ہیں لیکن آپ نے ساری زندگی ایسے ہی گزار دی، جوائنٹ فیملی میں رہ کر آپ کے گھر اور بچوں کی ذمے داریاں زیادہ تر دادی اور پھپھو نبھایا کرتی تھیں، ملازمہ بھی تھیں آپ کو زیادہ محنت نہیں کرنا پڑی گھر چلانے میں لیکن آپ کی زبان آپ کی سوچ تو آپ کی اپنی ہے نا، اگر آپ اپنی میرج لائف پر نگاہ دوڑائیں تو آپ کو حسنہ بھابھی اپنے سے لاکھ درجے بہتر دکھائی دیں گی وہ دس سال بعد سمجھ تو گئیں کہ دیر آید درست آید، مگر آپ تو آج بھی وہی ہیں حکم چلانے والی، دوسروں کے کاموں میں کیڑے نکالنے والی، آپ کا اخلاق بھی حسنہ بھابھی کی غیر ذمے داریوں کے طفیل کچھ عرصے میں ہی کافور ہوگیا، اب وہ گھر کی ذمے داریاں نبھا رہی ہیں سب فرائض ادا کرنے کی کوشش کر رہی ہیں تو بجائے آپ کو خوش ہونے کے ان کی حوصلہ افزائی اور تعریف کرنے کے آپ مسلسل ان پر طنز و تنقید کے نشتر چلاتی رہتی ہیں بڑے افسوس کی بات ہے امی۔"

"بکواس بند کرو، شرم نہیں آتی تمہیں ماں سے ایسے بات کرتے ہیں۔" آسیہ بیگم سٹپٹا کر غصیلے لہجے میں بولیں۔

"انیق نے تو صرف حقیقت بیان کی ہے آئینہ دکھایا ہے بیگم صاحبہ آپ کو آپ کی بہو کو تو اس کی بہن سمجھا گئی گرہستی کا گر اور وہ سمجھ کر اپنی غلطیوں کو سدھار رہی ہے تمہارے یا شفیق کے سامنے بنا ضرورت کہ نہ بولتی ہے نہ کسی بات پر بحث کرتی ہے اب اور یہ مثبت تبدیلی ہے ہمیں اسے سراہنا چاہیے نہ کہ طنز کرنا چاہیے۔" انیس الحسن سنجیدگی سے بولے تو شفیق الحسن کہنے لگے۔

"ابو ٹھیک کہہ رہے ہیں امی! بڑوں کی دل اور ظرف بھی بڑے رکھنے چاہئیں۔"

"ایک بات اور ابو!" انیق الحسن نے انیس الحسن کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے نغمہ اپنے حسن اخلاق اور کردار کے باعث اپنی کیئرنگ نیچر کے باعث بہت پسند آئی تھیں اور میں نغمہ سے ہی شادی کروں گا آپ پلیز ان کے پیرنٹس سے میرے اور نغمہ کے رشتے کی بات کریں۔"

"دیکھا میں نے کہا تھا وہ لڑکی یہاں اسی مقصد کے لئے آئی تھی اور ہوگئی کامیاب اپنے مقصد میں۔" آسیہ بیگم تو یہ سنتے ہی بھڑک اٹھیں اور غصے سے بولیں۔

"پلیز بخش دیں امی! اس کو معلوم بھی نہیں تھا کہ انیق یہاں آرہا ہے نہ ہی انیق کے بارے میں اسے کچھ معلوم تھا وہ یہاں میرے اور حسنہ کے انوائیٹ کرنے پر آئی تھی، وہ تو اگلے دن ہی واپس جا رہی تھی میں نے اور بچوں نے اسے روک لیا تھا۔" شفیق الحسن نے سنجیدہ لہجے میں

صاف صاف ساری بات کہہ ڈالی۔

''اور آپ نے یہاں آ کر کمرے میں نغمہ کے بارے میں جو خرافات ارشاد فرمائیں تھیں وہ سب نغمہ نے اپنے کانوں سے سن لی تھیں نغمہ نے ہی نہیں بچوں نے بھی سن لی تھیں۔'' انیق الحسن نے بتایا۔

''کک...... کیا؟'' آسیہ بیگم دنگ رہ گئیں۔

''جی، بقول آپ کے نغمہ ایک بدچلن، چلتر باز، آوارہ مزاج، حرافہ قسم کی لڑکی ہے جو آپ کے بیٹے کو پھنسانے آئی ہے یہاں، اگر ایسا ہوتا نہ وہ میرے آتے ہی یہاں سے واپس جانے کا ارادہ نہ کرتی اور آپ کی یہ باتیں سنتے ہی وہ یہاں سے فوراً چلی گئی، آپ سے مجھ سے ابو جان سے حتیٰ کہ اپنی بجیا سے بھی کچھ کہے بغیر شکوہ گلہ کیے بغیر یہاں سے ہنستی مسکراتی ایسے چلی گئی جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو، اس نے تو بچوں کو بھی منع کر دیا تھا ہمیں یہ بتانے سے کہ وہ سب سن چکی ہے، ہم سب سے عمر میں چھوٹی ہے لیکن اعلیٰ ظرف میں کتنی بڑی ہے وہ، میں تو اب تک شرمندہ ہوں اس بچی سے پہلی بار میرے گھر آئی تھی اور یوں تہمتیں اور الزام اپنے سر لے کر دکھی ہو کر یہاں سے گئی ہے۔'' شفیق الحسن نے نہایت سنجیدگی سے کہا، آسیہ بیگم شرم سے زمین میں گڑی جا رہی تھیں۔

''آپ کو بچوں سے گلہ تھا نا کہ وہ آپ سے کھنچے کھنچے ہیں اور آپ اس بات کا الزام بھی اس معصوم نغمہ کو دے رہی تھیں کہ اس نے انہیں آپ سے دور کر دیا ہے تو آپ یہاں بھی غلط تھیں بچے آپ سے آپ کے اپنے رویے کی وجہ سے کھنچے ہوئے تھے، ناراض اور غصے تھے، آپ جانتی ہیں امی بچے اپنی ماں سے پوچھ رہے تھے کہ حرافہ کا کیا مطلب ہے، چلتر باز کسے کہتے ہیں؟ بتائیے کیا جواب دیں ہم بچوں کو کہ ان کی دادی نے کون سی زبان بولی ہے ان کی خالہ کے بارے میں؟'' شفیق الحسن بھی آج کھل کر بول رہے تھے اور ٹھیک ٹھاک بول رہے تھے، انیس الحسن افسوس کر رہے تھے یہ سب جان کر۔

''اور آپ کو جو خوش فہمی ہے نا کہ نغمہ نے آپ کے بیٹے کو پھنسا لیا ہے تو آپ وہ بھی دور کر لیجئے کیونکہ نغمہ نے مجھے ایسا کوئی اشارہ نہیں دیا جس سے مجھے یہ لگتا کہ وہ مجھے پھنسانے کی کوشش کر رہی تھی یا مجھ میں دلچسپی لے رہی ہے بلکہ میں نے اسے پرپوز کیا تھا اور اس نے مجھ سے شادی کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ میں بات اپنی ہاں سے نہ کروں کیونکہ وہ خوش نہیں ہوں گی اور نہ ہی نغمہ اپنے کردار کے بارے میں اتنے نادر خیالات رکھنے والی خاتون کی بہو بننا پسند کرے گی، آپ کے بیٹے کو آپ کی وجہ سے ٹھکرا دیا ہے نغمہ نے، وہ بھی تو یہ سوچ سکتی ہے نا کہ جس کی ماں ایسی غلط زبان استعمال کر لی ہے اس کا بیٹا کتنا برا ہو گا، کتنی خراب سوچ کا مالک ہو گا۔'' انیق الحسن نے سپاٹ لہجے میں دکھ سے کہا، آسیہ بیگم کا تو وہ حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں لہو نہ ملے، شرمندگی اور ندامت سے وہ پسینے پسینے ہو رہی تھیں۔

''نغمہ نے اگر تمہارا پرپوزل ٹھکرا دیا ہے تو تم بھی اسے بھول جاؤ، اس کی بھی غالباً شادی ہونے والی ہے۔'' انیس الحسن نے سنجیدگی سے کہا تو انیق الحسن بولے۔

''ہرگز نہیں میں نغمہ کے علاوہ کسی دوسری لڑکی سے شادی نہیں کروں گا اور اتنی جلدی کیسے ہو سکتی ہے اس کی شادی آئی تھنک اس کے لئے رشتہ آیا ہو گا میں پوچھتا ہوں بھابھی سے آپ بھی ان سے بات کریں پلیز وہ نغمہ کے لئے مجھے

کنسیڈر کریں۔''

''ٹھیک ہے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' انیس الحسن نے کہا۔

''لیکن مجھے اعتراض ہے۔'' آسیہ بیگم سپاٹ لہجے میں بولیں۔

''آپ کا اعتراض بے معنی ہے بیگم صاحبہ، آپ کے بغیر بھی یہ رشتہ طے پا سکتا ہے میں جاؤں گا اپنے بیٹے کا رشتہ لے کر نغمہ کے گھر۔'' انیس الحسن نے کہا تو وہ غصے سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔

''شکریہ ابو۔'' انیق الحسن مطمئن ہو کر بولے تو انہوں نے بھی ان کو مسکراتے ہوئے تھپکا تھا۔

☆☆☆

''دادی میں بہت خوش ہوں ہماری نغمہ کسی سے کم تھوڑی ہے، اس کے لئے اتنے اچھے رشتے ہی آنے چاہئیں تھے، میرے خیال سے تو راحیل کے رشتے کے لئے ہاں کر دیں، دیکھا بھالا لڑکا ہے خیر سے آئی اسپیشلسٹ ہے اکلوتا بیٹا ہے گھر گاڑی ہے ہینڈسم ہے اور کیا چاہیے ہمیں، جی لیکن امریکہ جانے کے لئے امی تو راضی نہیں ہیں اور مجھے یقین ہے کہ نغمہ بھی انجینئر صاحب کے لئے نہیں مانیں گی کیونکہ اسے پاکستان سے باہر رہنا پسند ہی نہیں ہے اور بلال تو امریکہ میں ہی رہے گا شادی کے بعد، جی آپ نے نغمہ سے بات کی وہ کیا کہتی ہے؟ اچھا، اس نے آپ بڑوں کے فیصلے کو ہی اپنا فیصلہ کہا تھا مجھے اس سے یہی توقع تھی وہ ہمیشہ سب کی خوشی میں خوش رہتی ہے چاہے اپنی خوشی ہو یا نہ ہو، میں بات کروں گی نغمہ سے، او کے دادی اپنا خیال رکھئے گا پھر بات ہو گی میں ناشتہ بنا لوں، خدا حافظ۔'' صبح کچن میں ناشتہ بناتے ہوئے حسنہ موبائل پر دادی سے بات کر رہی تھی، ڈائننگ ٹیبل پر موجود انیق الحسن، شفیق الحسن، انیس الحسن اور آسیہ بیگم کے کانوں تک ان کی آواز پہنچ گئی تھی، سبھی خاموش تھے، انیق الحسن کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی، نغمہ کو انہوں نے دل سے چاہا تھا وہ اسے کسی اور کا ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے تھے۔

''ارے آپ لوگ ناشتہ نہیں کر رہے میں تو چائے بھی بنا لائی۔'' حسنہ چائے لے کر ڈائننگ ٹیبل پر آئیں تو سب کو گم صم بیٹھے دیکھ کر بولیں اور چائے دانی میز پر رکھ دی۔

''بچوں کو بھی بلا لو۔'' شفیق الحسن نے کہا۔

''بچے تو سب سے پہلے ناشتہ کر چکے ہیں اور اب لان میں کرکٹ کھیل رہے ہیں۔'' حسنہ نے ان کے کپ میں چائے انڈیلتے ہوئے بتایا۔

''حسنہ بٹی! تم سے ایک بات کرنا ہے ہمیں۔'' انیس الحسن نے ان کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی ابو کہیے۔'' حسنہ نے آج پہلی بار انہیں ابو کہہ کر مخاطب کیا تھا، وہ حیران ہی نہیں ہوئے تھے بلکہ بہت خوش بھی ہوئے تھے انیق الحسن اور شفیق الحسن کو بھی خوشگوار حیرت ہوئی تھی، جبکہ آسیہ بیگم نے گھور کر دیکھا تھا انہیں۔

''ابو کہہ کر تو تم نے بات کرنا اور بھی آسان کر دیا ہے میرے لئے۔'' انیس الحسن مسکراتے ہوئے بولے۔

''جی میں سن رہی ہوں آپ بات کیجئے۔'' حسنہ نے ان کے کپ میں چائے ڈالتے ہوئے کہا۔

''حسنہ بٹی! میں تمہید نہیں باندھوں گا سیدھی صاف اور دو ٹوک یعنی ٹو دی پوائنٹ بات کروں گا، مجھے اپنے انیق کے لئے تمہاری بہن کا رشتہ چاہیے اور بہت محبت سے عزت سے ہم نغمہ کو بیاہ

کرلائیں گے اور انیق میاں بہت محبت و احترام سے نغمہ کو رکھیں گے بہت خوش رکھیں گے نغمہ کو۔" انیس الحسن نے انہیں دیکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں اپنی بات مکمل کی، ان چاروں کی نظریں حسنہ کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں، رات جب حسنہ فون سننے گئی تھیں ان کی بات اپنی امی سے بہت مختصر ہوئی تھی اور اندر آتے ہوئے انہوں نے ان چاروں کے درمیان ہونے والی گفتگو سن لی تھی، وہ بہت خوش تھیں کہ ان کے شوہر اور دیور ان کی بہن کے ساتھ کی گئی زیادتی پر اپنی والدہ کو ان کی غلطی کا احساس دلا رہے تھے، ان کو ان کی بہن کو سراہا جا رہا تھا، انیق الحسن نغمہ سے شادی کرنا چاہتے وہ اس پر بھی خوش تھیں ان کے لئے یہی بہت تھا کہ ان کو احساس تھا ان کی محنت رائیگاں نہیں گئی تھی، اب انیق الحسن کے جذبات کا علم تو انہیں ہو گیا تھا لیکن وہ نغمہ کے دل کی بات جاننا چاہتی تھیں اگر وہ بھی اس رشتے میں انٹرسٹڈ ہوئی تو وہ امی ابو اور دادی کو بھی قائل کریں گی۔

"ابو میں امی تک آپ کا پیغام پہنچا دوں گی مجھے بہت خوشی ہوگی اگر وہ انیق کے حق میں فیصلہ کریں گے دراصل نغمہ کے لئے خالہ اور چچا کے بیٹوں کے رشتے آئے ہوئے ہیں خالہ کا بیٹا انجینئر ہے امریکہ میں رہتا ہے شادی کے بعد بیوی کو بھی ساتھ لے جائے گا اور چچا انور کا بیٹا آئی اسپیشلسٹ ہے نغمہ نے فیصلے کا اختیار امی ابو پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ جو بھی فیصلہ کریں گے اسے قبول ہو گا۔" حسنہ نے مسکرا کر نرم لہجے میں جواب دیا، انیق الحسن کا دل ڈوب رہا تھا۔

"ماشاء اللہ بہت سعادت مند بچی ہے اللہ اس کے نصیب نیک کرے۔" انیس الحسن نے دل سے دعا کی۔

"آمین۔" حسنہ اور شفیق الحسن نے ایک ساتھ کہا، آسیہ بیگم خاموشی سے ناشتہ کرتی رہیں۔

"سنا آپ نے نغمہ کے لئے کتنے اچھے اور قابل لڑکوں کے رشتے آئے ہیں آپ کو بہت بڑی غلط فہمی بلکہ خوش فہمی تھی کہ نغمہ کو آپ کے بیٹے سے اچھا رشتہ مل ہی نہیں سکتا، اب دیکھئے گھر بیٹھے اس کے لئے اتنے اچھے رشتے آئے ہیں اور ایک تو آئی اسپیشلسٹ ہے آپ کو اپنے سرجن بیٹے پر بہت غرور تھا نا وہ لڑکی آپ کے بیٹے کو شادی سے انکار کر چکی ہے وہ بھی آپ کی سوچ اور زبان کی وجہ سے۔" انیس الحسن نے آسیہ بیگم کو دیکھتے ہوئے کہا اور تاسف سے سر ہلاتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئے، حسنہ پہلے ہی ناشتے کے برتن اٹھا کر کچن میں جا چکی تھیں، انیق الحسن اور شفیق الحسن بھی خاموشی سے باہر نکل گئے، آسیہ بیگم اکیلی بیٹھی رہ گئی تھیں، اپنے پچھتاؤں کے ساتھ۔

"حالات اچھے رہیں تو سب اچھے رہتے ہیں جیسے ہی ہماری مرضی کے خلاف اور غیر متوقع غیر یقینی صورتحال سامنے آتی ہے ہم اپنا اصلی روپ چہرہ اور مزاج دوسروں کو دکھا دیتے ہیں اب وہ روپ مثبت بھی ہو سکتا ہے اور منفی بھی یہ ہماری سوچ ظرف اور مزاج پر منحصر ہوتا ہے۔" آسیہ بیگم نے بھی حسنہ کے غیر ذمے دارانہ رویے اور بدتمیزانہ مزاج کو دیکھ کر اپنا اصل ظرف اور مزاج دکھا دیا تھا، ورنہ ان میں اور حسنہ میں خاص فرق نہ تھا، بلکہ حسنہ تو اب سمجھ گئی تھیں اور یہی وجہ تھی کہ آج ان کی اپنی اولاد نے انہیں آئینہ دکھا کر شرمندہ ہونے پر مجبور کر دیا تھا، ان کے شوہر نے بھی چپ کا روزہ توڑتے ہوئے انہیں ان کے بدصورت رویے اور ایک بری بیوی اور غیر ذمہ دار ماں ہونے کا طعنہ دے کر حقیقت ان کے سامنے رکھ دی تھی اور اب آسیہ بیگم کو یوں لگ رہا تھا جیسے ان کے غرور بھرے چہرے پر ان کی

گرہستی نے طمانچہ رسید کر دیا ہو، انہیں ایک ایک کر کے سب یاد آ رہا تھا، کہ کہاں کہاں اور کس طرح وہ اپنے فرائض کو نظر انداز کرتی رہیں اپنے شوہر اور بچوں کے کام ان کی ضروریات ان کے کھانے پینے پسند نا پسند تک خیال ان کی ساس نندیں رکھتی تھیں، گھر کی کوئی ذمے داری انہوں نے ٹھیک سے نہیں نبھائی تھی، انیس الحسن اگر کبھی انہیں احساس دلانے کی کوشش کرتے تو وہ فوراً جھگڑنا شروع کر دیتیں، طلاق کا مطالبہ کرنے لگتیں، بالآخر انیس الحسن نے چپ سادھ لی تھی وہ ایک بدتمیز عورت کے ساتھ بحث کر کے اپنا وقت برباد نہیں کرنا چاہتے تھے مگر مجبور تھے ان کے ساتھ زندگی گزارنے پر دل میں چاہت نہیں رہی تھی بیوی کے منفی رویے اور مزاج کے سبب بس بچوں کی خاطر وہ یہ کڑوا گھونٹ عمر بھر پیتے رہے تھے، اب بات ان کی اولاد کی خوشی کی آئی تھی تو مجبوراً انہیں اپنی خاموشی کا قفل توڑنا ہی پڑا۔

''اس کا مطلب ہے انیس نے مجبوراً میرے ساتھ نبھا کیا ہے وہ محبت نہیں کرتے مجھ سے ان کے دل میں میرے لیے نفرت، بیزاری اور برداشت تھی بس اور میں چلی تھی حسنہ کو برا بھلا کہنے الزام دینے، میرا اپنا دامن غلطیوں سے بے حسی غیر ذمے دارانہ روش اور بدتمیزی سے بھرا ہوا ہے وہ تو انیس الحسن نے مجھے کچھ کہنا ہی چھوڑ دیا، روکنا ٹوکنا سمجھانا احساس دلانا ہی چھوڑ دیا تھا اور میں سمجھتی رہی کہ میں جو کر رہی ہوں وہ ٹھیک ہے میرا شوہر میری مٹھی میں ہے اسے مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہے جبھی وہ مجھے کچھ نہیں کہتا، آہ ہاں، کتنی غلط سوچ تھی میری، میرا شوہر مجھے صرف اپنی اولاد کی خاطر برداشت کرتا رہا تمام عمر اور میں نے ہمیشہ اپنی من مانی کی، من مرضی کی زندگی گزاری آج تک۔'' آسیہ بیگم کا ضمیر انہیں کچوکے لگا رہا تھا، ان کی عمر بھر کی غلطیوں خود غرضیوں اور لاپرواہیوں کا گوشوارہ ان کے سامنے رکھ کر انہیں بتا رہا تھا کہ وہ کتنے خسارے میں رہی ہیں، ان کے شوہر نے تو جنت کما لی، ان جیسی عورت کے ساتھ صبر و شکر سے زندگی گزار کر اور وہ خود اپنے شوہر کو کبھی بھی خوشی نہ دے سکیں اور دوزخ کی راہ ہموار کرتی چلی گئیں اپنے لئے اپنے آپ ہی، آسیہ بیگم پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں اب۔

☆☆☆

حسنہ کے سامنے تھے تمام حقائق اور وہ اللہ کا شکر ادا کر رہی تھیں کہ انہیں وقت گزرنے سے پہلے سمجھ آ گئی تھی ورنہ آسیہ بیگم کی طرح وہ بھی عمر کے آخری حصے میں اشک ندامت بہا رہی ہوتیں، انہیں آسیہ بیگم سے کوئی گلہ نہیں تھا اب وہ تو انیس الحسن کے ظرف کو داد دے رہی تھیں، جنہوں نے تمام زندگی اپنی بیوی کی منفی روش سے سمجھوتہ کیے گزار دی تھی، حسنہ دل سے اپنی گزشتہ غلطیوں پر نادم تھیں اور آئندہ کے لئے کچھ غلط سوچنے اور کرنے سے خود کو باز رکھنے کا عہد کیا تھا، خود سے چاہے اس کے لئے انہیں اپنی نیند آرام اور جاب کی قربانی ہی کیوں نہ دینا پڑے۔

حسنہ نے دادی سے اور شمسہ بیگم (امی) سے بات کی تھی اور انہیں انیس الحسن کا پیغام بھی دیا تھا وہ تو خوشگوار حیرت میں مبتلا ہو گئیں، نغمہ کو پتا چلا تو وہ چاہ کر بھی خوش نہ ہو سکی اور حسنہ کو صاف کہہ دیا کہ وہ انیق الحسن سے شادی نہیں کرے گی لہٰذا انہیں اس کا رشتہ مانگنے کے لئے یہاں آنے سے منع کر دیا۔

''کیا ہوا؟'' شفیق الحسن نے حسنہ کو سنجیدہ اور خاموش دیکھ کر پوچھا تو وہ بولیں۔

''نغمہ نے انیق سے شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے وجہ وہی ہے، جسے سن کر وہ یہاں سے چلی گئی تھی۔''

''تو تم اسے سمجھاؤ نا پلیز! انیق محبت کرتا ہے نغمہ سے اور وہ تو اسے علیحدہ رکھے گا انشاء اللہ اس کا اپنا شاندار بنگلہ تیار ہو چکا ہے۔'' شفیق الحسن نے سنجیدگی سے کہا۔

''آپ نہیں سمجھیں گے جب ایک کے کردار پر کیچڑ اچھالی جاتی ہے، اس پر تہمت لگائی جاتی ہے نا تو اس کی روح زخمی ہو جاتی ہے ایسا کرنے والوں کو وہ معاف تو کر سکتی ہے لیکن ان کی اس حرکت کو کبھی فراموش نہیں کر سکتی اس کے ساتھ کوئی رشتہ جوڑ کر رہنا تو بہت دور کی بات ہے اور رہی بات شاندار بنگلہ تیار ہونے کی تو جو رشتے اس کے لئے آئے ہوئے ہیں ناں وہ بھی شاندار بنگلے اور گاڑیوں کے مالک ہیں لیکن یہ چیز میٹر نہیں کرتی شفیق صاحب! اگر کچھ میٹر کرتا ہے تو وہ ہے نغمہ کے لئے اس کی ذات کا اعتبار اور وقار، عزت اور احترام جو آپ کی امی نے پامال کر دیا ہے وہ کیسے راضی ہو، کیسے مانے اس رشتے کے لئے، انیق خود اسے راضی کر سکے تو کر لے میں نے دادی سے بھی کہا ہے کہ نغمہ کو منالیں کیونکہ انیق میرا بھی بھائی ہے اور اس کی خوشی پوری کر کے مجھے بھی دلی خوشی ہو گی۔'' حسنہ نے سنجیدگی سے جواب دیا، آسیہ بیگم جو اپنے کمرے سے ٹی وی لاؤنج کی طرف آ رہی تھیں شفیق الحسن اور حسنہ کی باتیں سن کر شرمندگی سے واپس پلٹ گئیں۔

☆☆☆

''نغمہ بیٹی! محبت قسمت سے ملا کرتی ہے اسے ٹھکرانا کفران نعمت ہے اور تجھے بھی تو پیار ہے اسے سے پھر کیوں منع کر رہی ہے؟'' دادی نے نغمہ کو اپنے پاس بلا کر سمجھاتے ہوئے استفسار کیا۔

''بجیا کی ساس کے الفاظ انگاروں کی طرح میری سماعتوں میں جلتے رہتے ہیں ایسی فضول سوچ رکھنے والی عورت کی بہو کیوں بنوں جو پہلے ہی مجھے غلط سمجھتی ہے؟'' نغمہ سنجیدگی سے بولیں۔

''بتایا تو ہے حسنہ نے کہ وہ شرمسار ہے، پچھتا رہی ہے اپنے کہے اور کیے پر اس کے شوہر نے اسے اچھی طرح سے سمجھا بتا دیا ہے کہ وہ ایک مغرور اور ناکام عورت ہے اسے تو اپنے کہے کی سزا اس طرح سے مل چکی ہے نا اب وہ باقی کی زندگی اپنی غلطیوں کی تلافی کرتے اور بدتمیزیوں کا ازالہ کرنے میں گزارے گی اس کا غرور بھرم تو خود اس کے اپنے اعمالوں نے توڑ دیا ہے ایسی عورت سے کیا ناراضگی رکھنا، کیسا ملال پالنا دل میں، مجھے یقین ہے کہ وہ تجھ سے بھی بہت شرمندہ ہو گی معافی بھی مانگ لے گی ایک دن اور تو تو میرے بڑے دل والی بچی ہے نا، وہ معافی مانگے تو اسے معاف کر دینا اور اس کی وجہ سے اپنے دل کو مت مارنا، انیق الحسن کا پیار نہ ٹھکرانا کیونکہ اس کا پیار اور ساتھ تیری خوشی بھی تو ہے نا۔'' دادی نے اسے محبت و شفقت سے دیکھتے ہوئے نرم لہجے میں کہا وہ بے بسی سے انہیں دیکھتے ہوئے ان کی گود میں اپنا سر رکھ کر لیٹ گئی۔

انیق الحسن تک نغمہ کا انکار پہنچ چکا تھا، وہ بہت زیادہ بے چین و آزردہ ہو رہے تھے انہوں نے کئی بار نغمہ کو کال کی مگر ان کی کال اٹینڈ نہیں ہوئی تھی، بے بسی بے قراری اور دکھ سے آنسو خود بخود ان کی آنکھوں سے بہہ نکلے تھے۔

☆☆☆

''انیق! چائے۔'' حسنہ نے چائے کا کپ ان کے سامنے میز پر رکھتے ہوئے ان کے

چہرے کو دیکھا تھا، ان کے آنسو حسنہ سے پوشیدہ نہیں رہ سکے تھے، انہیں بہت افسوس ہو رہا تھا کہ ان کی حالت دیکھ کر اور یقین بھی ہو گیا تھا وہ نغمہ سے سچی محبت کرتے ہیں۔

’’بھابھی! میں آتا ہوں ابھی۔‘‘ انیق الحسن ان سے نظریں چرا کر کہتے ہوئے اپنا موبائل صوفے پر ہی چھوڑ کر اپنے کمرے میں چلے گئے، وہ حسنہ سے اپنے آنسو چھپانا چاہتے تھے یہ تو وہ اچھی طرح سمجھ گئی تھیں، انہوں نے بلا ارادہ انیق الحسن کو موبائل اٹھا کر کال لسٹ چیک کی تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئیں کہ انہوں نے چند منٹ پہلے تک نغمہ کو گیارہ بار کال کی تھی جو ریسیو نہیں ہوئی تھی۔

’’اسی لئے انیق اتنا دلبرداشتہ ہو رہا ہے نغمہ اس کی کال بھی اٹینڈ نہیں کر رہی وہ بے چارہ اس کی محبت میں ہلکان ہو رہا ہے اور وہ محترمہ اس قدر بے نیازی کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔‘‘ حسنہ نے موبائل واپس صوفے پر رکھ دیا اور سوچتی ہوئی لان میں بچوں کے پاس چلی گئیں۔

نغمہ نہانے کے بعد واپس آئی اور اپنا موبائل فون چیک کیا تو انیق الحسن کی گیارہ مسڈ کالز اور چار میسجز دیکھ کر حیرت اور بے کلی میں گھر گئی دل بہت زور زور سے دھڑکنے لگا تھا، ہاتھ کانپ رہے تھے، چہرہ تپ کر لال ہو گیا تھا، دل کی دھڑکنیں قابو میں نہیں تھیں، کچھ دیر اسے خود کو سنبھالنے میں لگ گئی پھر اس نے انیق الحسن کا نمبر ڈائل کر لیا۔

آسیہ بیگم ابھی صوفے پر آ کر بیٹھی تھیں، انیق الحسن کا موبائل بجا تو انہوں نے چونک کر دائیں جانب صوفے پر رکھے موبائل کو دیکھا جس کی اسکرین پر نغمہ جی کا نام جگمگا رہا تھا۔

کتنے احترام بھرے الفاظ میں انیق الحسن نے نغمہ کا نام نغمہ جی لکھ کر سیو کیا تھا، آسیہ بیگم کو اپنے بیٹے کی دلی کیفیت کا اندازہ اس سے بخوبی ہو گیا تھا اور انہوں نے کچھ سوچ کر کال اٹینڈ کر لی۔

’’ابھی وہ کچھ بولی ہی نہیں تھیں کہ نغمہ کی آواز ان کی سماعتوں میں آئی۔۔‘‘

’’السلام علیکم انیق صاحب میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ میرے لئے اپنا وقت ضائع مت کریں تو پلیز مت بھیجئے گا اپنے پیرنٹس کو میرے گھر رشتے کی بات کرنے کے لئے میں نے آپ کی والدہ کا کہنا سنا معاف کر دیا ہے سو آپ بھی مجھے معاف کر دیں اور میرا خیال اپنے دل سے نکال دیں، میں یہ بات بھول ہی نہیں پا رہی کہ آپ کی امی نے مجھے حرافہ، بدچلن، آوارہ، چلتر باز لڑکی کہا تھا، میں حیران ہوں کے ایک ماں کی بیٹی کے بارے ایسا کیسے کہہ سکتی، ایک بیٹی پر تہمت لگانے کا اس کے کردار پر کیچڑ اچھالنے کا سنگین جرم اور گھناؤنا گناہ کیسے کر سکتی ہے؟ شاید آپ کی امی کی کوئی بیٹی نہیں ہے نا، اس لئے انہیں کسی دوسرے کی بیٹی کا درد کیوں ہو گا بھلا، دوسرے کی بیٹی کی عزت تو ان کی نظر میں گلی میں پڑے کچرے جیسی ہے نا جس پر جب چاہا جھاڑو پھیر دیا۔‘‘

’’گناہ کا کفارہ اور غلطی کی تلافی بھی تو ہوتی ہے نا نغمہ بیٹی۔‘‘ آسیہ بیگم اس کے خاموش ہونے پر پرنم لہجے میں بولیں وہ بری طرح شپٹا گئی، وہ تو انیق الحسن کو یہ باتیں سنا رہی تھی مگر دوسری جانب آسیہ بیگم تھیں وہ نروس سی ہو گئی تھی ان کی آواز سن کر۔

’’آپ کون؟‘‘

’’انیق الحسن کی کم عقل اور گناہ گار ماں بول رہی ہوں انیق اپنے کمرے میں ہے اس کا

موبائل یہاں لاؤنج میں رکھا بج رہا تھا تو میں نے تمہارا نام دیکھ کر کال ریسیو کر لی۔" آسیہ بیگم نے جھجکتے لہجے میں جواب دیا۔

"نغمہ بیٹی! تمہارا بڑا پن ہے کہ تم نے مجھے معاف کر دیا ہے لیکن میرا گناہ اتنا بڑا ہے کہ میں تم سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگوں تو شاید میرے پچھتاوے میں کمی آ جائے۔" آسیہ بیگم باقاعدہ رو رہی تھیں، نغمہ پہلے ہی نرم دل کی مالک تھی، ان کے رونے پر فوراً ہی پگھل گئی۔

"آنٹی! مائیں بچوں کے سامنے ہاتھ جوڑتی اچھی نہیں لگتیں مائیں تو صرف دعا کے لئے ہاتھ پھیلاتی اچھی لگتی ہیں، اگر آپ کو اپنی باتوں کی سنگینی کا احساس ہو گیا ہے پچھتاوا ہے ندامت ہے تو میں نے بھی آپ کو دل سے معاف کر دیا ہے آپ روئیں نہیں۔" نغمہ سنجیدگی سے بولی۔

"صبح کا بھولا اگر شام کو گھر لوٹ آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے آنٹی۔"

"میں نے تو سچ مچ شام ہی کر دی ہے نہ شوہر کو خوش کر سکی نہ ہی اپنی اولاد کو خوشی کا خیال کیا، آج میری وجہ سے میرا بیٹا بہت دکھی ہے انیق بہت حساس ہے، بہت چاہتا ہے تمہیں وہ بھی ناراض ہے مجھ سے لیکن اتنے دن اس نے یا شفیق نے مجھے بتایا تک نہیں کہ وہ ناراض ہیں اور تم سب کچھ سن چکی تھیں۔" آسیہ بیگم روتے ہوئے بولیں۔

"آنٹی آپ روئیں نہیں جو ہوا بھول جائیں آپ بھی میں نے معاف کر دیا ہے آپ کو مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں ہے۔" نغمہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"اگر تم نے مجھے دل سے معاف کر دیا ہے اور تمہیں کسی سے کوئی شکایت نہیں ہے تو ہمیں اپنے گھر آنے سے مت روکنا بیٹی میں اپنی غلطی کا ازالہ کرنا چاہتی ہوں اپنے انیق کو اس کی خوشی دینا چاہتی ہوں وہ ٹوٹ جائے گا اگر اسے اس کی محبت نہ ملی اور مجھے وہ کبھی معاف بھی نہیں کرے گا، میں اپنے بیٹے کی ناراضگی کے ساتھ کیسے جیوں گی؟ ہمیں آنے دو رشتے کی بات کرنے سے مت روکو نغمہ بیٹی۔" آسیہ بیگم نے ملتجی لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے آپ لوگ آ جائیں گے مگر فیصلہ کس کے حق میں ہو گا یہ میرے پیرنٹس ہی بتائیں گے، خدا حافظ۔" یہ کہہ کر نغمہ نے فون بند کر دیا، آسیہ بیگم نے دوپٹے سے اپنے آنسو صاف کیے اور مطمئن ہو کر موبائل واپس صوفے پر ہی رکھ دیا۔

حسنہ نے نغمہ کو فون کیا اور انیق الحسن کی حالت کا آنکھوں دیکھا حال بیان کیا تو وہ دنگ رہ گئی، اس کے کال نہ ریسیو کرنے پر اس کے انکار پر انیق الحسن جیسا قابل اور شاندار آدمی میچور اور ذہین سرجن رو دیا یہ سننے کے بعد سے نغمہ کی قلبی کیفیت بہت عجیب ہو رہی تھی، خوشی کے ساتھ ساتھ ایک بے کلی بھی تھی وہ شدید الجھن میں پڑ گئی تھی، دل انیق الحسن کے ساتھ کا تمنائی تھا، آسیہ بیگم نے بھی معافی مانگ لی تھی اس سے اور اس نے اجازت بھی دے دی تھی ان کو اپنے گھر رشتہ لے کر آنے کی پھر بھی دل پریشان سا تھا، وجہ وہ سمجھنے سے قاصر تھی، حسنہ کے رویے کی وجہ سے دونوں خاندانوں میں خاص کر ماؤں کے بیچ جو گرما گرمی ہوتی رہی تھی اس کو دیکھتے ہوئے شمسہ بیگم انیق کے رشتے سے انکار بھی کر سکتی تھیں، نغمہ نے اس بات کا اظہار دادی اور نغمہ دلوں سے کیا تھا اور دونوں نے اسے یقین دلایا تھا کہ وہ شمسہ بیگم کو افتخار ملک کو منا لیں گی، تب کہیں اس کے دل کی حالت سکون میں آئی تھی۔

☆☆☆

انیق الحسن نے اپنا سیل فون چیک کیا تھا نغمہ کو کال کرنے کے لئے نغمہ کی ریسیوڈ کال دیکھ کر چونک گئے۔

''نغمہ نے کال کی تھی اور کال ریسیو بھی کر گئی مگر نغمہ کی کال کس نے اٹینڈ کی ہو گی۔'' انہوں نے خود کلامی کی۔

''شاید صائم یا صارم نے اٹینڈ کی ہو میں اپنا موبائل لاؤنج میں بھول گیا تھا انہوں نے نغمہ کا نام دیکھ کر بات کر لی ہو گی۔'' انیق الحسن نے دل میں سوچا اور نغمہ کو ملائی، چوتھی بیل پر نغمہ نے کال اٹینڈ کر لی۔

''السلام علیکم!''

''وعلیکم السلام! کیسی ہیں آپ؟''

''میں الحمدللہ، ٹھیک ہوں آپ کیسے ہیں؟''

''شاید بہت برا ہوں آپ کی نظر میں اسی لئے آپ میری کال اٹینڈ نہیں کرتیں۔'' انیق الحسن نے افسردگی سے کہا۔

''ایسی بات نہیں ہے دراصل میں کچن میں مصروف تھی اور موبائل میرے کمرے میں رکھا ہوا تھا آپ کی مسڈ کالز دیکھی تھیں میں نے اور کال بھی کی تھی آپ کو، مگر کال آپ کی امی نے ریسیو کی تھی۔'' نغمہ نے سنجیدگی سے بتایا۔

''واٹ؟'' یہ سن کر انیق الحسن پریشان ہو گئے اس خدشے سے کہ کہیں انہوں نے پھر سے نغمہ کو نہ کچھ غلط سلط بول دیا ہو۔

''جی!''

''کیا کہا امی نے آپ سے؟''

''یہ تو آپ خود ہی پوچھیئے ان سے۔''

''پلیز نغمہ! اگر امی نے پھر سے آپ کو غلط کہا ہے تو ان کی طرف سے میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔''

''غلطی جس کی ہو، معافی بھی اسی کو مانگنی چاہیے اور آپ کی امی نے مجھ سے معافی مانگ لی ہے۔''

''کیا؟ امی نے آپ سے معافی مانگی ہے۔'' انیق الحسن کو تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ امی نغمہ سے بھی معافی بھی مانگ سکتی ہیں، کہنے والی نغمہ تھی سو یقین کرنا پڑا۔

''جی ہاں، آپ کی خاموشی، ناراضگی اور پریشانی نے انہیں احساس ندامت سے دوچار کر رکھا تھا اور میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ میں تو انہیں پہلے ہی معاف کر چکی تھی سو ان کے اطمینان کے لئے ان کو بھی کہہ دیا کہ معاف کیا۔'' نغمہ سنجیدگی سے بولی۔

''تھینک یو نغمہ! تھینک یو سو مچ۔'' وہ متشکر لہجے میں بولے۔

''ویلکم، لیکن آپ آنٹی سے اس بات کا ذکر مت کیجئے گا کہ میں نے آپ کو ان کی معافی مانگنے والی بات بتائی ہے وہ مزید شرمندہ ہوں گی اور ماں کو شرمندہ نہیں کیا جاتا اس سے معافی نہیں منگوائی جاتی۔'' نغمہ نے دھیمے پن سے کہا تو انہوں نے اپنے دل میں اس کی محبت بڑھتی ہوئی محسوس کی تھی۔

''نغمہ! یو آر ریئلی گریٹ اینڈ آئی ریئلی لو یو، لو یو سو مچ۔'' انیق الحسن نے دل سے اپنے جذبات کا اظہار کیا تو وہ بلش ہو گئی۔

''اللہ حافظ۔'' جواباً نغمہ نے کہا اور کال ڈسکنیکٹ کر دی، انیق الحسن نے مطمئن و مسرور ہو کر طویل سانس لبوں سے خارج کیا تھا۔

☆☆☆

''سب لوگ تیاری کر لیں ہم کل بہاول پور جا رہے ہیں انیق کے لئے نغمہ کا رشتہ مانگنے کے لئے۔'' صبح ناشتے کی میز پر آسیہ بیگم نے یہ اعلان

کر کے سب کو خوشگوار حیرت میں ڈال دیا۔

''کیا واقعی بیگم صاحبہ! آپ بقائمی ہوش و حواس میں یہ بات کہہ رہی ہیں۔'' انیس الحسن نے انہیں حیرت سے دیکھتے ہوئے تصدیق طلب لہجے میں استفسار کیا۔

''جی ہاں میں اپنے بیٹے کی خوشی اسے دلا کر رہوں گی نغمہ اور انیق کی شادی میں دیر نہیں کروں گی میں۔'' آسیہ بیگم نے سنجیدگی سے جواب دیا تو سب خوشی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

''نغمہ خالہ اور چاچو کی شادی ہوگی یاہو۔'' صائم نے خوشی اور جوش میں نعرہ لگایا۔

''پھر تو بہت مزے آئے گا، ہے نا مما ہے نا پاپا۔'' صارم نے خوش ہو کر کہا۔

''جی ہاں پاپا کی جان انشاء اللہ بہت مزے آئے گا۔'' شفیق الحسن نے مسکراتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر جواب دیا، انیق الحسن تو اپنی خوشی بیان ہی نہیں کر پا رہے تھے۔

شمسہ بیگم اور افتخار ملک نغمہ کے رشتوں کے معاملے میں کچھ الجھن کا شکار تھے خالہ کے بیٹے کہاں کرتے تو چچا والے ناراض ہوتے اور اگر چچازاد بھائی کو انکار کرتے تو وہ خفا ہوتے امریکہ اتنی دور وہ ہمیشہ کے لئے نغمہ کو بیاہ کر نہیں بھیجنا چاہتے تھے، ایسے میں انیق الحسن کے رشتے کی خبر نے اور حسنہ اور دادی نے انہیں اس رشتے کے لئے قائل کرلیا اس طرح وہ خاندان رشتے داروں کی ناراضگی کا بھی کم شکار ہوتے اور انیق الحسن بھی کسی طور کم نہیں تھے، تعلیمی اعتبار سے اخلاقی لحاظ سے بہت اعلیٰ اوصاف کے مالک تھے اور ہینڈسم، ڈیشنگ پرسنالٹی کے بھی مالک تھے لہٰذا انکار کی گنجائش تھی ہی نہیں جب انیق الحسن کی نغمہ کے لئے پسندیدگی اور ان کے والدین کی اس رشتے کے لئے آمادگی بھی شامل تھی تو انہیں اس رشتے کے لئے ہاں کرنا ہی بہتر لگا اور باقی دونوں رشتوں سے معذرت کرنے کا سوچ لیا تھا۔

پھر انیس الحسن آسیہ بیگم، حسنہ، شفیق الحسن بچے اور انیق الحسن باقاعدہ رشتہ لے کر نغمہ کے گھر پہنچ گئے، ساتھ مٹھائی اور پھلوں کے ٹوکرے بھی لائے تھے، آسیہ بیگم اور انیس الحسن نے خوشگوار ماحول میں انیق الحسن کے لئے نغمہ کا رشتہ مانگ لیا چونکہ ٹیلی فون پر پہلے بھی اس سلسلے میں بات ہو چکی تھی لہٰذا مزید وقت مانگنے کی ضرورت ہی نہ تھی رشتہ منظور کرلیا گیا، آسیہ بیگم تو جیسے ہتھیلی پر سرسوں جمانے پر آمادہ تھیں، انگوٹھی ساتھ لائی تھیں نیک اور سفید ہلکے کامدار لباس میں اجلی نکھری، شرمیلی سی مسکان سجائے نغمہ کو انہوں نے انگوٹھی پہنا کر گویا منگنی کی رسم بھی ادا کر دی تھی اور دس ہزار روپے نقد اس کے ہاتھ پر رکھے تھے، نغمہ کا دل شکرانے کے سجدے ادا کر رہا تھا، انیق الحسن کی خوشی تو سب سے سوا تھی، سامنے بیٹھی نغمہ کا الوہی حسن دلکشی ان کی آنکھوں میں بہت عقیدت سے جذب ہو رہا تھا، وہ گرے کلر کے پینٹ کوٹ اور سفید شرٹ پہنے، خوبصورت ہیر کٹ میں مردانہ پرفیوم کی خوشبو میں مہکتے بہت دلنشین بہت وجیہہ و شکیل دکھائی دے رہے تھے، حسنہ اور صائم نے ان کی اور پوری فیملی کی بے شمار تصاویر بنائیں تھیں اپنے موبائل موبز میں آسیہ بیگم نے شادی کی تاریخ لینے کی بات کی تو نغمہ شرما کر وہاں سے اٹھ کر چلی گئی، انیق الحسن بے کل ہو کر حسنہ کی طرف دیکھا تھا، وہ سمجھ گئی تھیں کے دیور جی کو اپنی منگیتر سے ملنے کی خواہش چین نہیں لینے دے رہی، انہوں نے ان کی حالت پر ترس کھاتے ہوئے ملاقات کا موقع مہیا کر دیا، نغمہ بچوں کے ساتھ لان میں تھی جب انیق الحسن بھی وہاں چلے آئے اور نغمہ کے قریب آ کر بولے۔

''منگنی مبارک ہو۔''

''خیر مبارک۔'' وہ شپٹا کر پلٹی تھی اور انہیں سامنے دیکھ کر مدھم آواز میں بولی۔

''آپ خوش ہیں ناں؟''

''کس سے؟''

''ہماری منگنی سے۔''

''سب خوش ہیں اس لئے میں بھی خوش ہوں۔'' نغمہ نے جواب دیا۔

''یہ کیا بات ہوئی، میں نے تو آپ سے آپ کی خوشی پوچھی ہے۔'' انیق الحسن اس کے دلکش چہرے کو چاہ سے دیکھتے ہوئے بولے۔

''میرے پیرنٹس کی خوشی میں ہی میری خوشی ہے وہ خوش تو میں خوش۔'' نغمہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''یعنی اگر آپ کے پیرنٹس میرے بجائے ان دو پرپوزلز میں سے کسی کو قبول کر لیتے تو آپ بھی مان جاتیں اس سے شادی کے لئے؟'' انیق الحسن نے بے کل ہو کر پوچھا۔

''جی بالکل۔'' نغمہ ان کے چہرے پر اترتی افسردگی دیکھ کر انہیں ستانے کی غرض سے بولی چمن کی طرف رخ، پھیر کر اپنی مسکراہٹ چھپائی تھی اس نے۔

''میری زندگی ہے نغمہ، اور نغمہ کو ہی اس بات کا احساس نہ ہو ایسا کیسے ممکن ہے؟'' انیق الحسن ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولے تو اس نے ان کی کہی ہوئی پرانی بات دہرائی۔

''یہ دنیا ہے یہاں ہر بات ممکن ہے۔''

''دل نہیں مانتا۔''

''دل کا کیا ہے، دل تو پاگل ہے اور یہ بات ایک ہارٹ سرجن سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے؟'' نغمہ سنجیدگی سے بولی۔

''جی اسی لئے تو کہہ رہا ہوں کہ دل نہیں مانتا کے آپ کے دل میں میرے لئے نرم گوشہ کوئی خوبصورت جذبہ یا احساس نہیں ہے قسم کھا کر کہیں کے آپ مجھ سے پیار نہیں کرتیں۔'' انیق الحسن نے اسے دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''میں جھوٹی قسم نہیں کھاتی۔'' نغمہ نے شرمیلی مسکراہٹ لبوں پر سجائے کہا تو انیق الحسن کو جیسے زندگی کی نوید مل گئی۔

''او گاڈ! نغمہ آپ کی اس بات نے میرے اندر نئی روح پھونک دی ہے اسی لئے تو میں کہتا ہوں میری زندگی ہے نغمہ۔'' انیق الحسن نے اس کا ہاتھ تھام کر خوشی اور محبت سے چور لہجے میں کہا تو وہ شرمیلے پن سے مسکراتے ہوئے نگاہ جھکا گئی۔

''یاہو، چاچو، خالہ زندہ باد۔'' صائم اور صارم نے ان کی باتیں سن کر جوشیلے انداز میں نعرہ لگایا تو وہ دونوں ہنس پڑے اور پھر نغمہ شرما کر اندر بھاگ گئی، انیق الحسن نے بہت محبت سے اسے جاتے دیکھا جو بہت جلد اپنے جملہ حقوق کے ساتھ ان کے پاس ان کی ہو کر آنے والی تھی، ان کی آنکھوں میں خوشی اور تشکر کے آنسو جھلملا رہے تھے، انہوں نے آسمان کی جانب نگاہ بلند کی اور دل سے کہا۔

''تھینک یو اللہ تعالیٰ! مجھے میری زندگی دینے کے لئے۔''

''میری زندگی ہے نغمہ۔'' صارم اور صائم ایک ساتھ خوشدلی سے ہنس پڑے اور ان دونوں کو اپنی بانہوں کے حلقے میں لے لیا، زندگی کا نغمہ ان کے چہار سو گونج رہا تھا۔

☆☆☆

میں تم اور جائے

حیا بخاری

دور تک نظر آتی سبزہ زاروں سے ڈھکی پہاڑیاں، اونچے نیچے بل کھاتے سفید سرمئی راستے، شبنم سے بھرے پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو جیسے وادی میں سفر کرتی محسوس ہوتی، گاتے گنگناتے لوگ اور اِدھر اُدھر کھیتوں میں بکھرے صحت مند مال مویشی، سامنے دو پہاڑوں کے ملاپ سے نکلتا جھرنا اور اس کے گرنے کی آواز، اس نے ایسی موسیقی واقعی کبھی نہیں سنی تھی، جو روح وقلب کو شانت کیے جا رہی تھی، بادل جیسے ہاتھ بڑھا کر چھو لیا جائے، روئی کے گالوں سے، دل کو لبھاتے اِدھر اُدھر سفر کرتے، بار بار برسنے کو تیار ہو جاتے ''حسن مکمل ہے کشمیر'' اس نے دل ہی دل میں اعتراف کیا تھا، یہ ارتکاز یہ فسوں شاید کبھی نہ ٹوٹتا، اگر کوئی سخت سی شے اس کی ناک سے نہ ٹکرا جاتی۔

''اوئی۔'' کر کے وہ خیالوں سے حقیقی دنیا میں لوٹا تھا، وہ سفید کلر کی شٹل تھی، جو اس کی ناک کو سیٹ کر کے اسی تیزی سے واپس بھی چلی گئی تھی، گویا ناک سے نہیں ریکٹ سے ہی ٹکرائی تھی، اس نے ناک رگڑتے سوچتے ہوئے ذرا جھک کے نیچے دیکھنے کی کوشش کی تھی، شٹل چلغوزے کے درخت سے ذرا دور زمین پہ پڑی تھی اور تبھی اس کی نگاہ اس لڑکی پہ پڑی تھی جو بھاگتی ہوئی، وہاں آئی اور شٹل اٹھالی۔

کندھوں سے ذرا اوپر سنہری بال اس کہہ زدہ موسم میں بھی جھلملا سے رہے تھے، اس نے اس لڑکی کو کچھ کڑوا کسیلا سنانے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ شٹل اٹھا کے وہ سیدھی ہوئی اور اس کی طرف دیکھنے لگی، ابدال آفریدی کا منہ کھلے کا کھلا ہی رہ گیا۔

''ہائے۔'' لڑکی نے دایاں ہاتھ اٹھا کر دوستانہ انداز میں ہلایا۔

''We are sorry for that۔''

مسکرا کر کہتی وہ پلٹ چکی تھی اور ابدال آفریدی کا دل اسے کھلے منہ کے ساتھ وہیں چھوڑ اس لڑکی کا ہم قدم ہو چلا تھا، پیچھو را کہیں کا۔

☆☆☆

ویلوٹ کے ڈارک براؤن کوٹ کی جیب میں ہاتھ چھپائے، سر پہ کاؤ بوائے والا ہیٹ سجائے وہ پتھریلی پگڈنڈی پہ سہج سہج قدم دھرتی وہ نیچے ذرا ڈھلوان میں بنے پارک کی طرف جا رہی تھی، شبنم سی رم جھم کرتی بارش نے سردی میں اضافہ کر دیا تھا، لیکن اسے جیسے کوئی پرواہ نہیں تھی، اونچائی میں بنے ٹریک پہ جاگنگ کرتے ابدال کی نظر اس پہ پڑی، ہیئر کٹ اور بالوں کے بے انتہا سنہری کلر سے وہ اسے فوراً پہچان گیا تھا، اگلے پانچ منٹ میں پھسلن کی پرواہ کیے بغیر تیزی سے دوڑتا وہ اس کے ہمقدم ہوا تھا۔

''ہائے۔'' شناسائی سی لہجے میں بھرتے پکارا گیا۔

''ہائے۔'' اس نے چونکے بغیر ہی سادہ لہجے میں جواب دیا، اس کے اعتماد پہ وہ دل ہی دل میں عش عش کر اٹھا تھا۔

''میں ابدال آفریدی۔'' وہ مسکراتے ہوئے اپنا تعارف کروانے تھا۔

''اس دن آپ کی شٹل۔'' وہ مزید بتانے لگا کہ وہ ٹوک گئی۔

''جانتی ہوں۔'' وہ ذرا رکی، سائیڈ پہ تلے درخت سے ایک سیب اچکا اور کوٹ سے رگڑ کر صاف کرتے ہوئے کھانے لگی، قدم ایک مرتبہ پھر رواں تھے، ابدال جو چند قدم آگے چلا گیا تھا، وہیں رک کر اسے دیکھنے لگا۔

''تمہارا نام جان سکتا ہوں۔'' اس کے قریب آتے ہی وہ بھی دوبارہ چل دیا۔

''کیوں؟'' وہی پر اعتماد لہجہ۔

''کیونکہ میں تمہیں جاننا چاہتا ہوں۔'' وہ اچانک ہی مڑ کر اس کے سامنے آیا تھا۔

وہ ٹھٹک کے رکی، ابدال کی نظریں اس پہ جمی تھیں اور اس کی نظریں ابدال پہ۔

بلیک جینز کے ساتھ خاکی رنگ کی اونی سویٹر پہنے وہ اس وقت آرمی مین لگ رہا تھا، گہرا جائزہ لینے کے بعد ایک لمبی سانس اندر کھینچی گئی۔

''ہمیں جاننے کے لئے تو ساری عمر چاہیے۔'' وہ اسی اعتماد سے کہتے جیسے اس کے حوصلے مسمار کرنے چلی تھی، وہ ذرا دیر خاموش رہا۔

''میں ساری عمر دان کر سکتا ہوں۔'' مسکراتے ہوئے جواب آیا تھا۔

''دیکھتے ہیں۔'' وہ تیزی سے کہتی اس کے سائیڈ سے نکلتی چلی گئی، وہ وہیں کھڑا نہ جانے کیوں مسکراتا رہا...... چول کہیں کا۔

☆☆☆

گھر پہنچنے تک نہ جانے کتنے نئے حسین منظر اس کی آنکھوں کے پردے پہ فلیش مارتے رہے، لیکن...... لیکن گھر کے اندر قدم دھرتے ہی داخلی برآمدے میں آٹھ بڑی بڑی آنکھیں حسب توقع اسے گھورنے میں مصروف تھیں۔

''کیا ہے؟'' وہ کندھے اچکاتے ہوئے پوچھنے لگا۔

''یہ بھی تم ہم سے پوچھو گے؟'' بڑی امی تلملائیں۔

''ابا اور تایا کہاں ہیں؟'' دل ہی دل میں ان کی غیر موجودگی کا شکر ادا کرتے ہوئے بظاہر بڑی فکر مندی سے پوچھا گیا۔

''تم ان کو مارو گولی۔'' امی کی زبان لڑکھڑائی، بڑی امی (تائی امی) کی آنکھیں ان کو دیکھتے ہوئے مزید بڑی ہوئیں۔

''مم...... میرا مطلب ہے ان کو چھوڑو۔'' فوراً تصحیح کی گئی۔

''تم کہاں تھے؟ یہ موسم ہے باہر جانے کا؟ چھاتا لے لیتے، بارش نظر نہیں آئی تھیں کیا؟ دماغ خراب ہے یا عقل گھاس چرنے گئی ہے؟'' بڑی امی مزید بھی بولتیں اگر ہانپنے نہ لگ گئیں ہوتیں، سب ان کو تھامے اندر لاؤنج میں لے آئے، خود ابدال بھی اب ان سے چپٹا کھڑا تھا، سب غصہ ہو رہے تھے۔

''یہیں قریب ہی تو گیا تھا جاگنگ کرنے۔'' وہ بے چارہ شرمندہ سا ہونے لگا تھا، سب اس کی وجہ سے پریشان تھے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ وہ اسے بھی بہت پریشان کرتے تھے۔

کمال آفریدی، کامران اور جمال خان آفریدی، تین بھائی تھے، لیکن بدقسمتی سے سوائے کمال آفریدی کے دونوں بھائی اولاد جیسی نعمت سے محروم رہے تھے، تینوں بھائیوں اور ان کی بیویوں میں اتفاق مثالی تھا، وہ اگر سگے بھائی تھے تو وہ تینوں جیسے سگی بہنیں تھیں، یہی وجہ تھی کہ ابدال صرف کمال آفریدی نہیں بلکہ ان کی پوری فیملی کا بیٹا تھا اور چونکہ وہ اکلوتا سپوت تھا، اسی لئے ان سب کا رویہ اس کو لے کر وہ حساس ترین ہو جاتا تھا۔

ان سب کی زندگی کا محور تھا وہ
جس کے گرد ان کی سانسیں طواف کرتی رہتی تھیں
بیمار وہ ہوتا، طبیعت سب کی خراب ہو جاتی
بڑی امی کا بی پی شوٹ کر جاتا
چھوٹی امی کا شوگر لیول بڑھ جاتا
اور امی...... ان کے تو حواس ہی کام

کرنا چھوڑ دیتے، کچھ ایسا ہی حال اس کے گھر کے سب مردوں کا تھا۔

حیات تھی تو ابدال متاع حیات

اوران سب کی اس قدر توجہ اور ہر وقت اس پر نظر کوئی دفعہ اسے بے حد پریشان بھی کر دیتا تھا۔

وہ دوست نہیں بنا پایا تھا، کیونکہ جس لڑکے سے وہ دوستی شروع کرتا گھر کے چھ بڑوں میں سے کسی ایک دو کو تو اعتراض ضرور ہوتا۔

کوئی نہ کوئی نقصان ڈھونڈ ہی لیتے وہ اس کمپنی کا۔

یہی وہ سب اس کے کپڑوں اور دوسری چیزوں کے معاملے میں تھا، سب اپنے پسندیدہ کلرز، اپنے پسند کے برینڈز کی شاپنگ کرتے اور ان سب کی پسندیدہ چیزوں کے بنڈلز میں اس کی پسند کی چیزیں کم ہی ہو جاتیں، منہ پھلائے، ناراضگی سے وہ ان کی پسند کے کپڑے پہنے انہیں ''گول گپلو'' لگتا اور وہ ماشاء اللہ، ماشاء اللہ کیے جاتے۔

حال ہی میں اس نے پی ایچ ڈی مکمل کی تھی اور تعلیم مکمل ہوتے ہی اسے، یونیورسٹی میں جاب بھی مل گئی تھی، کشمیر کے علاوہ اسے چند اور یونیورسٹیز سے بھی بہت اچھی آفرز تھیں، لیکن نہ جانے کشمیر کے نام میں ایسا کیا تھا، اس نے اسی کی ایکسپٹ کیا تھا اور ہمیشہ کی طرح سب گھر والے پریشان ہو گئے تھے۔

''اتنے اچھے بھلے معتدل علاقوں کو چھوڑ کر اب تمہیں کشمیر کے پہاڑوں میں کیا نظر آنے لگا۔'' بڑی امی کی تو سانس اکھڑنے لگی تھی، کشمیر کے پرخطر راستوں کو سوچ کر۔

''اور نہیں تو کیا؟'' چھوٹی امی نے بڑی سی عینک ناک کی بالکل چوٹی پہ جما دی، ان کی بڑی بڑی آنکھیں مزید بڑی ہو گئیں۔

''کچھ دن پہلے وہ خطرناک سی ویڈیو دیکھی تھی نہ تم نہ، ایسے ہی کسی پہاڑی راستے پہ اوپر سے دریا بہنے لگا تھا، دونوں طرف ٹریفک پھنس گئی۔'' ان کی بات سن کر بڑی امی صوفے پہ ڈھے سی گئیں، ابدال انہیں سنبھالتے فوراً ان پاس آیا۔

اور لاکھ بہانے بنائے گئے، منتیں کی گئیں، مگر اس بار ابدال آفریدی نے بالکل صاف جواب دیا تھا، اسے اگر جاب کرنی تھی تو صرف کشمیر میں اور سب کے پاس آخری آپشن بس یہی بچا تھا کہ وہ سب بھی اس کے ساتھ جائیں گے اور یہ بات سن کر اس نے خود کو بے اختیار کون سا تھا...... بے چارہ کہیں کا۔

☆☆☆

ان دونوں کی اگلی ملاقات بالکل اتفاقیہ تھی۔

تیز برستی بارش سے بچنے کے لئے دونوں نے سڑک کنارے بنے چھپر نما بڑے سے ہوٹل میں پناہ لی تھی، جہاں اس وقت اکا دکا لوگ ہی موجود تھے، ایسے میں ان دونوں کا ایک دوسرے کی نظر میں آ جانا اتنی بڑی بات نہیں تھی، ابدال اسے دیکھتے ہی تیزی سے اس کی طرف آیا تھا۔

''میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں؟'' اس نے بالکل ٹیبل کے پار اس کے سامنے رکھی کرسی کی طرف اشارہ کرکے پوچھا۔

''بالکل۔'' وہ مہمان نوازی سے مسکرا دی۔

''شکریہ۔'' کہہ کر وہ ہوٹل کے کاؤنٹر پہ کھڑے بچے کو اشارہ کرتے ہوئے بیٹھ گیا، بچہ تیزی سے اس کی طرف آیا تھا۔

''جی صاحب۔'' وہ اس سے مخاطب تھا۔

''فریش جوس لے آؤ، کوئی بھی چلے گا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے آرڈر دیا، بچہ سر ہلاتا مڑ

گیا۔

''ارے رکو۔'' ابدال پکارا، بچہ مڑ کر اسے دیکھنے لگا۔

''میڈم سے تو پوچھ لو۔''

''میرا آرڈر اسے پتہ ہے۔'' اس کے کہنے پہ بچہ آگے چل دیا۔

''اوہ مطلب تقریباً روز آتی ہیں۔'' ابدال نے اندازہ لگایا۔

''یونہی سمجھ لو۔'' وہ انگلیوں سے ٹیبل بجانے لگی، ابدال نے دیکھا اس کے شولڈر کٹ سنہری بال آج ہر امید سے آزاد تھے، ڈارک براؤن آنکھیں کمال کی حد تک روشن تھیں، جیسے اندھیرے میں جگنو ٹمٹماتے ہیں کچھ ایسا تاثر دیتی آنکھیں، سرخ و سفید رنگت اور تراشیدہ گلابی دہانہ، ابدال کی نظر اس کے ہاتھوں پہ پڑی، مرمریں ہاتھ میں ننھا سا بریسلیٹ جگمگا رہا تھا۔

''اپنا نام تو بتا دو۔'' وہ ہجی ہوا، وہ جو خاموشی سے باہر برستی بارش پہ نظریں جمائے بیٹھی تھی، چونکی۔

''ہم اجنبیوں سے بات نہیں کرتے، تم نام پوچھ رہے ہو؟'' ابدال کو لگا اس نے سوال ''سان'' سے کرلیا تھا، کم از کم اسے تو یہی لگا تھا۔

''یہ لیں صاحب جوس...... ایکدم تازہ۔'' اس کے سامنے جوس کا گلاس رکھتے ہوئے بچے نے کہا، وہ بری طرح چونکا۔

''گل مینہ باجی، یہ رہی آپ کی چائے۔'' اگلے ہی لمحے اس بچے کی آواز نے ابدال کے اندر تک سرور بھر دیا تھا، وہ نام جان گیا تھا، لیکن پھر جھٹکے سے سیدھا بھی ہوا تھا۔

''چائے......'' اسے یوں چونکا دینے والا لفظ یہی چائے ہی تھا، اس نے ٹیبل پہ دیکھا، ایک خالی کپ اور پورا تھرمس...... اس کی آنکھیں باہر ابلنے کو تھیں۔

''اتنی چائے۔'' لبے سے کلیجی کلر کے تھرمس کو دیکھ کر وہ افسردگی سے بول پایا تھا۔

دسمبر ہو
برستی بارش ہو
میں اور تم
اور چائے ہو، واہ واہ...... مینہ نے مادھوری کے سٹائل میں کہتے ہوئے شاخ خان بن کر خود کو داد بھی دے دی تھی۔

''تم چائے پیتی ہو؟ وہ بھی اتنی۔'' وہ ابھی تک شاکڈ تھا۔

''تم نہیں پیتے؟'' وہ اس سے بھی زیادہ شاکڈ تھی۔

''چائے......؟ نہیں......'' نفی میں سر ہلایا گیا تھا۔

''بدنصیب...... بے چارہ۔'' چائے کے شوقین بچے نے کمنٹ پاس کیا تھا، (میں بھی ہوتی وہاں تو یہی کہتی ہی ہی ہی)

اور مینہ نے بھی برا سا منہ بنالیا تھا...... بدھو کہیں کا۔

☆☆☆

قسمت تھی یا اتفاق، بالکل غیر محسوس طریقے سے وہ ایک دوسرے کے قریب آتے گئے تھے، ایک دوسرے کو جاننے سمجھنے کی کوشش کرنے لگے تھے، ابدال کی آنکھوں میں اپنے لئے رنگ اس نے محسوس کیے تھے، وہ اس قدر حسین تھے کہ وہ خود کو بھی ان میں رنگنے سے نہ بچا سکی تھی، کافی سوچنے سمجھنے کے بعد اس نے یہ بات اپنی بہن سے شیئر کر ہی لی تھی۔

''واٹ۔'' اسے تو ہزار والٹ کا جھٹکا لگا۔

''اس میں اتنا اچھلنے کی کیا بات ہے؟'' گل مینہ جی بھر کے حیران ہوئی۔

''اوہیلو۔'' گل پانژہ کو صدمے نے آگھیرا۔

''ہم جڑواں، اکٹھی پیدا ہوئیں، اکٹھی پڑھائی کی، ایک ساتھ ہی پلے بڑھے پھر تو نے اکیلے اکیلے کیسے اسے چن لیا۔''

''لے...... تو کیا آدھا تیرے لئے چنتی۔''

مینہ کا حیرت سے منہ کھل گیا۔

''مجھے بھی بتا دیا ہوتا، ایک ساتھ ہی تلاش کرتے نہ، مجھے بھی کوئی مل ہی جاتا۔'' غصے سے کہتے کہتے وہ آخر میں شرماتے ہوئے بولی۔

''مجھے بھی کوئی مل ہی جاتا۔'' مینہ نے اس کی نقل اتاری۔

''او بی بی! میں نے اسے نہیں ڈھونڈا، اس نے خود مجھے تلاش کیا، پرپوز کیا اور اب آخر میں جا کر میں نے بھی سوچا کہ بندہ بس ٹھیک ہی ہے۔'' وہ ہاتھ سر کے پیچھے لے جا کر تکیہ بناتے ہوئے لیٹ گئی۔

''بس ٹھیک ہے؟'' پانژہ کی تفتیشی نظریں۔

''مطلب اچھا خاصا معقول بندہ ہے۔'' اس نے فوراً تصحیح کی۔

''اچھا یہ بتا، کوئی بھائی وائی ہے اس کا؟''

پانژہ کو ابھی بھی اپنی پڑی تھی۔

''مسخ اے ورک سا (تیرا منہ بگڑ جائے)۔'' مینہ نے غصے سے اسے گھورا۔

''اکلوتا ہے بیچارا، تم نہ ہمیشہ اپنا ہی سوچنا۔'' ہاتھ کی پانچوں انگلیاں اس کے چہرے پہ پڑیں تھیں۔

''بابا مان جائیں گے؟'' پانژہ نے اسے پریشان کرنے کے لئے ایک اور ہتھیار ڈھونڈا۔

''ظاہر ہے، اتنے اچھے خاندان کو کیوں رد کریں گے، ہمارے قبیلے کے بھی ہیں۔'' وہاں راوی چین ہی چین لکھتا تھا۔

''کل سے میں بھی تمہارے ساتھ پارک جاؤں گی۔'' پانژہ نے سوچتے ہوئے کہا۔

''وہ کیوں؟'' مینہ جانتی تھی اسے سردی سے چڑ تھی، ایسے موسموں میں وہ باہر جانے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی، تبھی وہ جی بھر کے حیران ہوئی۔

''ہم نے آج تک ہر کام ایک ساتھ کیا ہے، شادی تجھے اکیلے تھوڑی کرنے دوں گی۔''

اس کے شریر انداز پہ مینہ نے اسے تکیہ دے مارا تھا، وہ کھلکھلا کے ہنس دی تھی۔

☆☆☆

دوپہر کے کھانے کے بعد وہ بڑی امی کو لے کر چہل قدمی کرنے نکلا تھا، بڑی امی پہلے تو گھبرا رہی تھیں کہ اتنی سردی میں باہر نکلنے سے طبیعت ہی نہ بگڑ جائے، لیکن ٹھنڈی اور تازہ ہوا نے واقعی ان کو سرور سا بخشا تھا، ان کو اپنی طبیعت میں ایکدم سے بشاشت سی محسوس ہونے لگی، وہ ان کا ہاتھ تھامے قدرے ڈھلوان میں بنے پارک میں لے آیا، تبھی اس کی نگاہ گل مینہ اور گل پانژہ پہ پڑی تھی، وہ پارک سے باہر جا رہی تھیں، ابدال امی کا ہاتھ تھامے تیزی سے ان کی طرف آیا تھا۔

''رکو...... سنو۔'' اس نے پکارا تو وہ دونوں رک کر اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

''امی یہ شولڈر کٹ بالوں والی مینہ ہے۔'' اس نے بڑی امی کے کان میں سرگوشی کی، وہ سر ہلاتے ہوئے بغور اسے دیکھنے لگیں۔

''نرم و نازک سی ہے، بلکہ کمزور سی ہے۔'' دل ہی دل میں خامی ڈھونڈی گئی۔

''السلام علیکم آنٹی۔'' گل مینہ اور پانژہ نے ایک ساتھ کہا۔

''وعلیکم السلام۔'' تنقیدی جائزہ جاری رہا۔

''یہ بہن ہے مینہ کی امی...... گل پانژہ۔'' وہ ان کی نگاہوں کے بدلتے رنگ سمجھتے ہوئے بولا،

وہ صرف سر ہلا گئیں۔

''کھایا پیا کرو لڑکی، تمہاری صحت تو کافی خراب ہے۔'' بالآخر لب وا ہو ہی گئے۔

''جی۔'' حیرت سے وہ ابدال کو دیکھنے لگیں۔

''وہ بڑی امی کا مطلب ہے تم کافی سمارٹ سی ہو نہ۔'' وہ کھسیاتے ہوئے بات بنا گیا۔

''لو۔'' بڑی امی نے اچنبھے سے اسے گھورا، ابدال کے دل نے دو دو بیٹ مس کرنا شروع کر دیں تھیں۔

''سمارٹ کب کہا میں نے، افریقی لاغر قحط زدہ بچوں کی طرح دکھ رہی ہیں بیچاریاں۔'' بیچاریاں کے منہ کچھ اور کھل گئے تھے۔

''اتنی گوری چٹی تو ہیں بڑی امی، افریقی تھوڑی لگتی ہیں۔'' وہ خواہ مخواہ ہی بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگا جبکہ دل کر رہا تھا سارے بال نوچ ہی لے اپنے ''امریکی ضرور لگتی ہیں'' کھسیانی ہنسی۔

''آپ بھی نہ بڑی امی۔'' بڑی امی پہ زور دے کر جیسے انہیں مزید کچھ بھی نہ بولنے کو وارن کیا گیا۔

''کھایا پیا کرو، گھر کے حالات ٹھیک نہیں تو ہمارے گھر آ جایا کرو، چند دنوں میں ابدال جیسی صحت نہ بن جائے تو کہنا۔'' بہت دل سے آفر دی گئی اور ان دونوں نے لمبے قد اور چوڑی جسامت والے ابدال کو پریشانی سے دیکھا تھا۔

''ان کی طرح۔'' وہ بھلا کب مرد بن سکتی تھیں، ہونق سا پوچھنے لگیں۔

''ہاں ناں۔'' بڑی امی نسخہ بتانے ہی لگیں تھیں شاید جب ابدال ایکسوز کرتا انہیں ہاتھ سے پکڑے دور لے گیا۔

''تو تو گئی کام سے۔'' مینہ کی روتی صورت دیکھ کے پاکیزہ ہنستی چلی گئی تھی اور گل مینہ، اسے تو ابدال پہ ترس آ رہا تھا۔

معصوم کہیں کا۔

☆☆☆

اور پھر صرف بڑی امی کو ہی نہیں، دوسری دونوں چھوٹی امیوں کو بھی مینہ میں سو سو نقص نظر آئے تھے، بقول امیوں کے۔

''وہ بے حد کمزور سی تھی۔''

(جبکہ اچھی بھلی نرم و نازک ہی تھی)

اس کے بال بھی آدھے تھے، شاید بہت سارے وٹامنز کی کمی کی ماری تھی۔

(جبکہ یہ ہیئر کٹ اسے بے حد پسند تھا اور اسے سوٹ بھی کرتا تھا)

اس کی آنکھیں بے حد بڑی تھیں (جبکہ خود ان سب کی Snap chat والی ایپ جیسی دکھتی تھیں۔

ہاتھ پاؤں بے حد گورے ہیں (ظاہر ہے سونے جیسی تو تھی وہ)

اور اس بار ابدال کی جان پہ بن آئی تھی، گل مینہ جو ہر وقت کشمیر کے برف زاروں میں کھلتی کلی کی طرح چہکتی مہکتی رہتی تھی، اب تو بالکل نظر ہی نہ آتی تھی، آتی بھی تو چادر میں لپٹی سمٹی، اداس وادیوں جیسی، وہ پکارتا تو جھٹ سے نہ جانے کون سے کونوں میں جا چھپتی اور وہ ڈھونڈ ڈھونڈ کے تھک جاتا...... پاگل کہیں کا۔

☆☆☆

''لیکن اس میں کمی کیا ہے؟'' تینوں بابا اس کے ساتھ تھے، مگر امیاں تھیں کہ مان کے نہیں دے رہی تھیں۔

''ہم کتنی کمیاں بتا چکے ہیں، تم ابھی بھی مطمئن نہیں ہوئے۔'' بڑی امی کو تاسف نے گھیرا۔

''یہ جو کمیاں آپ نے گنوائی ہیں نہ، یہ لوگوں کے نزدیک خوبیاں ہیں، حسن نزاکت اور سادگی۔'' وہ چڑ گیا۔

''ہائے۔'' چھوٹی امی نے سینہ کوبی کی۔

''بے شرموں کی طرح اس کی کیسے تو تعریفیں کر رہا ہے۔'' چھوٹی امی کو تپ چڑھی۔

''تعریف ہی کر رہا ہوں، لیکن آپ لوگوں نے مجبور کیا نہ دے تو بے شرمی کی انتہا کو بھی چھو سکتا ہوں۔'' وہ منہ بناتے ہوئے بولا۔

''بے شرمی کی انتہا۔'' بڑی امی سوچنے لگیں۔

''کورٹ میرج۔'' اس نے فوراً تشریح کی، تینوں امیوں کے لب ایک ساتھ کھلے تھے۔

''استغفراللہ۔''

''بے شرم کہیں کا۔'' چھوٹی امی کے منہ سے پھسل ہی گیا تھا۔

☆☆☆

بھیگتا نومبر آخری سفر پہ تھا، دن مختصر لیکن نہ جانے کیوں تھکا دینے والے نظر آنے لگے تھے، وہ اب کہاں ان بھیگتے پھسلتے راستوں پہ نظر آتی تھی، وہ بار بار چکر لگاتا، ہر بار ناکامی اس کا مقدر ہوتی، چائے والے بچے سے بھی پوچھا۔

''وہ تو اب ادھر آتی ہی نہیں، ورنہ میں تو تھرمس تیار رکھتا ہوں۔'' وہ خفگی اور اداسی سے کہتا اس کے دل میں مزید غم بھر گیا۔

پہروں وہ ٹیرس پہ سردی سے ٹھٹھرتے گزار دیتا، شاید کہیں کوئی ایک جھلک ہی دکھ جائے، لیکن اس نے تو گویا سامنے نہ آنے کی قسم کھالی تھی، حد تو یہ تھی کہ اس کے ساتھ گل پانژہ بھی غائب تھی، ورنہ وہ اس سے ہی پوچھ لیتا۔

ابھی بھی روئی کے گالوں جیسی بکھرتی برف میں کھڑا بھیگتا وہ انہی کے گھر کی جانب دیکھ رہا تھا، جب اس کی نظر اچانک ان کے گھر کے گیٹ کے ساتھ بنے سرونٹ کوارٹر کے برآمدے میں چائے پیتے امینہ کے چوکیدار ملک چاچا پہ پڑی تھی، ایک خیال بجلی کی سی تیزی سے اس کے دماغ میں آیا تھا، وہ تیزی سے اونی شال لیتا منٹوں میں سارا فاصلہ طے کرتا ان کے گیٹ پہ پہنچا تھا، بیل بجانے کے کچھ دیر بعد ہی اس نے کوارٹر کی بیرونی کھڑکی کھلتے اور ملک چاچا کو حیران نظروں سے خود کو دیکھتے پایا تھا۔

''اس موسم میں یہاں کیا کر رہے ہو بیٹا؟''

ان کے لہجے میں بھی حیرانی تھی۔

''وہ مجھے گل پانژہ سے کچھ کام تھا۔'' اس نے جان بوجھ کے مینہ کا نام نہ لیا، کہیں ملنے سے ہی مکر جاتی تو۔

''وہ لوگ تو دو ہفتوں کے لئے شہر گئے ہیں، سوموار کو لوٹیں گے۔'' انہوں نے جواب دے کے کھڑکی بند کر دی تھی، سردی بھی تو اتنی تھی، کچھ دیر ان کے دروازے کو دیکھتا سر جھکائے، وہ واپس پلٹ رہا تھا۔

(لاچار، بے چارہ) نمانڑا کہیں کا۔

☆☆☆

گل مینہ کی بدلتی زندگی نے گل پانژہ کو حیران کر دیا تھا، وہ بالوں کی حفاظت کرنے لگی تھی، چند دنوں میں بال لمبے اور گھنے کرنے کے کتنے ہی تیل، ادویات اور شیمپوؤں سے ان کی ڈریسنگ بھر چکی تھی، اسے ہمیشہ سے ہی بھوک بے حد کم لگتی تھی، بلکہ اکثر بابا کہتے تھے کہ مینہ چڑیا کی طرح بس کچھ دانے چگتی ہے، لیکن اب اسے بار بار فریج میں کھانے کی تلاش میں سرگرداں دیکھ کر اسے لگتا کہ بہت جلد وہ کوئی پہلوانی کے مقابلے میں حصہ لینے والی تھی، لیکن اتنی محنت سے اتنا ضرور تھا کہ واقعی اس کی صاف شفاف سکن

مزید glon کرنے لگی تھی، بال بھی اچھی دیکھ بھال سے مزید چمکدار ہو گئے تھے، اس کی نکھری سفید رنگت میں گلابیاں سی اترنے لگیں تھیں اور جھلاتے سنہری بال اس کے چہرے کو عجیب سا ہی سنہرا پن عطا کرتے، خود پائزہ دل ہی دل میں اپنی بہن کی نظر اتارتی رہتی۔

''تمہیں یقین ہے، اس کی وہ تین عدد امیاں تمہیں قبول کریں گی۔''

سونے سے پہلے وہ بالوں میں تیل لگا رہی تھی، جب پائزہ نے کتاب پڑھتے پڑھتے اچانک پوچھا۔

''امید تو ہے نہ...... امید اچھی رکھنی چاہیے بس۔'' اس نے سادہ لہجے میں جواب دیا۔

''لیکن مینہ۔'' وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

''کیا؟'' وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

''اگر انہوں نے تمہاری چائے کی عادت پہ بھی تحفظات کھڑے کر دیئے تو۔'' مینہ کے ہاتھوں سے تیل کی بوتل چھوٹتے چھوٹتے بچی۔

''نہ جانے کیسے ہوتے ہوں گے وہ لوگ جو چائے نہیں پیتے ہوں گے۔'' وہ دونوں بہنیں اکثر لمبی لمبی بحث کرتیں تھیں۔

''عجیب ہی ہوتے ہوں گے، یا شاید پاگل، یا پھر بالکل بدنصیب۔'' دونوں کا ایک ہی جواب ہوتا۔

''بندہ مریخ پہ رہ سکتا ہے، لیکن چائے ملے تو۔'' گل مینہ حلف اٹھاتی۔

''چائے پینے والے کی ایک دن کی زندگی چائے نہ پینے والوں کی سو دنوں کی زندگی سے بہتر ہے۔'' گل پائزہ بھی سر ہلاتے خود ساختہ اقوال سناتی۔

''جہاں چائے نہ ملے اس ہوٹل کے درو دیوار گرادو۔'' وہ فیض کی طرح اشعار بنانے لگی۔

''میرے گلے سے ساتوں سر بجتے ہیں۔''

''میں پیتی ہوں چائے جب جب۔'' گل پائزہ تو گنگنانے لگتی اور گل مینہ ایسے زور زور سے سر دھنتی جیسے واقعی کسی راک سٹار کے کنسرٹ میں بیٹھی ہو۔

''گل مینہ۔'' گل پائزہ نے اس کا شانہ زور سے ہلایا، وہ بری طرح چونکی۔

''میں نے کچھ پوچھا ہے تم سے۔'' پائزہ نے پوچھا۔

''چائے پہ کوئی کمپرومائز نہیں۔'' اٹل لہجے میں کہتی تیل کی بند شیشی دور اچھالتے ہوئے وہ خود کو بے فکر ظاہر کرتی رخ پھیر کے سونے کے لیئے لیٹ گئی، لیکن پائزہ جانتی تھی، وہ بے فکر نہیں تھی، بے حد فکر مند تھی۔

☆☆☆

''تم نے دیکھا ہے، ابدال کچھ کھویا کھویا نہیں رہنے لگا۔'' بڑی امی نے کچن کی کھڑکی کے بند شیشے کے پار لان میں جیکٹ کی پاکٹیں میں ہاتھ ڈالے ٹہلتے ابدال کو دیکھ کر کہا تھا۔

''کچھ کہاں، کافی کھویا کھویا سا رہتا ہے۔'' امی بھی فکر مند ہوتی نیچے دیکھنے لگیں، برف سے ڈھکے منظر میں وہ مزید اداس نظر آیا۔

''تم بلاؤ اسے، میں کافی برداشت کر چکی، کھل کر بات ہو اس سے۔'' انہوں نے چھوٹی امی کو ہدایت دی اور خود اس کے لئے دودھ گرم کرنے لگیں، امی البتہ ابھی بھی شیشے سے لگ کر کھڑی تھیں، تھوڑی دیر بعد ہی وہ سب ڈائننگ ٹیبل کے اردگرد رکھی کرسیاں سنبھالے ہوئے تھے، ابدال کی نظریں بھاپ اڑاتے دودھ پہ جمی تھیں۔

''ابدال۔'' بڑی امی کے پکارنے پہ اس

نے نظریں اٹھائیں، لب البتہ خاموش رہے۔

''تم ہم سب کو کتنا پریشان کر رہے ہو، کچھ اندازہ ہے تمہیں؟'' بڑی امی کی آواز میں دبا دبا غصہ تھا۔

''میں۔'' وہ حیران ہوا۔

''میں پریشان کر رہا ہوں۔'' لہجے میں تلخی سی گھل گئی۔

''ہمیشہ...... ہمیشہ میں نے آپ لوگوں کی خواہش کو مقدم رکھا، آپ لوگوں کی ہر بات مانی اور آج جب ایک خواہش پہ میں دل کے آگے بے بس ہوا ہوں، تو آپ میں سے کوئی ایک بھی نہیں جو میرا حال سمجھ سکے، میرا ساتھ دے سکے، تو ایسی حالت میں میرا صرف خاموش ہو جانا بھی آپ سب سے برداشت نہیں ہو پا رہا۔'' اس کا دل رو دینے کو کر رہا تھا، وہ سب تو اس دفعہ بالکل چپ ہو کر رہ گئیں تھیں۔

''گل مینہ بے حد اچھی لڑکی ہے اور میں حیران ہوں کہ آپ جیسی اچھی مائیں اتنی پیاری لڑکی میں کیونکر نقص تلاش کر سکتی ہے۔'' تینوں امیوں کا حلق کڑوا ہونے لگا تھا۔

''یہ ابھی سے اس کی اتنی سائیڈ لیتا ہے پھر تو مکمل اس کا غلام بن جائے گا۔'' بڑی امی نے آنکھوں ہی آنکھوں میں پوسٹ لگائی۔

''بالکل۔'' چھوٹی امی نے بھی نظروں سے ہی ہی لائیک مارا۔

''اس کی خوشی ہی تو ہماری خوشی ہے نہ، تو کیوں نہ اس کی بات مان لیں۔'' امی نے اس بار زبانی کمنٹ پاس کرنے کا حوصلہ دکھا دیا تھا، دونوں امیاں شاکڈ ہو گئیں تھیں اور ابدال کا حوصلہ بڑھا تھا۔

''بالکل امی، بس ایک بار میری بات بھی مان لیں، یقین کریں مینہ میں کوئی برائی نہیں بس ذرا چائے زیادہ پیتی ہے، وہ بھی کم کر دے گی۔''

اور اس بار تینوں امیاں چلا اٹھیں تھیں۔

''چائے۔'' اور ابدال کو لگا اس نے اپنے پیروں پہ کلہاڑی مار دی تھی، بلکہ کلہاڑی پہ چڑھ کھڑا تھا۔

پاگل کہیں کا۔

☆☆☆

اور کتنے دنوں بعد وہ اسے اسی چھپر ہوٹل میں ملی تھی، وہ دیوانوں کی طرح اس کی طرف لپکا تھا۔

''مینہ!'' وہ چونکی، ابدال کرسی کھینچ کر اس کے بالکل سامنے بیٹھ گیا۔

''کہاں تھیں تم؟'' اس کی گلابی رنگت سردی کی وجہ سے مزید گلابی ہو رہی تھی، وہ دم بخود اسے دیکھے گیا۔

''شہر میں کام تھا بابا کو۔'' اس نے سادہ لہجے میں بتایا۔

''مجھے بتا کر بھی جا سکتیں تھیں۔'' وہ خفا ہوا۔

''ابھی تمہیں میں نے کوئی حق نہیں دیا ابدال اور نہ تم نے مجھے، تو کیوں بتاتی۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

''میری امی تمہارے گھر آنا چاہتی ہیں، بلکہ تینوں امیاں۔'' اس نے دھماکہ کیا۔

''واقعی۔'' اسے یقین نہ آیا، وہ سر ہلا گیا وہ۔

''بس ایک چھوٹی سی شرط ہے۔'' وہ بولا۔

''کیا؟'' گل مینہ کی بھنویں اچکیں۔

''تم چائے چھوڑ دو۔'' اور گرم چائے کا کپ گل مینہ کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

''چائے تو کڑوی ہوتی ہے نہ، پینا چھوڑ دو۔'' ابدال مسکرایا۔

''کڑوی تو زندگی بھی ہوتی ہے۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی، ابدال نا سمجھی سے دیکھنے لگا۔

''تو کیا تم جینا چھوڑ دو گے۔'' شاہ رخ خان کے لہجے میں بڑے اعتماد سے جواب آیا تھا اور ابدال کا ری ایکشن بالکل ویسا تھا، جیسا ناظرین کا ہوتا ہے۔

وہ تو بڑے مان سے تینوں ماؤں کو کہہ آیا تھا کہ چائے کیا چیز ہے وہ اس کے لئے ضرور چائے چھوڑ دی گی، اب پریشان سا چائے کے ٹپکتے قطروں کو دیکھنے لگا تھا، اس کی تیز آنکھوں نے دیکھ لیا تھا کہ گل مینہ نے اتنے دنوں میں خود کو کافی بدل لیا تھا، اس کی صحت کافی اچھی ہوگئی تھی اور پہلی بار اس نے اس کے بال بندھے ہوئے دیکھے تھے، سلیقے سے سلجھے ہوئے پونی میں مقید، مطلب وہ اس کے لئے بدلنے کے لئے تیار تھی۔

''تو میں کیوں نہیں؟'' اس نے خود سے سوال کیا۔

''اتنا کچھ وہ بدل سکتی ہے، تو صرف ایک چیز میں کیوں نہیں۔'' مسکراہٹ گہری ہوتی گئی، چائے کے قطرے ٹپکنا بند ہو چکے تھے۔

اور اسے یوں اکیلے مسکراتے دیکھتے ہوئے اس چائے والے نے بے اختیار سوچا تھا۔

پگلا کہیں کا۔

☆☆☆

نہ جانے کیا ہوا تھا، لیکن جو بھی ہوا تھا بے حد اچانک اور غیر متوقع اس دفعہ تینوں امیوں کو مات ہوئی تھی کیونکہ تینوں ابو ابدال کی طرف تھے اور اسی لئے انہوں نے تینوں امیوں کو ابدال اور مینہ کے رشتے پہ منا کر ہی دم لیا تھا۔

اور بالکل سرپرائز کی طرح ہی پنک دوپٹہ سر پہ سجائے سب کے درمیان بیٹھی دسمبر کی آخری بھیگتی رات میں وہ ابدال کے نام کی انگوٹھی پہنے اس کے نام سے منسوب ہوگئی تھی۔

وہی چھپر ہوٹل تھا

وہی بھیگتا موسم، رم جھم برستی بارش......اور جگہ جگہ بکھری روئی کے گالوں سی نرم پھلتی برف۔

خیالوں میں گم صم اس نے کاکے کو آواز دی تھی اور کسی نے اس کے سامنے ڈھیرے سے ایک ٹرے لا کر رکھ دی تھی، اس نے یونہی نظر دوڑائی اور چونک گئیں، ٹیبل پہ ایک تھرمس جبکہ دو خالی کپ دھرے تھے۔

''اوئے کاکے یہ دو کپ کیوں؟ کس کا آرڈر مجھے دے رہا ہے بچے۔'' وہ چلائی۔

وقت عصر ہو اور دعا میں مانگوں تجھے
تو میری شام کی چائے سے ملتا جلتا ہے

بھاری آواز میں کہتا وہ اس کے سامنے آ بیٹھا تھا۔

''تت...... تت...... تم...... چائے پیو گے۔'' وہ ہکلائی۔

''ہاں...... کیونکہ میں مان گیا ہوں تمہاری نظر میں فضول ترین لوگ وہ بھی ہیں جو چائے نہیں پیتے۔'' وہ مسکرایا تھا، گرم چائے پیالیوں میں انڈیلتے ہوئے۔

''اور مجھے یہ ہرگز منظور نہیں۔'' اس کی بات مکمل ہونے پہ گل مینہ کا قہقہہ بے ساختہ تھا، ابدال کی ہنسی نے بھی اس کا ساتھ دیا تھا، اندر آتی گل پانزہ نے مسکراتے وہ حسین پل اپنے موبائل کیمرہ سے قید کیا تھا۔

زندگی میں چائے شامل ہو جائے نہ تبھی زندگی مکمل ہوتی ہے پگلو، نہیں تو آزما کر دیکھ لو، یہ حیاء بھی کہتی ہے......ہی......ہی......ہی۔

☆☆☆

مے رقص

بشریٰ سیال

خط ہاتھ میں پکڑے ساکت و صامت وہ کھڑے تھے، انہوں نے دوبارہ اسے پڑھا، سہ بارہ پڑھا مگر عبارت وہی تھی جو پہلی مرتبہ پڑھنے پر تھی، کچھ بھی تو نہ بدلا تھا، ہاں ہر مرتبہ پڑھنے کے بعد دل کی حالت پہلے سے زیادہ خراب ہونے لگتی تھی، وہ گرنے کے انداز میں کرسی پر ڈھے گئے تھے، خط ان کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا تھا، دل کے اندر حشر بپا ہو گیا تھا، ایک طوفان تھا جو ان کے اندر سر اٹھا رہا تھا، وہ وقت جس سے انیس سال پہلے وہ گزر کر آئے تھے، وہ اذیت جو آج بھی ان کی رگوں میں خون کی طرح دوڑ رہی تھی، وہ زخم جو ناسور بن چکا تھا اس کی حقیقت آج کھلی تھی۔

"مظفر اتنی دیر سے آئے ہیں، ٹائم دیکھیں کیا ہو رہا ہے۔" دردناک ماضی کی کتاب کے ورق جا بجا کھلنے لگے تھے، ان کے دل میں ٹیسیں

پانچویں قسط

ناولٹ

اٹھنے لگی تھیں، آج انہوں نے سوچوں کو ذہن سے نہیں جھٹکا تھا، انہوں نے ماضی کی کھڑکیاں اور دروازے کھلنے دیئے تھے، جنہیں ہمیشہ ہاتھ بڑھا کر بند کر دیا کرتے تھے، یادیں کسی تیز بوچھاڑ کی طرح ان کے در دل پر دستک دینے لگی تھیں۔

"میرے آنے جانے کے ٹائم پر غور کرنا چھوڑ دو۔" غضنفر علی نے پاؤں کو جوتے کی قید سے آزاد کرواتے ہوئے کہا تو گل افزاء دل مسوس کر رہ گئی، مگر ہمت نہ ہاری اور آگے بڑھ کر صوفے سے ان کا کوٹ اٹھا لیا۔

"میں نے کھانا نہیں کھایا، آپ کا انتظار کر رہی تھی۔" اس نے دل کو مضبوط کر کے کہا، جانتی تھی غضنفر اس کے جواب میں بھی کوئی سخت بات ہی کہیں گے، جو کہ برداشت کرنا مشکل ہوا جا رہا تھا۔

"مت کیا کرو میرا انتظار۔" وہ سنگدلی سے

کہہ کر جوتے اٹھا کر چل دیا، وہ بس ان کو دیکھتے ہوئے اس کے الفاظ پر غور کرتی رہی۔

''میں نے آپ کے کپڑے واش روم میں لٹکا دیے ہیں۔'' وہ وارڈ روب کھولے کھڑا تھا، جب گل افزاء ایک مرتبہ پھر ہمت کر کے اس کے قریب آئی اور محبت سے گویا ہوئی، انداز ایسا تھا جیسے کچھ غلط یا تلخ کلامی ان کے درمیان کبھی ہوئی ہی نہ ہو۔

''تمہیں کئی بار کہہ چکا ہوں میری چیزوں کو ہاتھ مت لگایا کرو، اثر کیوں نہیں ہوتا تم پر۔'' وہ ایک سوٹ نکال کر واپس مڑا تھا۔

''کیا چاہتی ہو تمہیں اس کمرے سے بھی نکال دوں؟'' وہ غضبناک ہوا، گل افزاء کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے، وہ بے یقینی سے اسے دیکھے گئی۔

''دل سے تو نکال ہی چکے ہیں، کمرے سے نکالنا کوئی زیادہ بڑی بات تو نہیں۔'' وہ واپس مڑی اور بیڈ پر جا بیٹھی خشمگیں نگاہوں سے اسے گھورتا ہوا وہ واش روم میں گھس گیا۔

فریش ہو کر نکلا اور ڈریسنگ کے سامنے کھڑا ہو کر بال بنانے لگا، کمرے میں ابھرنے والی گل افزاء کی دبی دبی سسکیاں اسے ڈسٹرب کر رہی تھیں، مگر وہ انجان بنا بال بنا کر پرفیوم اسپرے کیا اور واپس مڑا تو نگاہیں اس سے ٹکرا گئیں۔

وہ زار و قطار رو رہی تھی، ایک لمحے کو تو غضنفر علی کا جی چاہا کہ سب کچھ بھلا کر آگے بڑھے اور اس کے روتے سسکتے وجود کو اپنی مضبوط پناہوں میں سمیٹ لے، مگر اگلے ہی لمحے غصہ تمام جذبات پر غالب آ گیا اور وہ سر جھٹک کر باہر نکل گیا، کچھ ہی دیر میں اس کی واپسی ہوئی تو ہاتھ میں کافی کا مگ تھا۔

''صرف ایک مگ، میرا کہاں ہے؟'' وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے کسی گہری سوچ میں مستغرق تھا جب گل افزاء کی آواز سے اس کی محویت ٹوٹی، اس نے چونک کر اس کی سمت دیکھا تھا۔

''تمہیں اگر کافی پینی ہے تو خود بنا لو۔'' غضنفر علی نے اجنبیت بھرے لہجے میں کہہ کر کافی کا مگ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا، گل افزاء کے رونے میں روانی آ گئی، غضنفر علی بے چین ہو اٹھا، مگر خود پر ضبط کے بند باندھتا ہوا بیٹھا رہا۔

''غضنفر میں کئی بار آپ کو بتا چکی ہوں، کہ میرا ظفر سے......''

''شٹ اپ، گل افزاء جسٹ شٹ اپ۔'' اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ دھاڑا تھا۔

''مت لو اس کمینے کا نام میرے سامنے، اور نہ ہی میں اتنا بے غیرت ہوں کہ یہاں تمہارے سامنے بیٹھ کر تم سے تمہارے عشق کے قصے سنوں۔'' اس کی بات سے گل افزاء کا دل کئی ٹکڑوں میں بٹ گیا تھا، بے یقینی سے اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''آپ کو آپ کے بچوں کا واسطہ میرا یقین......''

''ان بچوں کی وجہ سے ہی تم یہاں ہو، ورنہ کب کا تمہیں طلاق دے کر نکال چکا ہوتا یہاں سے۔'' وہ نفرت سے پھنکارا۔

''کاش آپ کو احساس ہو کہ آپ میرے ساتھ کتنا برا کر رہے ہیں۔'' اس نے بیدردی سے آنسو رگڑے اور اس کی جانب پشت کر کے لیٹ گئی۔

غضنفر علی نے کافی کا مگ اٹھا کر لبوں سے لگا لیا۔

''زندگی کتنی تلخ ہو گئی ہے، بالکل کافی کے

اس مگ کی طرح، کڑوی، اور بدذائقہ۔'' اس نے مگ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا تھا، زندگی میں پہلی مرتبہ وہ گل افزاء کے بغیر کافی پینے لگا تھا، مگر نہ پی سکا تھا، اس نے نگاہیں گھما کر اس کے سسکتے اور لرزتے وجود کو دیکھا تھا، بہت خواہش کے باوجود بھی وہ اس کے بکھرتے وجود کو سمیٹ نہ سکا تھا، اس کے دل میں اب بھی گل افزاء کی محبت تھی، مگر اس کی بے وفائی اور غلطی کو نظر انداز کرنے اور معاف کرنے کا اس میں حوصلہ نہ تھا وہ دل کو صاف کرتا بھی تو کیسے۔

''مرد کے تو بڑے بڑے گناہ بھی یہ معاشرہ معاف کر دیتا ہے بس اتنا کہہ کر کہ سب مرد ہی ایسے ہوتے ہیں، جوانی کے شوق ہیں، آہستہ آہستہ بدل جائے گا، مگر عورت کی چھوٹی سی غلطی اس پر لگا ہوا الزام ہی اسے زمانے بھر کی نظروں میں معتوب ٹھہرانے کے لئے کافی ہوتا ہے اور بھلا معاشرہ کب معاف کرتا ہے عورت کو۔'' بے آواز روتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی، اس نے ہر طرح سے غضنفر علی کو اپنی وفاداری کا یقین دلانے کی کوشش کی تھی، مگر بے سود۔

☆☆☆

اذان کی آواز پر عروبہ غضنفر کی آنکھ کھلی تھی، اس کی پہلی نظر اپنے سے کچھ فاصلے پر سوئے ہوئے فارقلیط حسن پر پڑی تھی، وہ سکون سے گہری نیند سو رہا تھا، اس نے ایک حسرت بھری گہری نظر اس پر ڈالی اور اٹھ گئی، فریش ہو کر آئی اور جائے نماز ڈھونڈنے لگی، مگر بہت تلاش کے بعد بھی اسے کہیں جائے نماز نظر نہ آئی۔

''کیا ان کے گھر میں کوئی بھی نماز نہیں پڑھتا۔'' اسے ازحد حیرت ہوئی تھی، اسی حیرت کے عالم میں وہ اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی کہ اسے لاؤنج کی کھڑکی میں سے ایک آدمی گیٹ سے اندر آتا دکھائی دیا، وہ باہر نکل آئی۔

''السلام علیکم!'' قبل اس کے وہ اسے سلام کرتی اس نے آگے بڑھ کر عروبہ کو سلام کر دیا۔

''بیگم صاحبہ خیریت، آپ اس وقت یہاں؟'' اس کے طرز تخاطب سے اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ کوئی ملازم ہے۔

''جی...... وہ...... دراصل میں نے نماز پڑھنی ہے مگر...... جائے نماز نہیں مل رہی۔'' اس نے ہچکچاتے ہوئے اسے بتایا، وہ کافی بڑی عمر کا شفیق سا انسان تھا، عروبہ کی بات سن کر ہلکا سا مسکرا دیا۔

''آپ ٹھہریں یہاں، میں اپنے کوارٹر سے لا دیتا ہوں۔'' وہ واپس مڑ گیا، تھوڑی دیر میں اس کی واپسی ہوئی تو ایک ہاتھ میں جائے نماز اور دوسرے میں قرآن پاک تھا۔

''شکریہ۔'' دونوں چیزیں اس سے لے کر وہ واپس بیڈ روم میں آ گئی، عروبہ غضنفر نے متاسف نظروں سے بے خبر سوئے ہوئے فارقلیط حسن کو دیکھا اور نماز پڑھنے لگی، نماز کے بعد اس نے قرآن پاک پڑھا اور دوبارہ بیڈ پر آ گئی، گھر پر گہری خاموشی کا راج تھا۔

ایسی ہی خاموشی اس کے وجود پر طاری تھی، وہ آنکھیں موندے لیٹی تھی کہ تمام واقعات اس کی نظروں کے سامنے گھوم گئے، وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی، اس نے فارقلیط حسن کی طرف دیکھا تھا، وہ ابھی بھی مزے سے سو رہا تھا۔

''آپ اتنی نفرت کرتی تھیں مجھ سے، مجھے گھر سے نکالنے کے لئے اتنی بڑی اور گھناؤنی سازش کر ڈالی، کیسے دل کیا آپ کا؟ میں تو آپ کی بہت عزت کرتی تھی، آپ کو ہمیشہ اپنی ماں سمجھا۔'' صوفیہ نے اسے ایسا زخم لگایا تھا، جو شاید مرتے دم تک نہ بھرتا، وہ ابھی تک بے یقین اور

بے حال تھی۔

☆☆☆

موسیٰ علی نے دروازہ کھولا اور سامنے کھڑی فروا کو دیکھ کر اس کی نیند میں ڈوبی آنکھیں مارے حیرت کے پھیل گئیں، رات خاصی گہری ہو چکی تھی۔

''خیریت ہے فروا؟'' اس نے استفسار کیا۔

''نہیں۔'' وہ گھبراہٹ کے عالم میں بولی۔

''امی کو نا جانے کیا ہو گیا ہے۔'' اس نے مدحنب نظروں سے موسیٰ علی کی جانب دیکھا تھا، وہ واپس پلٹا اور ایمبولینس کو کال کرنے لگا۔

آئی سی یو کے سامنے اس کے ساتھ کھڑا وہ بالکل خاموش تھا، تسلی کا ایک لفظ دلاسے کا ایک حرف تک اس کے منہ سے نہ نکلا تھا، اسے وہ وقت یاد آنے لگا جو اس نے عنیزہ کے ساتھ ہاسپٹل میں گزرا تھا، بہت سے زخم تازہ ہونے لگے تھے اور ان میں سے اٹھتی ٹیسیں اسے اردگرد سے بے گانہ کر رہی تھیں، فروا کا رنگ زرد پڑ رہا تھا، ہونٹ نیلے ہو چکے تھے، وہ آس بھری نظروں سے سامنے بند دروازے کو دیکھ رہی تھی۔

''یا اللہ! میری امی کو کچھ نہ ہو۔'' وہ دل میں فریاد کر رہی تھی۔

''غضنفر علی میں آپ کو معاف نہیں کروں گی۔'' اس کے دل میں نفرت اور حقارت کی شدید لہر اٹھی تھی، اس کی امی اس کا سب کچھ تھیں، وہ ان سے بے پناہ محبت کرتی تھی اور جس دن سے اسے یہ معلوم ہوا تھا کہ انہوں نے کس اذیت میں زندگی گزاری ہے، وہ ہر وقت ان کے لئے بے چین رہتی تھی، وہ چاہتی تھی کہ اب زندگی میں وہ مزید کوئی دکھ اور تکلیف نہ اٹھائیں۔

''آپ کے پیشنٹ کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔'' ڈاکٹر کی آواز پر وہ دونوں چونکے تھے اور اپنی اپنی سوچوں کے جال سے نکل آئے تھے۔

''کیا؟'' فروا کا دل دکھ سے کٹنے لگا تھا، وہ جو اتنی دیر سے ضبط کیے کھڑی تھی یکا یک چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگی تھی، اسے ایسا محسوس ہونے لگا تھا جیسے دنیا کے میلے میں اس کا ہاتھ امی کے ہاتھ سے چھوٹنے والا تھا، وہ تنہا ہونے لگی تھی، اس کا سب کچھ ختم ہونے والا تھا۔

''نہیں۔'' اس نے خوفزدہ ہو کر آنکھوں سے ہاتھ ہٹایا تھا۔

''مجھے امی کے پاس جانا ہے۔'' وہ موسیٰ علی کے قریب آ کر زور سے چلائی تھی، اس نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا، وہ ابھی بھی کچھ نہ کہہ سکا۔

''میں امی کے پاس جانا چاہتی ہوں، میں ان کے بغیر نہیں رہ سکتی۔'' وہ بہت زیادہ رو رہی تھی، مگر وہاں اس کے آنسو پونچھنے والا کوئی نہ تھا۔

''ہاہ تقدیر کب یہ سب دیکھتی ہے، مجھے بھی لگتا تھا کہ میں عنیزہ کے بغیر نہیں رہ سکتا، اب رہ رہا ہوں، رہنا پڑتا ہے۔'' وہ سوچے جا رہا تھا، اس کے دکھ سے لاپرواہ اور بے نیاز اپنے دکھ کو دل میں لئے، عنیزہ کی یادوں کو دل سے لگائے، وہ مسلسل اسی کے متعلق سوچ رہا تھا۔

''میرا امی کے سوا کوئی نہیں ہے۔'' وہ روئے جا رہی تھی، مگر سامنے کھڑے شخص کو مطلق پرواہ نہ تھی، وہ اپنی ہی یادوں میں گم اس کے وجود اور دکھ سے بے نیاز کھڑا تھا، وہ یہ بھی بھلا چکا تھا کہ عنیزہ کی بیماری اور ڈیتھ کے بعد بھی ان ماں بیٹی نے اس کا کتنا ساتھ دیا تھا۔

☆☆☆

عیسیٰ احمد کے جانے کے بعد نویلہ اپنے روم میں آ گئی تھی، بیڈ کے سامنے فلور کشن پر بیٹھی وہ

روئے جا رہی تھی، وہ جتنا عیسیٰ احمد کے قریب جانے کی، اس سے بات کرنے کی کوشش کرتی وہ اتنا ہی اس سے دور ہوتا جا رہا تھا اور اب تو وہ ان کے گھر سے ہی چلا گیا تھا۔

’’سب کچھ ماما کی وجہ سے ہوا ہے۔‘‘ وہ ان سے سخت ناراض تھی، اسے لگ رہا تھا کہ جو کچھ ماما نے کیا وہ صحیح نہیں تھا، انہیں عیسیٰ احمد کے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، دروازے پر دستک ہو رہی تھی۔

’’نویلہ دروازہ کھولو۔‘‘ ماما اسے آوازیں دے رہی تھیں مگر وہ ان سنی کر کے بیٹھی رہی اور دروازہ نہ کھولا، وہ اس وقت ان کی جھوٹی تسلیاں اور دلاسے سننا نہیں چاہتی تھی، مگر ماما مسلسل اسے آوازیں دیتے ہوئے دروازہ ناک کر رہی تھیں۔

’’ماما پلیز Leave mw alone۔‘‘ اس نے مجبوراً دروازے کی طرف منہ کر کے کہہ دیا تھا تاکہ وہ وہاں سے چلی جائیں۔

’’میری جان کیا ہو گیا، فکر مت کرو، میں نے وعدہ کیا ہے نا کہ عیسیٰ احمد تمہارا ہے تو......‘‘

’’مت دیں مجھے یہ جھوٹی تسلیاں، وہ اب یہاں کبھی نہیں آئیں گے۔‘‘ اس کے رونے میں روانی آ گئی تھی، ماما اس کی منتیں کر رہی تھیں، اس نے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیں تھک ہار کر وہ وہاں سے ہٹ گئیں، سمجھ گئی تھیں اس وقت وہ ان کی بات نہیں سنے گی، وہ عیسیٰ احمد کے یہاں سے جانے پر بہت پریشان تھی۔

☆☆☆

عیسیٰ احمد تقدیر کے اس وار کو سہہ نہیں پا رہا تھا، اسے سنبھلنا بہت مشکل لگ رہا تھا، اس کے تو وہم و گمان میں بھی ایسا نہ تھا، کہ اس کی غیر موجودگی میں عروبہ کے ساتھ ایسا ہو جائے گا، ماما کا اتنا شدید ایکسیڈنٹ اور پھر سیریس کنڈیشن نے اسے ہاسپٹل سے ایک لمحے کے لئے نکلنے نہ دیا، عروبہ کا خیال آیا بھی تو اس نے یہی سوچا کہ ماما ٹھیک ہو جائیں تو وہ انہیں ساتھ لے کر غضنفر انکل کے پاس جائے گا، اب جو وہاں گیا تو اسے پتا چلا کہ سب کچھ ختم ہو چکا ہے، مارے دکھ اور پچھتاوے کے اس کا برا حال تھا۔

’’کیا بات ہے عیسیٰ! اتنے پریشان کیوں ہو؟‘‘ وہ گہری سوچ میں مستغرق تھا، اچانک باپ کی آواز سن کر چونکا اور ان کی طرف دیکھنے لگا۔

’’تمہاری ماما اب بہت بہتر ہیں، جلد ڈسچارج ہو جائیں گی۔‘‘ وہ تسلی آمیز لہجے میں بولے تو اس نے صرف سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

’’تم نے صوفیہ اور غضنفر کو نہیں بتایا؟‘‘

’’نہیں۔‘‘ اس نے سر نفی میں ہلا دیا۔

’’مگر کیوں؟‘‘ انہیں اچنبھا ہوا۔

’’کیونکہ یہ سب انہیں بتانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، وہ دونوں انتہائی خود غرض اور ظالم انسان ہیں، انہیں رشتوں کی اہمیت کا کوئی احساس نہیں ہے، کسی کے دکھ اور تکلیف سے انہیں فرق نہیں پڑتا۔‘‘ وہ تو پہلے ہی بھرا بیٹھا تھا، ان کا پوچھنا غضب ثابت ہوا، ان کے اصرار پر اس نے انہیں تمام تفصیل کہہ سنائی اور اس کی باتیں سن کر وہ ششدر رہ گئے، انہیں یقین نہ آ رہا تھا کہ صوفیہ اور غضنفر نے ایسا کیا ہے عروبہ کے ساتھ۔

’’مجھے حیرت اور افسوس ہے کہ وہ ایسا کیسے کر سکتے ہیں ایک معصوم بچی کے ساتھ اور پھر ہمارے بیٹے کے ساتھ، کس نے حق دیا ہے صوفیہ کو کہ ہمارے اتنے اچھے بیٹے پر الزام لگائے، ہرگز معاف نہ کروں گا میں اسے، اس کے پاس جاؤں گا۔‘‘ ماما سو رہی تھیں وہ باپ بیٹا باتیں کر رہے تھے، عیسیٰ احمد کا جی چاہا سب کچھ تہس نہس کر

دے، مگر اس وقت وہ سوائے صبر کے اور کچھ نہ کر سکتا تھا۔

☆☆☆

غضنفر علی بزنس کے سلسلے میں بیرون ملک جا رہے تھے اور گل افزاء نے رو رو کر برا حال کر لیا تھا، مگر انہیں مطلق پرواہ نہ تھی۔

''مت جائیں غضنفر۔'' وہ سونے کے لئے لیٹے تو گل افزاء ان کے قدموں کے قریب جا بیٹھی اور سوں سوں کرتی ہوئی بھیگے لہجے میں بولی۔

''سو جاؤ اور مجھے بھی سونے دو۔'' وہ روکھائی سے بولے۔

''غضنفر کیا جانا بہت ضروری ہے؟'' وہ آنسو پونچھتے ہوئے بولی، وہ آنکھوں پر بازو رکھے لیٹے ہوئے تھے۔

''ہوں۔'' مختصر جواب آیا۔

''پلیز مجھے چھوڑ کر مت جائیں، میرا یہاں آپ کے سوا کوئی نہیں ہے، میری طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے، پلیز رک جائیں۔'' وہ اصرار کر رہی تھی، مگر غضنفر نے تو گویا اس کی بات نہ ماننے کی قسم کھا رکھی تھی، وہ اس سے مکمل طور پر بدگمان ہو چکا تھا، بزنس ٹور تو محض بہانہ تھا، وہ درحقیقت اس سے دور جا کر دیکھنا اور محسوس کرنا چاہتا تھا کہ کیا وہ اس کے بغیر رہ سکتا ہے یا نہیں۔

''دیکھو گل افزاء صبح چار بجے میری فلائٹ ہے، مجھے تھوڑا سو لینے دو۔'' اس نے آنکھوں سے بازو ہٹائے بغیر اسے کہا، وہ قصداً اس کی جانب دیکھنے سے احتراز کر رہا تھا، کیونکہ دل اس کی حالت پر پگھل رہا تھا اور وہ فی الحال اس کے سامنے کمزور نہیں پڑنا چاہتا تھا، لہٰذا خود پر ضبط کیے لیٹا رہا اور وہ اس کے قدموں میں بیٹھی آنسو بہاتی رہی۔

''میں نہیں جانتی میری کس بات نے آپ کو مجھ سے بدگمان کیا ہے، مگر غضنفر ایک بات یاد رکھیے گا، میں نے اپنی بے گناہی ثابت کرنے کی بہت کوشش کی، مگر میں نہ کر سکی، مجھے نہیں معلوم تھا کہ کبھی خود کو آپ کے سامنے پاکیزہ ثابت کرنے کے لئے مجھے ثبوت دینے پڑیں گے، میں بغیر کسی ثبوت اور گواہ کے آج آخری بار آپ کو بتا رہی ہوں میرا ظفر بھائی سے کوئی تعلق نہیں ہے، آپ میری زندگی میں آنے والے پہلے اور آخری مرد ہیں، آپ کو یقین نہیں کرنا تو نہ کریں۔'' اس نے آنسو بے دردی سے رگڑ ڈالے، ان لمحوں میں غضنفر علی ضبط کے کڑے مراحل سے گزر رہا تھا، اس کے دل نے بارہا ان رویوں پر اس سے معافی مانگنے پر اکسایا تھا، مگر ظفر کا خیال آتے ہی سب کچھ ذہن سے محو ہو گیا تھا، اس پل اسے یاد آیا کہ وہ اسے کتنا چاہتا تھا، کس طرح یونیورسٹی میں اس کے آگے پیچھے پھرتا تھا۔

''اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ کبھی آپ واپس آئیں تو مجھے اپنا منتظر پائیں، خدا کرے آپ کو میرے بغیر بہت سی خوشیاں ملیں، مگر بہت سارے پچھتاؤوں کے ساتھ۔'' اس نے بری طرح روتے ہوئے کہا اور اٹھ کر اپنی جگہ پر آ کر لیٹ گئی، غضنفر علی اس کے الفاظ اور لب و لہجے پر غور کر رہا تھا، اس نے اس انداز سے تو کبھی اس سے بات نہ کی تھی۔

''کاش تم پہلے جیسی ہو جاؤ، وقت پہلے جیسا ہو جائے، ہماری محبت پہلے جیسی ہو جائے۔'' غضنفر علی کے دل نے شدت سے خواہش کی تھی، اپنی اپنی جگہ پر لیٹے وہ دونوں جاگ رہے تھے، محبت بھی مشترکہ تھی اور خسارے بھی دونوں کے تھے، یہ دکھ دونوں کو جگائے ہوئے تھا۔

رات آنکھوں میں کٹی، بالآخر غضنفر علی کے

جانے کا وقت آ گیا تھا، وہ تیار ہو رہا تھا، گل افزاء چپکے لیٹی ہوئی تھی، مگر وہ جانتا تھا وہ سو نہیں رہی، اس کا جی چاہا ہاتھ پکڑ کر اسے جگا دے، مگر خواہش کو دل میں دبا کر وہ باہر کی جانب بڑھا، دل نے اسے بری طرح سرزنش کیا، اندر ایک ہلچل اور شور مچ گیا تھا، دل کے ہاتھوں مجبور وہ مڑا تھا اور اس کے قریب آ کھڑا ہوا تھا۔

''میں جا رہا ہوں۔'' اس کی آواز پر اس نے جھٹ آنکھیں کھول دی تھیں، دل خوش فہمیوں کے سمندر میں غوطہ زن ہونے لگا تھا، اس کی برستی آنکھوں سے نکلتی خاموش التجائیں غضنفر علی کے قدموں سے لپٹنے لگی تھیں۔

''آپ مجھ سے نفرت کرتے ہیں نا، میری شکل نہیں دیکھنا چاہتے، بہت دور چلی جاؤں گی آپ سے چاہ کر بھی واپس نہ لا سکیں گے۔'' وہ اپنے قیمتی آنسو کسی بے مول خزانے کی طرح لٹا رہی تھی۔

''جانا ضروری ہے، جلد واپس آنے کی کوشش کروں گا۔'' کہہ کر وہ باہر نکل گئے۔

☆☆☆

دوبارہ اس کی آنکھ کھلی تو فارقلیط حسن کمرے میں موجود نہ تھا، چند ثانیے وہ خاموش لیٹی چھت کی کڑیوں کو گھورتی رہی اور بالآخر اٹھ گئی، فریش ہو کر باہر نکلی تو فارقلیط حسن سامنے لاؤنج میں ہی نظر آ گیا۔

''گڈ مارننگ۔'' قبل اس کے وہ اسے سلام کرتی، اس نے اس کی جانب دیکھ کر مسکراتے ہوئے بشاشت سے کہا، جواب میں اس نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔

''How are you?۔'' اپنے قریب صوفے پر اس کے لئے جگہ بناتے ہوئے بغور اس کی طرف دیکھتے ہوئے استفہامیہ انداز میں پوچھنے لگا۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے مختصر جواب دیا اور اس سے کچھ فاصلے پر جا بیٹھی۔

''ناشتہ ریڈی ہے، میں تمہارا ویٹ کر رہا تھا۔'' اس نے ملازم کو آواز دی۔

''ناشتہ لگا دو، بیگم صاحبہ اٹھ گئی ہیں۔'' ملازم فوراً ہی حاضر ہو گیا تھا، اس نے حکم صادر کیا، ملازم سر ہلا کر واپس مڑ گیا۔

''آ جاؤ۔'' وہ اسے ساتھ لے کر ڈائننگ ہال میں آ گیا تھا، وہ سر جھکائے خاموشی سے ناشتہ کر رہی تھی، فارقلیط حسن ایک ایک چیز بہت اصرار اور محبت کے ساتھ اسے پیش کر رہا تھا، مگر اس نے تھوڑا سا کھا کر ہاتھ کھینچ لیا تھا۔

''کیا ہوا؟'' وہ پوچھنے لگا۔

''بس، بھوک نہیں مزید۔'' اس نے نیپکن سے ہاتھ صاف کیے اور اٹھ کھڑی ہوئی، فارقلیط حسن اسے دیکھے گیا۔

''بیٹھ جاؤ یار تم نے ابھی کھایا ہی کیا ہے۔'' اس نے ہاتھ سے پکڑ کر اسے واپس بٹھا دیا، مگر وہ دوبارہ کھڑی ہو گئی اور اندر کی جانب بڑھ گئی، فارقلیط حسن خاموشی سے اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

بیڈ روم میں آ کر وہ کچھ دیر تو ناسمجھی کے عالم میں روم کے وسط میں کھڑی رہی، جیسے کہ سمجھ نہ پا رہی ہو کہ کیا کرے، دفعتاً اس کی نظر ڈریسنگ پر پڑی، اپنی شبیہ دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔

''یہ میں ہوں؟'' وہ آگے بڑھی اور آئینے میں خود کو دیکھ کر اپنے آپ سے سوال کرنے لگی، اپنا آپ اسے بہت بدلا ہوا اور مختلف لگ رہا تھا، اس نے ڈرتے ڈرتے آئینے پر ہاتھ پھیرا اور پھر خود ہی ڈر کر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

''کیا میں زندہ ہوں؟'' اسے بہت حیرت

ہوئی تھی۔

''میں سخت جان ہوں یا بے غیرت؟'' وہ خود سے سوال کر رہی تھی، دل میں پنہاں درد ایک مرتبہ پھر جاگ اٹھا تھا، آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے تھے، دروازہ کھول کر فارقلیط حسن اندر آیا تھا، اس پر نظر پڑی تو چونک اٹھا، اس کے چہرے پر شدید زلزلے کے آثار تھے۔

''کیا ہوا عروبہ؟'' وہ تیزی سے اس کے قریب آیا اور اسے شانوں سے تھام کر اس کا رخ اپنی جانب موڑا، وہ خاموشی سے اسے دیکھے گئی، فارقلیط حسن کو اس کی طبیعت ٹھیک معلوم نہ ہو رہی تھی۔

''آپ مجھے کیوں لائے وہاں سے؟'' اس نے اپنے شانوں سے اس کے ہاتھ ہٹائے اور اس سے دور جا کھڑی ہوئی، فارقلیط حسن حیران سا کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

''وہ سب مجھے غلط سمجھ رہے ہوں گے، مجھے جھوٹی کہہ رہے ہوں گے، یوں خاموشی سے وہاں سے آ گئی، بابا کیسے زندہ رہیں گے، اتنا بڑا صدمہ وہ نہیں سہہ سکتے۔'' وہ رونے لگی تھی اس کی باتیں فارقلیط حسن کو پریشان کر رہی تھیں، وہ سمجھ نہ پا رہا تھا کہ اسے کیا کہے اور کیسے تسلی دے۔

''میں تمہیں، تمہارے بابا کے پاس لے جاؤں گا۔'' وہ اس کے قریب ہوتے ہوئے بولا تھا، یکا یک اس کے آنسو تھم گئے تھے، بے چین و بے قرار آنکھوں میں سکون نظر آنے لگا تھا۔

''کب؟''

''جب تم کہو۔'' اس نے دوستانہ انداز سے دھیمے پن سے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ چند ثانیے بے یقینی سے اسے دیکھے گئی، جیسے اسے یقین نہ آ رہا ہو کہ واقعی اس نے وہ کہا ہے جو وہ سن رہی ہے۔

''ابھی چلیں۔''

''چلو۔'' وہ فوراً جانے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔

''تم چینج کر لو۔'' وہ آگے بڑھا۔

''میں تیار ہوں، بس آپ چلیں۔'' اس سے انتظار کرنا دوبھر ہو گیا تھا، فارقلیط حسن اس کی ذہنی کیفیت کو سمجھ رہا تھا، سو فوراً مان گیا، مگر یہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ ان کا وہاں کیسا استقبال ہو گا۔

☆☆☆

امی کو گھر لے کر آنے کے بعد فروا ہر وقت ان کے پاس رہتی تھی، اس کے دل میں ایک خوف بیٹھ گیا تھا، امی کو کھو دینے کا خوف، وہ ٹھیک سے سو نہ پائی تھی، بار بار اٹھ کر انہیں دیکھتی، ان کی نبض چیک کرتی، ان کے منہ کے قریب کان کر کے ان کی سانسوں کو محسوس کرتی۔

اس وقت بھی ابھی سو رہی تھیں اور وہ ان کے پاس بیٹھی تھی، مصعب اس کی گود میں تھا، وہ اپنی چھوٹی چھوٹی باتوں سے رونق لگائے رکھتا تھا۔

باہر گاڑی کے رکنے کی آواز آئی تھی اور کچھ ہی دیر میں موسیٰ علی وہاں آ گیا تھا۔

''السلام علیکم!'' اس نے سلام کیا تھا اور فروا نے اس کی جانب دیکھے بنا ہی جواب دے دیا تھا، مصعب اس کے پاس جانے کے لئے بے چین ہونے لگا تھا۔

''آ جاؤ میرا بیٹا۔'' موسیٰ علی نے اسے فروا کی گود سے اٹھا لیا تھا، وہ باپ کے پاس جا کر کلکاریاں مارنے لگا تھا، تو جیسے وہاں یکدم زندگی رقص کرنے لگی تھی، ان دونوں کو بھی زندگی کا احساس ہونے لگا تھا، اس نے دوائیوں کا شاپر ٹیبل پر رکھ دیا۔

''اب کیسی طبیعت ہے آنٹی کی؟'' وہ جانے کے لئے مڑا تو سرسری انداز میں پوچھنے لگا۔

''بہتر ہیں ماشاءاللہ۔'' اس نے دوائیوں کا شاپر اٹھایا اور کھول کر دیکھنے لگی۔

''سب دوائیوں کے اوپر کھانے کی ٹائمنگ لکھی ہوئی ہے، پر وہلی ٹائم پر میڈیسن دینا نہیں۔'' وہ باہر کی جانب چل پڑا، فروا نے ایک نظر سوئی ہوئی ماں پر ڈالی اور اٹھ کر موسیٰ علی کے پیچھے آ گئی۔

''سنیں۔'' اس نے پکارا، موسیٰ علی رک گیا اور اس کی طرف دیکھنے لگا۔

''مجھے کچھ بات کرنی ہے آپ سے۔'' وہ اس کے قریب آتی ہوئی بولی تھی۔

''کہو۔'' وہ فروا کو بغور دیکھتے ہوئے بولا، وہ کچھ الجھی الجھی سی تھی، سر جھکائے وہ انگلیاں مروڑ رہی تھی۔

''میڈیسن کتنے کی آئی ہے؟'' وہ ہنوز اضطرابی انداز سے انگلیاں مروڑ رہی تھی، موسیٰ علی سمجھ نہ پایا کہ آیا وہ یہی بات کرنے آئی تھی یا کچھ اور۔

''جتنے کی بھی آئی ہو، آپ فکر مت کریں۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا تھا۔

''اب اصل بات بتائیں، جو کہنے کے لئے آپ آئی ہیں۔'' وہ اس کی چالاکی اور سمجھداری پر سخت حیران تھی، چند ثانیے حیرت سے اسے دیکھتی رہی اور بات کرنے کے لئے ہمت مجتمع کرتی رہی، مگر زبان نے ساتھ چھوڑ دیا۔

''وہ مجھے یہ کہنا تھا کہ......'' اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئی، مزید اس سے کچھ نہ بولا گیا، موسیٰ علی خاموش کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔

''امی بیمار رہتی ہیں، میں انہیں اکیلا نہیں چھوڑ سکتی، آپ کبھی بھی مجھے امی سے دور یا الگ ہونے کے لئے نہیں کہیں گے۔'' بدقت تمام اس نے اپنی بات مکمل کی تھی، دل میں ڈر بھی رہی تھی اور کچھ شرم اور جھجک بھی آڑے آ رہی تھی، کچھ دیر ان کے درمیان خاموشی رہی، جیسے موسیٰ علی اس کے الفاظ پر غور کر رہا تھا، پھر ایک گہری سانس فضا کے سپرد کرتے ہوئے گویا ہوا۔

''میں ایسا کیوں کہوں گا، آپ میرے بیٹے کا خیال رکھتی ہیں تو میرا بھی فرض بنتا ہے کہ آپ کی مدر کا خیال رکھوں، میں آنٹی کو کبھی بھی یہاں سے جانے کے لئے نہیں کہوں گا، آپ ہر طرح کے وہم دل سے نکال دیں اور اگر آپ کا دل اس رشتے کے لئے آمادہ نہیں ہے تو کوئی زبردستی نہیں ہے، میں آنٹی سے انکار کر دیتا ہوں، آپ کا نام نہیں آئے گا۔'' اس نے تفصیل سے جواب دیا تو فروا کے سینے پر پڑا بہت بھاری بوجھ ہٹ گیا تھا، وہ دل سے اسی بات کو سوچ سوچ کر اتنا پریشان تھی، مگر موسیٰ علی نے اس کی ٹینشن لمحوں میں ختم کر دی، اس نے ممنونیت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

''تھینک یو۔'' وہ جانے لگی تھی۔

''میں صرف یہی چاہتی تھی اس کے علاوہ میں نے کچھ نہیں کہا۔'' وہ واپس مڑی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتی ہوئی اس سے دور ہوتی چلی گئی، موسیٰ علی کچھ دیر کھڑا اسے دیکھتا رہا پھر اندر کی جانب بڑھ گیا۔

☆☆☆

''ماما!'' صوفیہ لاؤنج میں کچھ پریشان سی بیٹھی تھی، علیشہ ان کے پاس آئی اور سر ان کی گود میں رکھ کر لیٹ گئی۔

''ہوں۔'' وہ گہری سوچ میں تھیں۔

''عدیل کب لائے اپنے پیرنٹس کو؟'' اس نے سوال کیا۔

''علیشہ!'' انہوں نے متاسف نظروں سے بیٹی کو دیکھا تھا انہیں اس کی دماغی حالت پر شبہ ہوا تھا۔

''گھر میں اتنا بڑا حادثہ ہو گیا ہے، تمہارے پاپا پریشان ہیں، نویلہ کا موڈ عیسیٰ کے جانے کی وجہ سے بہت آف ہے، ایسے وقت میں مجھے تم سے اس بات کی توقع نہ تھی۔'' وہ برا مانتے ہوئے، خفگی سے بولیں۔

''کم آن ماما!'' وہ ذرا بھی شرمندہ نہ ہوئی اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''سب کچھ آپ کے پلان کے مطابق ہوا ہے، کچھ بھی انہونی یا انوکھی بات تو نہیں ہوئی، آپ کو پتا تھا اس کا یہی Reaction ہوگا، پھر آپ اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہیں۔'' اس نے ان کی ناراضی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے سیدھے الفاظ میں انہیں سنا دیا کہ جو بھی ہوا ان کی مرضی اور پلان کے مطابق ہوا ہے، اب اس پریشانی اور عدیل کو اگنور کرنے کا کیا مطلب ہے۔

''آہستہ بولو، تمہارے پاپا کے آنے کا وقت ہو رہا ہے۔'' انہوں نے گھبرا کر لاؤنج کے کھلے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے علیشہ کو کہا۔

''میں پریشان اس لئے ہوں کہ تمہارے پاپا کو سنبھالنا ایک مرتبہ پھر بہت مشکل ہو گیا ہے، بالکل ویسے ہی جیسے انیس سال پہلے۔'' اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئیں، جبکہ علیشہ ان کے پریشان چہرے کو دیکھنے لگی اور پھر کچھ مسکرا کر شرارت سے گویا ہوئی۔

''عروبہ کی ماما کی بھی آپ نے ایسے ہی نکالا تھا گھر سے؟'' اس کے سوال نے انہیں جزبز کر دیا تھا، وہ کچھ نہ بولیں اور خاموشی سے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔

''ویسے پلان آپ کامیاب بناتی ہیں۔'' اب کی بار وہ کھل کر ہنسی تھی جبکہ وہ لب بھینچے بیٹھی تھیں۔

''عدیل سے کہو کسی دن مجھ سے آکر ملے، پھر میں اسے بتاؤں گی کب لے کر آئے پیرنٹس کو۔'' وہ وہاں سے اٹھتے ہوئے بولیں، علیشہ کا چہرہ جگمگانے لگا تھا، وہ بالکل اپنی ماں پر گئی تھی، ان ہی کی طرح خود غرض بے حس اور خود پسند اسے کوئی پرواہ نہ تھی کہ گھر میں کیا ہو رہا ہے۔

☆☆☆

عیسیٰ احمد کی ماما ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو گئی تھیں، وہ انہیں لے کر ماموں کے گھر آ گیا تھا، اس نے ماما کو مختصراً ساری صورتحال بتا دی تھی، کیونکہ وہ مسلسل بہن کی طرف جانے کی ضد کر رہی تھیں، مگر عیسیٰ احمد اب اس گھر میں قدم بھی نہ رکھنا چاہتا تھا۔

''میرے خدا!'' وہ چکرا کر رہ گئیں۔

''ایسے کیسے کر سکتی ہے صوفیہ؟'' وہ ابھی تک بے یقین تھیں، انہیں بہن سے ایسی امید تو نہ تھی، اتنا گھٹیا پلان عروبہ کو گھر سے نکالنے کے لئے اور پھر یہ بات انہیں مزید اپ سیٹ کر رہی تھی کہ اس مقصد کے لئے پورے خاندان کو چھوڑ کر اس نے ان کے بیٹے کو ہی کیوں منتخب کیا۔

''تم فکر مت کرو میرے بچے تمہاری شادی میں عروبہ سے ہی کرواؤں گی، میں خود غضنفر بھائی سے بات کروں گی۔'' انہوں نے بیٹے کے اداس چہرے پر نگاہ ڈالی تو دل کٹ کر رہ گیا، کتنا اداس اور دکھی دکھائی دے رہا تھا، وہ تو اتنا خاموش اور سنجیدہ کبھی نہ ہوا تھا، جیسے اب ہو گیا تھا۔

''میری شادی عروبہ سے نہیں ہو سکتی ماما۔'' وہ نگاہیں جھکا کر گہری سنجیدگی سے بولا۔

''ایسا مت سوچو، اتنا مایوس ہونے کی

ضرورت نہیں ہے، میں ہوں نا۔‘‘ انہوں نے اسے تسلی دی۔

’’عروبہ کی شادی کر چکے ہیں وہ لوگ۔‘‘ اس کے انکشاف نے انہیں بری طرح ہلا کر رکھ دیا۔

’’کب؟ اتنی جلدی کیسے؟‘‘ وہ بے یقین تھیں۔

’’یہی تو پلاننگ تھی آپ کی بہن کی، اسے جلد از جلد گھر سے نکالنے کی، مجھ سے دور کرنے کی اور قسمت نے بھی ہم دونوں کا ساتھ نہ دیا، عین اس وقت جب اسے سب سے زیادہ میری ضرورت تھی، میں اسے تنہا چھوڑ کر آ گیا، اس کا کردار سارے خاندان کے سامنے ایک سوالیہ نشان بن کر کھڑا تھا اور میں نے وہاں سے خاموشی سے نکل کر اس سوالیہ نشان کو فل سٹاپ بنا دیا، سب کو یہ یقین دلا دیا کہ ہاں وہ غلط ہے، سب نے جو دیکھا وہ صحیح ہے اور اب رنگے ہاتھوں پکڑے جانے کے بعد میں فرار ہو گیا ہوں، حالانکہ ماما......‘‘ وہ دکھ سے نڈھال تھا، بہت سے پچھتاوے تھے جو اسے چین نہ لینے والے رہے تھے، مگر وقت کسی سفاک قاتل کی طرح ان کی خوشیوں کا گلا گھونٹ کر فرار ہو چکا تھا اور وہ تنہا کھڑا بے بسی سے ہاتھ مل رہا تھا، وہ چاہ کر بھی کچھ نہ کر سکتا تھا۔

’’عین اس لمحے مجھے فون پر آپ کے ایکسیڈنٹ کی خبر ملی، جلدی میں فون بھی نہ اٹھا سکا جو میرے ہاتھ سے چھوٹ کر گرا تھا، پھر ہاسپٹل جانے کے بعد میں سب کچھ بھول گیا، جب تک آپ کی حالت نہ سنبھلی مجھے کچھ ہوش نہ تھا۔‘‘ وہ خاموشی سے اس کی باتیں سن رہی تھیں، اکلوتا پیارا بیٹا اتنے بڑے حادثے سے گزر گیا اور انہیں ایسا لگتا تھا کہ کچھ قصور تو ان کا بھی ہے، اگر وہ ہاسپٹل نہ ہوتیں تو حالات قدرے مختلف ہوتے۔

’’وہ بہت اکیلی اور دکھی لڑکی تھی ماما، میں تو اس کے دکھ کم یا شاید ختم کرنا چاہتا تھا، مگر مجھے علم نہ تھا میری ذات ہی اس کے لئے ذلت اور رسوائی کا سبب بنے گی۔‘‘ وہ ہر بات کے لئے خود کو قصوروار ٹھہرا رہا تھا، اس کا پچھتاوا کسی طور پر کم نہ ہو رہا تھا۔

’’اسے تو محبت پر یقین ہی نہ تھا، میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ محبت پر اس کا اعتماد اسے لوٹاؤں گا، اسے محبت سے محبت کرنا سکھاؤں گا، مگر ماما میری وجہ سے اس کا رشتوں سے بھی اعتبار اٹھ گیا ہو گا، وہ تو یہی سمجھتی ہو گی کہ میں نے اسے دھوکہ دیا ہے شاید میں بھی اس کی سوتیلی ماں کے پلان میں شامل تھا۔‘‘ ان کی گود میں سر رکھے وہ چھوٹے بچوں کی طرح تڑپ اور سسک رہا تھا، وہ محبت سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہی تھیں۔

’’میں اس سے ملوں گی، اسے ساری بات بتاؤں گی، وہ سمجھ جائے گی۔‘‘ انہوں نے تسلی دی۔

’’وہ مجھ سے نفرت کرنے لگی ہو گی ماما، وہ اب مجھ سے متعلق کوئی بات نہیں مانے گی، میرا نام بھی نہیں سنے گی۔‘‘ وہ مکمل مایوس تھا۔

’’اگر اس کے دل میں تمہارے لئے محبت ہوئی تو ضرور سنے گی، تم اس طرح خود کو ہلکان مت کرو۔‘‘

’’میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا ماما۔‘‘ وہ اونچا لمبا نوجوان رو رہا تھا، اس بری طرح سے ٹوٹ کر بکھرا تھا کہ اس کی ماں سے بھی اسے سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا، انہیں صوفیہ سے شدید نفرت محسوس ہوئی تھی، انہوں نے دل میں ٹھان لی تھی کہ وہ اسے ہرگز معاف نہ کریں گی۔

''کوئی کسی کے بغیر نہیں مرتا عیسٰی، جینا پڑتا ہے، ہمت کرنی پڑتی ہے اور تم بھی ہمت سے کام لو، اٹھو، میں کھانا منگواتی ہوں، یوں خود کو برباد کر کے مجھے تکلیف مت دو۔'' اس کا یہ بکھرا انداز اور ٹوٹا لہجہ انہیں ڈسٹرب کر رہا تھا۔

''کسی کے بغیر مرنا کب مشکل ہے ماما، لمحوں میں بات ختم، میں تو جینے کی بات کر رہا ہوں اور وہ بہت مشکل ہے، کسی بہت اپنے کو کھو کر زندہ رہنا ناممکن لگتا ہے اور مجھے عروبہ کے بغیر رہنا ناممکن سا لگ رہا ہے، پتا نہیں کہاں ہوگی، اس کا شوہر کیسا ہوگا، اس کے ساتھ کیسا سلوک کرتا ہوگا۔'' طرح طرح کے وسوسے اس کے اندر سر اٹھا رہے تھے، ماما نے کھانا منگوالیا تھا اور اپنے ہاتھ سے اسے کھلا رہی تھیں، مگر ہر نوالہ حلق میں اٹک رہا تھا۔

☆☆☆

فارقلیط حسن خاموشی سے ڈرائیونگ کر رہا تھا، کبھی کبھار نظریں گھما کر اس کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا، وہ کسی گہری سوچ میں گم تھی، یا شاید اس وقت ماحول سے مکمل طور پر کٹی ہوئی تھی۔

''میں بابا کو بتاؤں گی میرا کسی بات میں کوئی قصور نہیں ہے، میں نے کچھ بھی غلط نہیں کیا، وہ میرا یقین کر لیں گے۔'' وہ دل ہی دل میں خود کو تیار کر رہی تھی کہ کیسے ان سے بات کرنی ہے، وہ ہمیشہ ان سے دور رہی تھی، پاس ہو کر بھی کبھی وہ انڈر سٹینڈنگ ڈیولپ نہ ہوئی تھی جو علیشہ اور نویلہ کی ان سے تھی۔

''میں آج بابا کو یہ بھی بتا دوں گی کہ میں ان سے بہت محبت کرتی ہوں، مجھے ان کی عزت بہت عزیز ہے، میں اس پر کبھی حرف نہیں آنے دے سکتی۔'' اس نے آج بابا سے وہ بات کرنے کا بھی فیصلہ کر لیا تھا جو وہ کبھی نہ کہہ سکی تھی، اسے اپنی بھی کچھ غلطیاں یاد آ رہی تھیں، افسوس ہو رہا تھا کہ وہ علیشہ اور نویلہ کی طرح بابا سے فرینک کیوں نہ ہو سکی، وہ ان کی طرح ان سے ہر بات کیوں نہیں کرتی، آج اسے احساس ہوا کہ اگر وہ ان سے فرینک ہوتی، ہر بات کرتی، تو یقیناً بابا کو اندازہ ہوتا کہ وہ کچھ بھی ایسا نہیں کر سکتی۔

''اترو عروبہ!'' گاڑی رکی، ساتھ ہی فارقلیط حسن نے اسے پکارا، وہ خیالوں کی دنیا سے پلٹی، سامنے بابا کا گھر تھا، اس کا گھر، جہاں اس نے زندگی کے انیس سال گزارے تھے، جس کے کونے کونے سے اسے پیار تھا، جس کے افراد سے اسے بے پناہ محبت تھی۔

''عروبہ آؤ نیچے۔'' فارقلیط حسن نیچے اترا اور دوسری طرف سے آ کر اس کی سائیڈ والا دروازہ کھولا، وہ اس کی سمت دیکھتی رہی اور پھر گاڑی سے نیچے اتر گئی، ڈور بیل بجاتے ہی دروازہ کھلا تھا۔

''ہمیں غضنفر صاحب سے ملنا ہے۔ فارقلیط حسن نے چوکیدار سے کہا، وہ دونوں آگے بڑھنے لگے تھے، کہ چوکیدار ان کے راستے میں آ گیا۔

''آپ لوگ آگے نہیں جا سکتے۔'' اس کی بات پر وہ دونوں چونکے تھے، فارقلیط حسن نے عروبہ غضنفر کے زرد پڑتے چہرے کو دیکھ کر اس کا ہاتھ پکڑا اور آگے بڑھنے لگا۔

''تم کون ہوتے ہو ہمیں روکنے والے، یہ عروبہ کا گھر ہے، یہ جب چاہے یہاں آئے۔'' وہ دو قدم چلے ہوں گے کہ چوکیدار پھر سے ان کے راستے میں آ کھڑا ہوا۔

''دیکھیں صاحب، یہ بیگم صاحبہ کا حکم ہے، آپ لوگ کیوں میری نوکری کے پیچھے پڑے ہیں۔'' وہ تیزی سے انٹر کام کی طرف بڑھا اور

اندر اطلاع کر دی، صوفیہ اڑتی ہوئی وہاں پہنچ گئیں، عروبہ کو سامنے دیکھ کر ان کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

”بہت ڈھیٹ اور بے غیرت ہو تم۔“ اس سے پہلے کہ وہ دونوں کچھ کہتے، انہوں نے گوہر افشانی شروع کر دی، عروبہ نے سہم کر فارقلیط حسن کی طرف دیکھا۔

”یہ آپ سے نہیں اپنے بابا سے ملنے آئی ہے اور اس لئے آپ اسے روک نہیں سکتیں۔“ فارقلیط حسن ان کے غصے سے ذرا مرعوب نہ ہوا۔

”اس کا باپ اس کی شکل تک نہیں دیکھنا چاہتا، اس کو سمجھاؤ یہ بات۔“ وہ نفرت سے پھنکاریں۔

”آپ ہٹ جائیں ہمارے راستے سے۔“ وہ اسے لے کر آگے بڑھا۔

”دیکھو، وہ ابھی آفس سے نہیں آئے، میں نے بہت مشکل سے سمجھا بجھا کر انہیں بھیجا ہے، میں نہیں چاہتی کہ تھکے ہارے گھر آئیں اور سامنے اسے دیکھ کر ان کا موڈ آف ہو جائے۔“ انہیں پریشانی تھی کہ کہیں غضنفر واپس نہ آ جائیں اور عروبہ کو سامنے دیکھ کر پدرانہ محبت اور شفقت جاگ اٹھے۔ پھر فارقلیط حسن بھی انہیں بہت چالاک لگتا تھا، اس لئے وہ ہرگز نہ چاہتی تھیں کہ وہ دونوں ان سے ملیں۔

”آپ کیا چاہتی ہیں، کیا نہیں، اس سے ہمیں کوئی concern نہیں ہے، ہم ان کا انتظار کر لیں گے، آپ بے فکر رہیں۔“ وہ عروبہ کو لے کر آگے بڑھا تھا، گھبراہٹ کے عالم میں وہ بھی پیچھے آئیں، وہ دونوں جا کر لاؤنج میں بیٹھ گئے تھے۔

”دیکھو تم دونوں یہاں سے چلے جاؤ، اسی میں اس کی عافیت ہے۔“ انہیں شاید گھبراہٹ ہو رہی تھی، کہ اگر اچانک غضنفر واپس آ گئے تو نا جانے کیا ہو گا۔

”عروبہ شاید آپ کی ذہنیت سے واقف نہ ہو، مگر میں اچھی طرح سمجھ گیا ہوں آپ کے منصوبے کو، آپ بے فکر ہو جائیں آج غضنفر انکل سے ملے بغیر ہم نہیں جائیں گے۔“ اس نے صوفے پر پڑا میگزین اٹھا لیا اور دیکھنے لگا۔

”آپ کا داماد پہلی مرتبہ گھر آیا ہے، کوئی خاطر مدارات کریں۔“ اس نے طنز سے کہا تھا، ہاتھ مسلتی ہوئی وہ واپس مڑ گئی تھیں۔

☆☆☆

”اللہ نے تمہیں جڑواں بیٹیاں دی ہیں۔“ غضنفر علی کے لئے یہ خبر خزاں میں بہار کی نوید بن کر آئی تھی، وہ لیٹے ہوئے تھے، پاکستان سے فون آیا تھا اور ان کی ماں نے بتایا تھا، اس خبر کو سنتے ہی ان کا جی چاہ رہا تھا ابھی اڑ کر گھر پہنچ جائیں، ابھی بیٹیوں کو گود میں اٹھا کر خوب ڈھیر سارا پیار کریں۔

”گل افزاء ٹھیک ہے؟“ بے اختیاری میں اس کے منہ سے نکلا تھا، اپنی اس کیفیت پر وہ خود حیران ہوا تھا، بیٹیوں نے دنیا میں آتے ہی ان کے دل میں ماں کے لئے نرم گوشہ پیدا کر دیا تھا، اسے گل افزاء کی بھی فکر ہونے لگی تھی، بار بار فون کرتا، کبھی بچیوں کے متعلق پوچھتا تو کبھی گل افزاء کے متعلق۔

”کل سے وہ گل افزاء کے نمبر پر کال کر رہا تھا، اس کا نمبر بند جا رہا ہے، ذرا بات کروا دیں۔“ تمام ناراضگی، بدگمانی، گلے اور شکوے ختم ہو گئے تھے، وہ اس سے بات کرنے کے لئے بے چین ہو رہا تھا، دل میں سوئی اس کی محبت پھر سے جاگ اٹھی تھی۔

”اسے مبارک دوں گا اور پھر معافی مانگوں

گا اپنے رویے کی کتنا برا سلوک کرتا رہا ہوں میں اس کے ساتھ۔" اسے اپنی زیادتیاں یاد آ رہی تھیں، اپنے رویے پر افسوس ہو رہا تھا۔

"وہ تم سے بات نہیں کرنا چاہتی۔" ماں نے بتایا تو اس کا دل بہت دکھا مگر وہ خاموش رہ گیا، اس نے فون بند کر دیا۔

"ٹھیک کیا تم نے، میں یہی سلوک Deserve کرتا ہوں، بہت رلایا ہے میں نے تمہیں، اتنا تو ناراض ہونا بنتا ہے تمہارا۔" وہ سونے کے لئے لیٹا تو آنکھوں کے سامنے بار بار اس کا رویا ہوا اداس چہرہ آ جاتا۔

دو ہفتوں کا کام ایک ہی ہفتے میں نمٹا کر وہ پاکستان آ گیا تھا، اس کے ہونٹوں پر دلفریب مسکراہٹ تھی، ٹیکسی گھر کے جانب رواں دواں تھی، اس نے کسی کو بھی اپنی آمد کی اطلاع نہیں دی تھی، وہ سب کو اور خاص طور پر گل افزاء کو سرپرائز دینا چاہتا تھا۔

گھر میں داخل ہوا تو غیر معمولی خاموشی کا راج تھا، وہ لاؤنج میں آیا، وہاں کوئی نہ تھا، وہاں سے وہ سیدھا اپنے بیڈروم میں گیا۔

"گل افزاء!" وہ اسے آوازیں دینے لگا، نہ ہی اس کی بیٹیاں وہاں تھیں اور نہ گل افزاء، وہ وہاں سے اپنی ماں کے کمرے میں آ گیا جہاں صوفیہ گود میں بچی کو لئے بیٹھی تھی۔

"السلام علیکم!" اس نے آگے بڑھ کر ننھی گڑیا کو گود میں اٹھا لیا۔

"گل افزاء کدھر ہے اور دوسری گڑیا؟" اس نے بچی کے گال پر پیار کیا، وہ ذرا سا کسمسائی، غضنفر علی کو اس پر بے تحاشا پیار آیا تھا۔

"دیکھو غضنفر جو بات میں بتانے لگی ہوں اس کو حوصلے سے سننا۔" ماں جی نے تمہید باندھی تو غضنفر علی کے اردگرد خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگی تھیں، ان کے بتائے بغیر بھی دل جیسے سب کچھ سمجھ گیا تھا، وہ جان گیا تھا کہ وہ سب کچھ کھو چکا ہے۔

"وہ چلی گئی ہے، کہتی تھی کہ وہ اب غضنفر کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی، آئے تو بتا دینا، ساتھ ہی یہ بھی کہا۔" وہ انہیں بولنے سے روکنا چاہتا تھا اسے ایسا محسوس ہوا جیسے برسوں سے خلا میں معلق اس کا وجود ایک دم سے پاتال میں گرنے لگا تھا، اسے خود کو سنبھالنا ناممکن سا لگ رہا تھا، ماں جی اس کے دل کی حالت سے بے نیاز بولے جا رہی تھیں۔

"دوسری بری خبر یہ ہے کہ......" وہ لحظہ بھر کو رکیں، غضنفر علی نے خالی الذہنی کی کیفیت میں ان کی طرف دیکھا تھا، وہ سوچ رہا تھا اس سے زیادہ بری خبر اور کیا ہو سکتی ہے مگر وہ کچھ نہ کہہ سکا۔

"تمہاری ایک بچی پیدائش کے تھوڑی دیر بعد ہی اس دنیا سے چل بسی۔" غضنفر علی نے چونکتے ہوئے ماں کی طرف دیکھا تھا، وہ بالکل بھی محسوس نہ کر سکا کہ وہ کیسے سپاٹ انداز میں اسے اس کی بیٹی کی موت کی خبر دے رہی ہیں، کوئی دکھ یا گل افزاء کے جانے کا ملال کہیں دکھائی نہ دیتا تھا، اس کے اندر کئی سوال مچل رہے تھے مگر زبان گنگ تھی۔

"تمہیں اس لئے خبر نہ کی کہ پردیس میں پریشان ہو گے، کیا فائدہ ہوگا تمہیں یہ سب کچھ بتانے کا۔" کس آسانی سے انہوں نے اسے بے وقوف بنایا تھا اور وہ بن گیا تھا، صوفیہ اس دوران بہت فاتحانہ انداز سے ان کی طرف دیکھتی رہی تھی۔

اس کا دل یقین نہ کرتا تھا کہ گل افزاء اسے چھوڑ گئی ہے۔

"ضروری نہیں جب آپ واپس آئیں تو

مجھے اپنا منتظر پائیں۔'' وہ اپنے بیڈ روم میں آ گیا، اس کی بیٹی کو صوفیہ سنبھال رہی تھی، غضنفر علی کو اپنا ہوش ہی نہ تھا، اسے ایک گہری اور مسلسل چپ لگ گئی تھی، جلد ہی بڑوں نے مشترکہ فیصلہ کر کے اس کی صوفیہ سے شادی کروا دی تھی، وہ خاموش رہنے لگا تھا، کسی بھی معاملے میں اس نے بولنا چھوڑ دیا تھا۔

بس اس نے صوفیہ سے یہ درخواست کی تھی کہ عروبہ کو کبھی بھی یہ نہ بتائے کہ اس کی ماں کیسی تھی، بلکہ بڑے ہونے پر اسے یہ کہا جائے کہ اس کی ماں مر گئی تھی۔

''اف یہ اتنا بے وقوف تھا، اتنا سب کچھ ہو گیا میرے ساتھ اور مجھے خبر ہی نہ ہوئی، یہ سب کرنے والا کوئی اور نہیں میری سگی ماں تھی۔'' وہ حال کی دنیا میں لوٹ آئے تھے اور بے یقین سے بیٹھے تھے۔

☆☆☆

فردا کے ماموں پاکستان آ گئے تھے، فردا ان سے ملنا چاہتی تھی مگر وہ امی کو مزید کوئی دکھ اٹھاتے نہیں دیکھ سکتی تھی، اس لئے خاموش رہی، وہ امی کے دکھوں کا ذمہ دار اپنے باپ کے علاوہ ماموؤں کو بھی سمجھتی تھی، اسے وہ بھی بہت خود غرض لگتے تھے، امی اس وقت ماموں کے پاس بیٹھی باتیں کر رہی تھیں، وہ کچن میں تھی۔

''دیکھو ساجدہ وہ شخص تمہاری چوائس تھا، ہمیں تو وہ پہلے ہی دن اچھا نہ لگا تھا، تمہاری ضد کے آگے ہار مانی، تمہیں ہم نے اسی دن بتا دیا تھا کہ ہم اس کے معاملے میں کچھ نہیں کر سکتے جب اس نے تمہیں گھر سے نکالا تھا۔'' وہ کس قدر سفاکی سے بول رہے تھے، کمرے کے باہر کھڑی فردا کا جی چاہا تمام ادب اور لحاظ کو بھلا کر اندر جائے اور ماموں کو کھری کھری سنا ڈالے۔

''بھائی جان میں نے انیس سال پہلے اسی طرح آپ کی منت کی تھی اسے ان ظالموں سے لینے کے لئے، آپ لوگوں نے میری ایک نہ مانی، پتا نہیں میری بچی نے کیسے اتنے سال ان لوگوں کے ظلم برداشت کیے ہوں گے، خدا کے واسطے آپ اب میری بیٹی کو ان دکھوں سے بچا لیں جو میں نے اٹھائے، جنہوں نے میری زندگی برباد کر دی، یہ دیکھیں میں ہاتھ جوڑ رہی ہوں۔'' وہ باقاعدہ ہاتھ جوڑ کر منت کرتے ہوئے رو دی تھیں، فردا مزید برداشت نہ کر سکی اور اندر چلی گئی، چائے اس نے سینٹرل ٹیبل پر رکھ دی اور امی کے پاس جا بیٹھی۔

''مت روئیں امی، آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی، ڈاکٹر نے منع کیا ہے ٹینشن لینے سے۔'' اس نے ماموں کو مخاطب کرنے یا ان سے کوئی بھی بات کرنے سے پرہیز کیا، اسے ان سے شدید نفرت محسوس ہو رہی تھی، جی چاہ رہا تھا ان سے کہے وہاں سے چلے جائیں۔

''میری بیٹی کی پوری زندگی خراب ہو گئی، میری طبیعت خراب ہونے سے کیا ہو گا۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھیں۔

''تم شروع سے بہت ضدی ہو ساجدہ، کسی کی نہیں سنتی مانتی، تمہاری اسی ضد نے تمہیں اس نہج پر پہنچایا ہے اور تم نے ابھی بھی کچھ نہیں سیکھا، بات کو سمجھنے کی کوشش کرو، وہ اس شخص کی بیٹی ہے، وہ ہماری کوئی بات نہیں سنے گا، اس لئے کوئی فائدہ نہیں ہے۔'' دروازہ ناک ہوا تھا اور موسیٰ علی اندر آیا تھا، اس نے سیاہ رنگ کا کرتا شلوار پہن رکھا تھا، شانوں پر سیاہ شال تھی، اسے اچانک سامنے دیکھ کر ساجدہ نے جلدی سے چہرہ دوپٹے سے صاف کیا تھا۔

''السلام علیکم!'' اس نے سلام کیا۔

"یہ موسیٰ علی ہے بھائی جان۔" ماموں استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے، انہوں نے تعارف کروایا وہ اٹھ کر اس سے ملنے لگے۔

"اوہ کیسے ہو برخوردار؟" وہ اس سے خوشدلی سے پوچھ رہے تھے، فروا اٹھ کر باہر چلی گئی تھی، اسے اس وقت ماموں بہت برے اور ظالم لگے تھے۔

"امی آپ کتنی بدقسمت ہیں، ہمیشہ آپ کو مطلبی اور سفاک لوگ ملے، جن سے خون کا رشتہ تھا انہوں نے بھی آپ کو ہمیشہ دکھ دیے اور جس سے دل کا رشتہ جوڑا تھا اس نے تو آپ کو ہمیشہ کے لئے دکھوں، رسوائیوں اور تنہائیوں کی اندھی غار میں دھکیل دیا، جس میں سے چاہ کر بھی آپ نہ نکل سکیں، ماموں مجھے آپ سے نفرت ہے، غضنفر علی مجھے آپ سے شدید نفرت ہے، مجھے ہر اس شخص سے نفرت ہے جس نے میری ماں کو تکلیف پہنچائی۔" وہ کچن میں آ گئی تھی، شیلف کو ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے وہ مسلسل آنسو بہا رہی تھی، امی کے دکھ اسے چین نہ لینے دے رہے تھے۔

"فروا!" موسیٰ علی نے گلا کھنکار کر اسے متوجہ کیا تو اس نے جھٹ آنکھیں کھول دیں اور موسیٰ علی سے نظریں ملتے ہی تیزی سے آنسو پونچھنے لگی۔

"معصب گھر پر اکیلا ہے، اگر آپ فری ہیں تو اس کے پاس چلی جائیں۔" اس کے آنسوؤں کو نظر انداز کر کے وہ اسے کہہ رہا تھا۔

"جی۔" وہ نگاہیں جھکا کر باہر کی جانب بڑھ گئی، سر جھٹک کر موسیٰ علی واپس اندر چلا گیا، جہاں ماموں اور ساجدہ آنٹی نے اس سے کچھ ضروری باتیں کرنی تھیں۔

☆☆☆

فارقلیط حسن اور عروبہ غضنفر علی مایوس ہو کر رات کو وہاں سے اٹھ گئے تھے، عروبہ کا دل یہ ماننے سے انکاری تھا کہ اس کے بابا اس سے نفرت کرتے ہیں، ساری زندگی اسے ایسا کبھی محسوس نہ ہوا تھا، مگر گھڑی کی ٹک ٹک کرتی سوئیاں اسے احساس دلا رہی تھیں کہ اس کے ہاتھوں سے بہت قیمتی چیز نکل چکی ہے، اس کے بابا کی محبت اور ان کا اس پر اعتبار۔

"تمہیں ساری رات بیٹھنا ہے تو شوق سے بیٹھو، مگر غضنفر کا کہنا ہے جب تک تم لوگ یہاں سے چلے نہیں جاتے، وہ گھر میں نہیں آئیں گے۔" ان کے بار بار کالز کرنے پر بھی غضنفر علی نے کال ریسیو نہ کی تھی، فی الحال تو وہ دل میں شکر ادا کر رہی تھیں کہ وہ گھر نہیں آئے۔

"جا رہے ہیں، مگر پھر آئیں گے۔" فارقلیط حسن نے اس کا ہاتھ پکڑا اور باہر کی جانب بڑھا۔

"عروبہ تمہیں ذرا بھی شرم ہو تو مزید اپنے باپ کو دکھ نہ دو اور دوبارہ یہاں نہ آنا، پتا نہیں کس مٹی کی بنی ہو تم۔" وہ ہر لڑکی کی طرح باپ سے بہت محبت کرتی تھی، اتنی شدید اور گہری محبت کہ ان کی ناانصافی، اگنور کیا جانا، علیشہ اور نویلہ کو اس سے زیادہ اہمیت دینا خاموشی اور صبر سے برداشت کر لیتی تھی، وہ کبھی بھی باپ سے اور اس گھر سے دور نہ جانا چاہتی تھیں، مگر اسے جانا پڑا تھا اور جانا بھی اچانک اور بہت تکلیف دہ طریقے سے اس کا دل سنبھل ہی نہ پا رہا تھا۔

"بابا!" گھر سے نکل کر وہ گاڑی میں بیٹھنے لگی تو دل کٹنے لگا، اس نے مڑ کر ایک حسرت زدہ نظر گھر پر ڈالی، فارقلیط حسن نے اس کو شانوں سے پکڑ کر گاڑی میں بٹھایا اور خود ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

آنکھوں سے اشکوں کا سیل رواں جاری ہو گیا تھا، تمام رستہ وہ آنسو بہاتی رہی تھی، دل میں جو اتنی امیدیں لے کر آئی تھی وہ سب ٹوٹ گئی تھیں اور اس کے ساتھ تو ہمیشہ ایسا ہی ہوا تھا، جو سوچا اس سے الٹ ہوا، وقت اور حالات نے بھی اس کا ساتھ نہ دیا تھا۔

گاڑی گھر میں داخل ہوئی، وہ فارقلیط حسن سے پہلے ہی بیڈروم میں آ گئی تھی، کچھ ہی دیر میں وہ اندر آیا، عروبہ بیڈ پر لیٹی ہوئی تھی، بازو آنکھوں پر رکھا ہوا تھا۔

''عروبہ!'' وہ اس کے پاس آیا اور اسے پکارنے لگا، مگر جواب ندارد۔

''اٹھ جاؤ، کھانا کھا لو۔'' اس نے جھک کر اس کا بازو ہلایا۔

''مجھے سونے دیں۔'' اس کی آواز کا بھاری پن وہ صاف محسوس کر سکتا تھا، اسے سمجھ نہ آ رہا تھا کہ اسے کیسے تسلی دے، کس طرح اس کی ڈھارس بندھائے، وہ اس وقت بہت تکلیف میں تھی۔

''کھانا کھائے بغیر میں تم کو سونے نہیں دوں گا۔'' وہ اس کی خاموشی سے گھبرا رہا تھا، وہ چاہتا تھا عروبہ بولے، ہنسے، اس کی طرف دیکھے مگر وہ کسی اجڑی بستی کی طرح خاموش، اداس اور ویران لگ رہی تھی۔

''Please, i request you! leave me alone just for tonight۔'' اس نے آنکھوں سے بازو ہٹائے بنا منت بھرے انداز میں کہا، وہ چند ثانیے کھڑا اسے دیکھتا رہا اور پھر دوسری طرف جا کر لیٹ گیا، وہ اسے کچھ وقت دینا چاہتا تھا، تا کہ وہ سنبھل جائے۔

کچھ دیر میں فارقلیط حسن سو گیا تھا، وہ کمرے میں گھبراہٹ محسوس کرنے لگی تو دبے قدموں باہر نکل آئی، ہلکی سی خنک ہوا چل رہی تھی، وہ چلتی ہوئی لان میں آ گئی، آسمان ستاروں سے جگمگا رہا تھا، لان میں موجود پودے اور درخت ہوا کے دوش پر ہولے سے ہل رہے تھے، وہ لان کی نرم گیلی گھاس پر ٹہلنے لگی، دفعتاً وہ رک گئی اور نظریں اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھا۔

''آہ۔'' اس کے منہ سے سسکاری نکلی۔

''چاند بھی تنہا ہے، بالکل میری طرح اور شاید اداس بھی۔'' وہ بغور چاند کی سمت دیکھ رہی تھی۔

''اس کی اپنی کوئی روشنی نہیں ہے اور یہ چمکنے کے لئے سورج سے روشنی لیتا ہے، جیسے میرے پاس اپنا کچھ نہیں ہے اور جینے کے لئے دوسروں کے سہاروں کی تلاش رہی ہے ہمیشہ اور جس دن سورج نے تمہیں روشنی دینے سے انکار کر دیا نا تو بالکل میری زندگی کی طرح تاریک اور بے نور ہو جاؤ گے، اس سے پہلے اپنا کوئی انتظام کر لو۔'' وہ اردگرد سے اور وقت سے لاپرواہ سر اٹھا کر کھڑی چاند سے مخاطب تھی، چاند اس کی باتیں سن کر شاید گھبرا گیا تھا، اس لئے فوراً ہی بادلوں میں منہ چھپا بیٹھا تھا۔

وہ سنگی بینچ پر بیٹھ گئی تھی، سردی کافی زیادہ تھی، مگر وہ ہر احساس سے عاری تھی، اسے اردگرد کا ہوش نہ تھا، اپنی پرواہ نہ تھی، خنک ہوا چل رہی تھی، لان میں موجود پودے اور درخت ہولے ہولے ہل رہے تھے۔

''i love you baba!''۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے، اس نے اپنی زندگی میں جتنی محبت اپنے بابا سے کی تھی اور کسی سے نہیں کی تھی، یہ بات وہ ان سے کبھی نہ کہہ سکی تھی، لیکن اب یہ بات انہیں بتانے کے لئے اس

کا دل مچل رہا تھا، مگر انہوں نے اسے ہمیشہ کے لئے خود سے دور کر دیا تھا، یہ حسرت دل میں لے کر آج تک وہ کسی اچھے وقت کی منتظر رہی تھی، مگر وقت کو بھی شاید اس سے کوئی دشمنی تھی، کبھی اس کا ساتھ نا دیا تھا۔

☆☆☆

انیس سال دھوکے میں گزار دینے کے بعد غضنفر علی پر جو حقیقت آشکار ہوئی تو اس نے انہیں ہلا کر رکھ دیا تھا، وہ شاکڈ تھے، انہیں یقین نہ آ رہا تھا کہ ان کی سگی ماں اور سگی بہن گل افزاء کو گھر سے نکالنے کے لئے اتنی ظالمانہ اور بے رحمانہ پلاننگ کیسے کر سکتی ہیں، ایسا صوفیہ کی خواہش پر ہوا تھا۔

''بہت بڑا ظلم کیا میں نے تم پر اور تمہاری بیٹیوں پر گل افزاء، شام سے رات ہو رہی تھی لیکن وہ گھر نہ گئے تھے۔''

''تم تو بہت معصوم تھی، پھر میں کیسے بھٹک گیا، کیسے مان لی ان سب کی باتیں، تم نے کتنی منتیں کیں، واسطے دیے محبت کے ہر طرح سے یقین دلانے کی کوشش کی، مگر میری آنکھوں پر ان تینوں نے شک کی ایسی پٹی باندھ دی تھی کہ مجھے تمہاری ہر بات جھوٹ اور فراڈ لگتی تھی، میں نے تمہاری کسی بات پر یقین نہ کیا۔'' وہ سر کو دونوں ہاتھوں میں تھامے بیٹھے تھے، ان کے موبائل پر بار بار صوفیہ کی کالز آ رہی تھیں، انہوں نے موبائل فون آف کر دیا۔

''کیا محسوس کیا ہوگا اس نے جب ان لوگوں نے اسے گھر سے نکالا ہوگا۔'' انہیں ایک ایک لمحہ ایک ایک بات یاد آ رہی تھی۔

''چھوٹی سی بچی کو لے کر وہ کہاں گئی ہوگی، اس کے بھائی تو ہماری شادی کے خلاف تھے، کیا انہوں نے اسے accept کیا ہوگا؟'' انہیں اپنا دل بند ہوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

''وہ اپنی بیٹی کے لئے کتنا تڑپی ہوگی، روئی ہوگی، نا جانے کیسے رہتی ہوگی اس کے بغیر، اس نے کئی بار مجھے فون کیے، مجھ سے کانٹیکٹ کرنے، بات کرنے کی کوشش کی، مگر میں نے اسے صفائی کے لئے بھی کوئی موقع نہ دیا۔'' غضنفر علی کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، دکھ اور پچھتاوؤں کی آگ انہیں جھلسا رہی تھی، انہیں اپنا نہیں گل افزاء کا دکھ رلا رہا تھا۔

''میں کیسے اتنا ظالم بن گیا تھا، اسے ایک موقع تو دیتا، اس کی ایک فون کال تو سنتا۔'' آفس کے اندھیرے کمرے میں بیٹھے وہ دھاڑیں مار مار کر رو رہے تھے، انیس سال اس سے اور اپنی بیٹی سے دور رہے تھے، آج جو انکشاف ہوا اس نے انہیں بری طرح توڑ پھوڑ دیا تھا۔

''ٹھیک ہے، مت سنئیں میری بات، میری دعا ہے آپ کو بہت خوشیاں ملیں، بہت سارے پچھتاوؤں کے ساتھ۔'' اس نے روتے ہوئے فون بند کر دیا تھا، اس کی یہ آخری منتیں، آخری سسکیاں جو غضنفر علی نے سنی تھیں اسے انیس سال سے چین کرتی رہی تھیں، کوئی بھی خوشی ملنے پر وہ خوش ہونے کے بجائے اداس اور غمگین ہو جاتا تھا۔

''تو یہ تمہاری بد دعا تھی گل افزاء جس نے انیس سال میرا پیچھا کیا، مجھے خوشیوں پر بھی اداس کیا، میں تمہارا مجرم ہوں، تمہاری خوشیوں اور آرزوؤں کا قاتل ہوں، کیا میں تمہارا سامنا کر سکتا ہوں؟ کیا میں تم سے نظریں ملا سکتا ہوں؟ کیا تم مجھ سے بات کرو گی؟'' طرح طرح کے سوال اس کے اردگرد شور مچا رہے تھے۔

''ہائے گل افزاء، میری گل افزاء میری محبت، میری پہلی اور آخری محبت۔'' وہ بچوں کی

طرح رو رہے تھے، انیس سال سے ضبط کیے ہوئے آنسو جو نکلے تھے تو تھمنے کا نام نہ لے رہے تھے۔

وہاں انہیں دیکھنے والا کوئی نہ تھا، وہ تنہا ہی آنسو بہاتے رہے، کبھی چپ ہو جاتے اور کوئی بات یاد آ جاتی تو پھر رونے لگتے تھے۔

''میں نے بہت ظلم کیا، اماں آپ نے بہت ظلم کیا، پتا نہیں ماؤں کو اپنی انا بیٹوں سے زیادہ عزیز کیوں ہوتی ہے، بیٹوں سے شدید محبت کی دعویدار مائیں، بہوؤں کے ساتھ برا کرتے ہوئے یہ کیوں نہیں سوچتیں کہ وہ درحقیقت اپنے بیٹے کی زندگی برباد کر رہی ہیں۔'' ان کی باتوں کا جواب دینے کے لئے وہاں کوئی نہ تھا۔

☆☆☆

''نویلہ!'' صوفیہ ایک مرتبہ پھر اس کے بیڈ روم کے باہر آ کر کھڑی ہوئی تھیں، انہیں اس کی بہت فکر تھی، وہ ان کی کوئی بھی بات سننے کو تیار نہ تھی، سخت پریشانی کے عالم میں ایک مرتبہ پھر وہ اس کا ڈور ناک کر رہی تھی۔

''پلیز باہر آ کر تھوڑا سا کھانا کھا لو۔'' غضنفر علی بھی کال رسیو نہ کر رہے تھے، ان سے رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے الگ پریشانی تھی، عروبہ اور فارقلیط کی تلوار بھی سر پر لٹک رہی تھی، ایسے میں نویلہ کی ناراضی انہیں ہولائے دے رہی تھی۔

''مجھے نہیں کھانا کچھ بھی، آپ مجھے ڈسٹرب مت کریں۔'' اس کا بھیگا اور بھاری لہجہ ان کی جان نکال رہا تھا، مگر وہ ان کی کوئی بات نہ سننا چاہتی تھی۔

''نویلہ! میری جان تمہارے پاپا ابھی تک گھر نہیں آئے، میں بہت پریشان ہوں، تم انہیں کال کرو، مجھے بہت فکر ہو رہی ہے۔'' اسی وقت غضنفر علی نے قدم اندر رکھا تھا۔

''پاپا کو بھی آپ نے ناراض کیا ہے، آپ نے ان کے ساتھ بھی اچھا نہیں کیا، ماما آپ نے بہت غلط کیا ہے ہم سب کے ساتھ۔'' صوفیہ کی نظر غضنفر علی کے لٹے پٹے حلیے اور شکستہ انداز پر پڑی تو ان کے قدموں تلے سے زمین کھسکنے لگی۔

''آ...... آپ...... کب آئے؟'' وہ تیزی سے ان کے قریب آئیں۔

''میں نے کتنے فون کیے، آپ نے میری کال کیوں رسیو نہیں کی؟ میں اتنی زیادہ پریشان تھی۔'' وہ ان کی سرخ آنکھوں کو بغور دیکھتے ہوئے بولیں، غضنفر علی نے آگے بڑھ کر نویلہ کے روم کا ڈور ناک کیا۔

''نویلہ! دروازہ کھولو۔'' صوفیہ کی جان پر بن آئی تھی، انہیں ڈر تھا کہ نویلہ باپ کے سامنے کوئی ایسی ویسی بات نہ کر دے جس سے ان کا بنا بنایا کھیل خراب ہو جائے، نویلہ نے باپ کی ایک آواز پر ہی دروازہ کھول دیا تھا۔

''پاپا!'' سامنے باپ کو دیکھ کر اس کا درد دل اور بڑھ گیا تھا۔

''کیا بات ہے بیٹا؟'' وہ ان کے سینے پر سر رکھے سسک رہی تھی، وہ ان کی بہت لاڈلی تھی، دونوں میں بہت دوستی اور فرینک نیس تھی، مگر پھر بھی وہ اس کے باپ تھے، فطری شرم اور جھجک اسے ان سے اپنا درد بیان کرنے سے روک رہی تھی۔

''بتاؤ بیٹے کیا بات ہے جو آپ نے یہ حلیہ بنا رکھا ہے، کیوں اس طرح سے رو رہی ہو؟'' صوفیہ کا سانس حلق میں ہی اٹک گیا تھا، وہ خوفزدہ نظروں سے ان باپ بیٹی کو دیکھ رہی تھی۔

''نویلہ کیا بے وقوفی ہے، کیوں اپنے پاپا کو پریشان کر رہی ہو، وہ تھکے ہوئے آئے ہیں۔'' اچانک جیسے انہیں ہوش آیا تھا، آگے بڑھ کر نویلہ کو

ان سے الگ کیا۔

''آئے ایم سوری پاپا!'' وہ آنسو پونچھتی ہوئی واپس اپنے روم میں چلی گئی، غضنفر علی مڑے اور اپنے بیڈروم کی جانب بڑھے۔

''آپ کے لئے کھانا گرم کروں؟'' وہ ان کے پیچھے آئیں، غضنفر علی اپنے روم میں آئے، کوٹ بیڈ پر اچھالا اور صوفے پر جا بیٹھے، صوفیہ نے آگے بڑھ کر کوٹ اٹھا لیا۔

''آپ کو صوفیہ جیسی شاطر عورت ہی سوٹ کرتی ہے غضنفر جسے سب کو اور خاص طور پر مردوں کو الو بنانا آتا ہے، مجھے یہ سب نہیں آتا، افسوس اسی لئے میں آج بری اور باقی سب اچھے اور سچے ہیں۔'' وہ آنکھیں موندے صوفے سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے، ماضی کی ایک آواز چاروں طرف گونج رہی تھی، کوٹ ہینگ کرکے وہ واپس آئی تھیں۔

''کھانا۔''

''Just leave me alone۔'' اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی وہ بول اٹھے تھے۔

''میں بہت تھک گیا ہوں، پلیز مجھے آرام کرنے دو۔'' وہ اٹھ کر اسٹڈی روم میں آ گئے تھے، صوفیہ فوراً ان کے پیچھے آئی تھیں۔

''چائے یا کافی لیں گے؟''

''صوفیہ پلیز۔'' وہ ایزی چیئر پر بیٹھے تھے، ان کی آواز سن کر آنکھیں کھولیں۔

''کیا ہو گیا ہے آپ کو غضنفر؟'' ان سے صبر نہ ہوا تو پوچھ بیٹھیں۔

''صبح آفس جاتے ہوئے تو آپ کا موڈ بالکل ٹھیک تھا، پھر اب کیا ہو گیا؟''

''ٹھیک ہے، میں گھر سے باہر چلا جاتا ہوں۔'' وہ اٹھ کر جوتا پاؤں میں پہننے لگے۔

''ایسا مت کریں، میں چلی جاتی ہوں۔'' وہ باہر نکل گئیں، غضنفر علی نے نیم دراز ہوتے ہوئے آنکھیں موند لیں۔

''غضنفر حقیقت وہ نہیں ہے جو آپ کو دکھائی جا رہی ہے، آپ میرا یقین کیوں نہیں کرتے، جب آپ کو میرا یقین آئے گا تو وقت بہت دور نکل چکا ہو گا، آپ کے پاس سوائے پچھتاوؤں کے اور کچھ نہ ہو گا اور پھر ضروری نہیں ہے کہ آپ پلٹیں تو مجھے انہی رستوں پر اپنا منتظر پائیں۔'' ایک اداس، بھیگا اور دھیما لہجہ ان کی سماعتوں سے ٹکرایا تو وہ بے چین ہو اٹھے۔

''گل افزاء!'' انہوں نے آنکھیں جھٹ کھولیں، مگر وقت ان کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔

☆☆☆

فارقلیط حسن کی آنکھ کھلی تو نظر فوراً اپنے پہلو میں خالی بیڈ پر گئی، وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''عروبہ!'' وہ اسے آوازیں دیتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا، مگر وہ کمرے میں کہیں نہ تھی، وہ فوراً باہر آ گیا، تھوڑی سی تلاش کے بعد اسے وہ لان میں مل گئی۔

''عروبہ!'' سنگی بینچ پر بیٹھی وہ پتھر کی کوئی مورتی لگ رہی تھی، وہ تیزی سے اس کے قریب آیا، اس کے پکارنے پر بھی اس کے وجود میں کوئی جنبش نہ ہوئی، وہ آ کر اس کے برابر میں بیٹھ گیا اور بازو اس کے شانے کے گرد پھیلا لیا۔

''ایسے سردی میں کیوں آ کر بیٹھ گئی ہو؟'' وہ نرمی سے بولا۔

''نیند نہیں آ رہی تھی۔'' مجبوراً اسے بولنا پڑا۔

''مجھے جگا لیتی؟'' اس نے عروبہ کا ہاتھ تھام لیا، وہ خاموش رہی۔

''زندگی یہی ہے Unexpected اور

Unpredictable اس میں ہمارے ساتھ وہ ہی ہوتا ہے جو کچھ ہم نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوتا۔" وہ دھیمے لہجے میں اسے سمجھا رہا تھا، وہ خاموشی سے سن رہی تھی، کوئی بات کوئی لفظ اس کے بے چین اور بے قرار دل کو سکون نا پہنچا رہا تھا، فارقلیط حسن سوچ بھی نا سکتا تھا اس نے زندگی میں کتنے دکھ اٹھائے ہیں۔

"آؤ اندر چلیں۔" اس کا ہاتھ پکڑ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا، اسے بیڈ پر لٹا کر وہ بچوں کی طرح اسے تھپتھپا رہا تھا، وہ آنکھیں موندے لیٹی تھی، اس کا ہاتھ ابھی بھی فارقلیط حسن کے ہاتھ میں تھا۔

"آہ۔" ایک دم اس کے منہ سے سسکاری نکلی تھی، ساتھ ہی اس نے آنکھیں کھول دی تھیں۔

"سو جاؤ، میں تمہارے پاس ہوں۔" اس نے عروبہ کا گال تھپتھپایا تھا، اس نے آنکھیں دوبارہ موند لی تھیں اور پھر تمام رات عروبہ غضنفر کا ہاتھ فارقلیط حسن کے ہاتھ میں رہا تھا، فارقلیط حسن جلد ہی سو گیا تھا، مگر نیند عروبہ کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی، وہ آنکھیں موندے لیٹی رہی۔

☆☆☆

سڑکوں پر اب صرف کچھ منچلے رہ گئے تھے جو نیو ائیر کو ویلکم کہنے کے لئے بیتاب تھے، اپنی ہی لاش کو اپنے کندھوں پر اٹھائے وہ تھک چکی تھی، اس کے رخساروں پر بارش کی بوندیں اور آنسو گڈ مڈ ہو رہے تھے، مگر وہ اپنے آنسوؤں کی پہچان رکھتی تھی، جو اس کے غم اور دکھ کی آگ میں جل کر خوب گرم ہو رہے تھے، جبکہ بارش کے قطرے تو ٹھنڈے تھے۔

"کہاں ہے میری منزل؟" وہ غم کی شدت سے نڈھال تھی، دماغ ماؤف ہو رہا تھا، کچھ سمجھ نہ آتا تھا کیا کرے اور کہاں جائے۔

"کہاں ہے میرا ٹھکانہ؟" دل نے اس سے سوال کیا تھا، جس کا اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا اور اسے جواب دینے والا وہاں کوئی اور بھی نا تھا۔

"سدھر جاؤ؟" اس نے سر اٹھا کر آسمان کی جانب دیکھا تھا، اچانک سے بجلی چمکی تھی اور بارش نے مزید زور پکڑ لیا تھا، اس کے ہاتھ اور پاؤں ٹھنڈے برف ہو چکے تھے۔

وہ سر سے پاؤں تک بارش میں بھیگ چکی تھی، بیٹے کے بعد بیٹی نے بھی اسے دھتکار دیا تھا، اس کا دکھ سننے کی زحمت نہ کی تھی، اس کی قسمت میں محبت وفا اور خلوص تو شاید نام کو بھی نا تھی، اس کی زندگی ہمیشہ سے ہی سراپا انتظار تھی آج جو غم اسے ملا تھا اس کی تکلیف کی شدت کم ہونے کی بجائے بڑھتی جا رہی تھی، اسے دلاسا دینے والا چپ کروانے والا، کوئی نہ تھا، اس کے آنسو پونچھنے کے لئے کوئی نا تھا، وہ کل بھی اکیلی تھی اور آج بھی اکیلی تھی، وہ ہمیشہ سے اکیلی تھی۔

☆☆☆

عیسٰی احمد کو شاہ زیب سے پتا چلا تھا کہ عروبہ کی شادی اس کے دوست سے ہوئی ہے، اس نے بہت دل کو سمجھایا، روکا، مگر وہ نہ مانا، بالآخر وہ ان راہوں پر چل پڑا جن پر چلنے سے دماغ اسے مسلسل روک رہا تھا۔

وہ ماموں کی گاڑی لے کر آیا تھا، جیسے جیسے عروبہ کا گھر قریب آ رہا تھا اس کا دل بے قابو ہوتا جا رہا تھا، دھڑکنیں اپنا رستہ بھول رہی تھیں، گاڑی گیٹ کے باہر روکے وہ کھڑکی میں سے سامنے دیکھ رہا تھا۔

اس کی ادھوری محبت، نا تمام آرزوؤں،

تمناؤں اور خوشیوں کا مرکز اس فلک بوس محل میں موجود تھا، گاڑی لاک کر کے وہ گیٹ تک آیا تھا، اس نے گارڈ سے اپنا تعارف عروبہ کے کزن کے طور پر کروایا تھا، ملازم اسے ڈرائینگ روم میں چھوڑ گیا تھا، سامنے دیوار پر انلارج تصویر لگی ہوئی تھی، جس میں یقیناً وہ عروبہ کا شوہر تھا، بلاشبہ وہ بہت خوبصورت تھا، اس کے ساتھ ایک بڑی عمر کا مرد شاید اس کا باپ تھا۔

عیسٰی احمد سے انتظار کرنا دوبھر ہو گیا تھا، دو منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ باہر سے قدموں کی چاپ ابھرنے لگی، وہ چوکنا ہو گیا، دروازہ کھلا تھا اور عروبہ اندر داخل ہوئی، اسے سامنے دیکھ کر وہ اپنی جگہ پر منجمد ہو گئی، عیسٰی احمد اٹھ کھڑا ہوا تھا، وہ بے یقین نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

’’السلام علیکم!۔‘‘ اس نے سلام کیا، جس کا عروبہ نے جواب نہیں دیا تھا، چند ثانیے وہ کھڑی اسے دیکھتی رہی اور پھر واپس مڑی، قبل اس کے وہ باہر نکل جاتی عیسٰی احمد نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

’’عروبہ صرف ایک بار میری بات سن لیں، اس کے بعد جو چاہیں سزا دیں، میں تیار ہوں۔‘‘ اس نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی مگر عیسٰی احمد کی گرفت مضبوط تھی۔

’’سننے اور سنانے کا وقت گزر گیا عیسٰی صاحب۔‘‘ وہ بولی تو طنز کی گہری کاٹ اس کے لہجے میں نمایاں تھی۔

’’اور اب سننے کو کچھ باقی نہیں رہا، میں آپ کی کوئی جھوٹی Explanation نہیں سننا چاہتی، اس لئے بہتر یہی ہو گا کہ آپ یہاں سے چلے جائیں۔‘‘ وہ ہاتھ چھڑا کر باہر کی جانب بڑھی تھی، عیسٰی احمد نے آگے بڑھ کر اس کا راستہ روکا تھا۔

’’اگر آپ نے آج میری بات نہ سنی تو تمام عمر پچھتائیں گی، صرف ایک بار۔‘‘

’’میرے پاس آل ریڈی پچھتاؤوں کے سوا کچھ نہیں ہے، ایک اور سہی۔‘‘ وہ کسی طرح بھی اس کی بات سننے کو تیار نہ تھی، یہاں آنے سے قبل عیسٰی احمد کو اندازہ نہ تھا کہ اس کا ری ایکشن اتنا شدید ہو گا۔

’’اور جب کسی کو اپنے ہاتھوں سے جان بوجھ کر قتل کیا جاتا ہے نا عیسٰی احمد صاحب تو پھر اس کی قبر پر آ کر اس کا مذاق نہیں اڑانا چاہیے، قاتل کبھی اندازہ نہیں کر سکتا کہ قبر میں اس پر کیا بیت رہی ہے۔‘‘ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ سرد لہجے میں بولی تھی۔

’’آپ نے بالکل ٹھیک کہا تھا مجھے انسانوں کی بالکل پہچان نہیں ہے، میں کبھی بھی دوست اور دشمن کی پہچان نہ کر سکی، اپنے اردگرد رہنے والوں کو اپنا ہمدرد اور دوست سمجھتی رہی، پتا نہیں میں یہ کیسے بھول گئی کہ زندگی میں مجھے ہمیشہ زیادہ دکھ ان لوگوں سے ملے جنہیں میں نے زیادہ عزت دی، اہمیت دی، اپنا ہمدرد جانا، میری زندگی کا یہی المیہ ہے۔‘‘ اس کی آواز ابھرنے لگی۔

’’پتا نہیں میں نے کیوں آپ کو اپنا ہمدرد سمجھ لیا تھا۔‘‘ اس کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں، سر جھکائے وہ لب کاٹتے ہوئے اس پانی کو باہر نکلنے سے روک رہی تھی۔

’’عروبہ اس رات جو ہوا، میرا یقین کرو میرے فرشتوں کو بھی علم نہ تھا، کہ ایسا کچھ بھی ہونے والا ہے۔‘‘ اس نے بات کا آغاز کیا، عروبہ نے آنکھیں دوپٹے سے پونچھ ڈالیں اور اس کی طرف دیکھا۔

’’میں کچھ بھی دہرانا نہیں چاہتی، میں اس وقت کے متعلق کوئی بات سننا یا کہنا نہیں چاہتی۔‘‘

عیسیٰ احمد کو سمجھ نہ آ رہا تھا کہ کیسے اپنی پوزیشن کلیئر کرے، وہ تو کچھ بھی سننے پر آمادہ نہ تھی۔

''آپ میرا ساتھ دیں، میں آپ کو اب بھی اپنی زندگی میں شامل کرنا......''

''شٹ اپ مسٹر عیسیٰ احمد۔'' دروازے کے ہینڈل پر دھرا فارقلیط حسن کا ہاتھ وہیں رک گیا تھا۔

''آپ نے ایسا سوچا بھی کیسے کہ میں اپنے شوہر سے بے وفائی کروں گی۔'' اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

''اس شخص سے...... جس نے...... ایسے وقت میں میرے ننگے سر کو ڈھانپا جب میرے سب اپنے کھڑے میرا تماشا دیکھ رہے تھے، مجھ پر کیچڑ اچھالنے والے بھی اپنے تھے، مجھے چھوڑ کر بھاگنے والے بھی مجھ سے محبت اور ہمدردی کے دعویدار تھے، اس شخص سے میری کوئی کمٹ منٹ نہ تھی، اس نے کبھی میرے سامنے کوئی دعویٰ نہ کیا تھا، وہ تو مجھے جانتا ہی نہ تھا، مگر اس نے مجھے معتبر کیا، مجھے عزت دی، مجھے اپنے گھر اور زندگی میں جگہ دی، وہ مجھے رونے نہیں دیتا، میرے آنسو اسے بے چین کر دیتے ہیں، میں تو اس شخص کی مقروض ہو گئی ہوں، میری ہر سانس اس کی قرض دار ہے، اسے چھوڑ دوں آپ جیسے جھوٹے اور دھوکے باز شخص کے لئے۔'' وہ بولنے پر آئی تو بولتی چلی گئی، آنسو ایک تواتر سے اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے، مگر جیسے اسے خبر ہی نہ تھی اور کچھ ہوش نہ تھا۔

''عردبہ میں اس رات بھاگا نہیں تھا، میری ماما......''

''مجھے اب اس سے کوئی Concern نہیں ہے کہ آپ بھاگے تھے یا نہیں، میں نے زندگی میں کبھی کسی سے نفرت نہیں کی، مجھے نفرت کرنا ہی نہیں آتی، میری سرشت میں ہی شامل نہیں ہے، مگر عیسیٰ احمد......'' وہ لمحہ بھر کو رکی۔

''میرے دل میں جو فیلنگ آپ کے لئے ہیں شاید اسی کو نفرت کہتے ہیں، میں شدید نفرت کرتی ہوں آپ سے، دوبارہ آپ کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی، زندگی میں سامنا ہو بھی جائے تو میرا راستہ مت روکنا، کیونکہ بار بار اظہار نفرت آپ سننا پسند نہیں کریں گے۔'' وہ روتی ہوئی باہر نکلی تھی، سامنے کھڑے فارقلیط حسن کو دیکھ کر اس کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی، وہ آگے بڑھی۔

''فارقلیط حسن!'' اس نے روتے ہوئے اسے پکارا اور اس کے سینے پر سر رکھے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی، فارقلیط حسن نے بازو اس کے اردگرد پھیلا لیا دوسرا ہاتھ اس کے سر پر پھیرنے لگا۔

''Be brave my dear۔''

ڈرائنگ روم کا دروازہ کھلا تھا اور لٹا پٹا عیسیٰ احمد باہر نکلا تھا، سامنے جو منظر تھا وہ اس کے لئے ناقابل برداشت تھا، کچھ دیر کھڑا وہ ان دونوں کو دیکھتے ہوئے اپنا ضبط آزماتا رہا اور پھر باہر جانے لگا کہ اچانک عردبہ نے سر اوپر اٹھایا، عیسیٰ احمد رک گیا۔

''مجھے معاف کر دیں۔'' وہ ہاتھ جوڑے کھڑا تھا۔

''چلے جائیں۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''چلے جائیں میری نظروں کے سامنے سے۔'' وہ زور زور سے روتے ہوئے کہہ رہی تھی، عیسیٰ احمد کی نظروں کے سامنے سارا منظر دھندلانے لگا تھا، اس نے حسرت زدہ نظروں سے فارقلیط حسن کے ہاتھ میں موجود عردبہ غضنفر کے ہاتھ کو دیکھا تھا اور باہر کی جانب بڑھ گیا۔

گاڑی میں بیٹھ کر وہ اس کے گھر کی طرف دیکھ رہا تھا، اس کا جی چاہ رہا تھا وہ وہیں کھڑا رہے، تمام عمر ایسے ہی گزار دے، اس کے دل میں بہت زور کا درد اٹھا تھا، اس نے سر اسٹیئرنگ وہیل پر رکھ دیا تھا۔

☆☆☆

عیسیٰ احمد کے والدہ صوفیہ کی گھٹیا حرکت اور پلاننگ کا راز فاش کرنے کے لئے غضنفر علی سے ملنے کے لئے آئے تھے، مگر شومئی قسمت کہ غضنفر علی گھر پر نہ تھے، صوفیہ کے چہرے پر شرمندگی کا شائبہ تک نہ تھا، اسے اپنے کیے پر کوئی افسوس نہ تھا۔

''دیکھو میری بات سنو۔''

''اب تمہاری کیا بات سنوں، کچھ کہنے سننے کو چھوڑا ہے تم نے، زندگی میں پہلی مرتبہ میرا بیٹا پاکستان آیا اور تم نے اس کے ساتھ یہ سلوک کیا، صوفیہ تمہیں ذرا خدا کا خوف نہیں آیا۔'' وہ غصے سے پھٹ پڑی تھیں، ان کا اکلوتا بیٹا ان کی سگی بہن کے اس گھناؤنے کھیل کی وجہ سے کرب سے گزر رہا تھا۔

''رافعہ میں تمہیں سب بتاتی ہوں۔''

صوفیہ نے پھر بولنا چاہا۔

''مجھے سب کچھ میرا بیٹا بتا چکا ہے، مزید کچھ سننے کی خواہش ہے نا ہمت، تمہیں پورے خاندان میں میرا بیٹا ہی ملا تھا اس سازش کے لئے۔''

''وہ پہلی مرتبہ کسی کزن سے فرینک ہوئی تھی، ورنہ تو کسی سے بات بھی نہیں کرتی تھی اور پھر وہ تمہارے بیٹے کے قابل نہ تھی۔'' وہ جلدی سے بات بدلتے ہوئے بولی۔

''یہ فیصلہ کرنے والی تم کون ہوتی ہو کہ وہ میرے بیٹے کے قابل نہ تھی، صوفیہ تمہاری اپنی بھی دو بچیاں ہیں، ذرا خدا کا خوف نہ آیا تمہیں۔''

اب کی بار جواب عیسیٰ کے ڈیڈی نے دیا تھا۔

''اونہہ، خدا کا خوف۔'' رافعہ نے سر جھٹکتے ہوئے طنز سے کہا۔

''خدا کا خوف تو اس وقت نہ آیا اسے جب اس نے غضنفر کے دل میں گل افزاء کے لئے شک ڈالا کہ اس کا ظفر سے افیئر چل رہا ہے، نہ ہی اس وقت خدا سے ڈر لگا جب اس بیچاری کی منت سماجت کے باوجود اس نے پھپھو کے ساتھ مل کر اسے اس وقت گھر سے نکالا جب اس کی دو دن کی بچیاں گود میں تھیں، اس سے بڑھ کر ظلم یہ کیا کہ ایک بچی اسے دے دی اور ایک کو رکھ لیا، غضنفر سے جھوٹ بولا کہ دوسری بچی مر گئی، خدا کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے صوفیہ۔'' لاؤنج کے دروازے سے باہر کھڑے غضنفر علی پر تو دوہری قیامت ٹوٹ گئی تھی، وہ چند ثانیے غائب دماغی کیفیت میں وہیں کھڑے رہے اور پھر اندر داخل ہو گئے۔

''غض...... نفر......آ...... پ۔'' انہیں سامنے دیکھ کر صوفیہ کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی، جب کہ باقی دونوں افراد ان کے چہرے پر پھیلتے زلزلے کے آثار سے اندازہ لگا چکے تھے کہ انہوں نے سب سن لیا ہے۔

''تو یہ تھی تمہاری اصلیت، جو اتنے سالوں سے چھپائے ہوئے تھی تم۔'' وہ شکستہ قدموں سے چلتے ہوئے صوفیہ سے چند قدم کے فاصلے پر آ رکے تھے، مارے خوف کے اسے اپنا دم نکلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

''سمجھ نہیں آ رہی کہ تم سے گل افزاء کے ساتھ کرنے والی زیادتی کا حساب مانگوں یا عروبہ پر ڈھانے والے ستم کا، تمہیں ذرا بھی ڈر نہیں لگا خدا سے، اتنے سالوں میں کبھی تمہارے ضمیر نے ملامت نہیں کیا تمہیں؟ تم اتنی بے حس، خودغرض اور بے رحم ہو، کتنا برا کیا میں نے، اس

PAKISTANIPOINT

کی کوئی منت کوئی التجاء مجھ پر اثر نا کر رہی تھی، کیونکہ تم نے میرے دل میں شک کا بیج بو دیا تھا، میری دوسری بیٹی جو باپ کے ہوتے ہوئے تیموں کی طرح پلتی رہی اس کا کیا قصور تھا؟'' صوفیہ بالکل خاموش کھڑی تھی، اس کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا، اس کا اصل چہرہ لمحوں میں بے نقاب ہوا تھا، ایسے کہ اسے سنبھلنے کا موقع بھی نہ ملا تھا۔

''تم کیا سمجھتی ہو گل افزاء کو میرے دل سے نکال دیا تم نے، تم خود گواہ ہو کہ میں اسے ایک دن بھی بھول نہیں پایا، میں آج بھی اس سے محبت کرتا ہوں بالکل ویسے جیسے پہلے دن اس سے کی تھی۔'' علیشہ کے بیڈ روم کا دروازہ کھلا تھا اور وہ باہر آئی تھی، غضنفر علی مڑے اور لاؤنج سے باہر نکل گئے تھے، صوفیہ گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھی تھی، علیشہ تیزی سے ماں کے قریب آئی تھی۔

☆☆☆

آج فروا کا نکاح تھا، جس میں فروا کے ماموں اور امی کے علاوہ صرف گواہوں کے طور پر چھوٹے ماموں اور ان کے کچھ دوست شرکت کر رہے تھے، فروا کسی پارلر سے تیار نہیں ہوئی تھی، بلکہ خود ہی اس نے گھر پر میک اپ کر لیا تھا۔

''عیسیٰ احمد!'' فروا کا دل دوہائی دے رہا تھا۔

''کاش کوئی مجھے اس تباہی سے بچا لے، عیسیٰ احمد میں کیسے تمہارے سوا کسی اور کی ہو سکتی ہوں، آ کر ان سب کو اس ظلم سے روک لو۔'' وہ سر جھکائے بیٹھی تھی، اسی وقت مولوی صاحب اور ماموں اندر آئے تھے، نکاح پڑھایا جانے لگا تھا۔

''فروا گل ولد غضنفر علی آپ کو موسیٰ علی ولد مہروز علی کے نکاح میں باعوض حق مہر ایک لاکھ روپے دیا جاتا ہے آپ کو قبول ہے۔'' عین اس لمحے غضنفر علی نے اندر قدم رکھا تھا، سر جھکائے چادر میں لپٹی بیٹھی فروا یقیناً ان کی بیٹی تھی، اس کے ساتھ بیٹھی وہ بہت کمزور اور اداس یقیناً گل افزاء ہی تھی، غضنفر علی کا دل کسی نے مٹھی میں لے کر مسل ڈالا تھا، ساجدہ کی نظر ان پر پڑی اور پلٹنا بھول گئی، وہ بنا پلکیں جھپکائے انہیں دیکھ رہی تھیں۔

(باقی انشاء اللہ آئندہ ماہ)

اچھی کتابیں
پڑھنے کی عادت ڈالیں

ابن انشاء

اردو کی آخری کتاب .... ☼
خمار گندم .... ☼
دنیا گول ہے .... ☼
آوارہ گرد کی ڈائری .... ☼
ابن بطوطہ کے تعاقب میں .... ☼
چلتے ہو تو چین کو چلیے .... ☼
نگری نگری پھرا مسافر .... ☼
خط انشاء جی کے .... ☼
اس بستی کے اک کوچے میں .... ☼
چاند نگر .... ☼
دل وحشی .... ☼
آپ سے کیا پردہ .... ☼

لاہور اکیڈمی
چوک اردو بازار لاہور
فون: 042-37321690, 3710797

شہر دل کے راستے

تحسین اختر

''موحد پتر یہ پیسے تو بہت کم ہیں۔'' اس بار وہ گاؤں گیا تو اس نے جاتے ہی پندرہ ہزار روپے ماں کے ہاتھ پر رکھے تھے، پہلے تو ماں جتنے پیسے بھی دیتا تھا اس سے لے کر شکر ادا کرتے نہیں تھکتی تھی اور آج جانے ماں کی آنکھوں میں کیا تھا کہ موحد بھی پریشان ہو اٹھا تھا۔

''ماں خیر تو ہے نا، تم ان زیادہ پیسوں کا کیا کرنا ہے۔'' وہ جانتا تھا اس کے باپ کی وفات کے بعد اس کی ماں نے کس طرح کفایت شعاری میں زندگی بسر کی ہے اور اپنے چاروں بچوں کو دنیا کے سرد و گرم سے بچائے رکھا ہے اور کبھی شکوہ کا ایک لفظ تک نہیں بولا۔

''اگر اس مہینے کے آخر تک زیادہ پیسوں کا انتظام نہ ہوا تو پھر......'' وہ ماں سے کچھ پوچھ رہا تھا اور ماں اپنے ہی حساب کتاب میں لگی ہوئی تھی۔

ناولٹ

''ماں کچھ تو بتاؤ کہ تمہیں کتنے پیسے چاہیے اور کیوں؟'' ماں کو پریشان دیکھ کر وہ بھی پریشان ہو گیا تھا۔

''اس مہینے کے آخر تک عابدہ کے سسرال والے شادی کی تاریخ مانگ رہے ہیں، کچھ تیاری تو میں نے کر رکھی ہے، مگر بیٹا پھر بھی معمولی سہی شادی تو شادی ہوتی ہے، چار بہن بھائیوں کو بھی بلانا پڑے گا اور برادری والوں کو بھی، اس کے لئے خرچہ بھی ہوگا اس لئے میں چاہ رہی تھی کہ تم اپنے مالکوں سے بات کرو اگر تمہیں وہ کچھ پیسے ایڈوانس میں دے دیں بعد میں آہستہ آہستہ تنخواہ میں سے کاٹتے رہیں تو موحد پتر ہمارا کام ہو جائے گا، عابدہ اپنے گھر کی ہو جائے گی تو مجھے بھی کچھ سکون آئے گا، حالانکہ سکون کہاں، اس کے بعد راشدہ اور واجدہ کو دیکھو تو وہ بھی میرے سے بھی لمبی ہو گئی ہیں، اس کے بعد ان کی فکر کروں

گی۔“

”عابدہ کے سسرال والے دو چار ماہ ٹھہر نہیں سکتے۔“ ماں نے اسے جو بات بتائی تھی وہ واقعی فکر والی تھی، مگر وہ بھی کیا کرتا، خود داری تو اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، وہ سیٹھ صاحب سے کیسے کہتا کہ مجھے کچھ پیسوں کی ضرورت ہے۔

”دو چار ماہ، پہلے ہی اس کی منگنی کو دو سال ہونے والے ہیں، بے چارے شریف لوگ ہیں آخر کتنا صبر کریں، ایسے تو پتر ہم انہیں ٹالتے رہیں گے، ہمارا تو ہاتھ کبھی کھلا نہیں ہوگا، یہ شادی بھی ہمیں ایسے ہی کھینچ کھانچ کر کرنی پڑے گی۔“

”نہ ماں ایسے نہ کہو، دن پھرتے دیر کہاں لگتی ہے اور پھر ہمارا ہاتھ کھلا کیوں نہیں ہوگا، تم تو مجھے کہا کرتی تھیں کہ مایوسی گناہ ہے اور اب خود مایوسی والی باتیں کر رہی ہو۔“

”پتر زمانہ ہی ایسا ہے یا پھر حالات، مہنگائی نے تو انسانوں کا جینا دوبھر کر رکھا ہے، ایسے میں مایوسی خود بخود آ جاتی ہے۔“

”اچھا ماں تم پریشان نہ ہو، میں کچھ کروں گا، انشاء اللہ ہماری عابدہ کی شادی اسی ماہ کے آخر میں ہوگی۔“ اسے خود بھی کچھ نہیں پتہ تھا کہ وہ پیسوں کا انتظام کہاں سے کرے گا مگر ماں کو پریشان اور مایوس نہیں دیکھ سکتا تھا، اس لئے انہیں تسلی دیتے ہوئے بولا تھا۔

”پتر اللہ تمہیں لمبی حیاتی دے، تم اسی طرح اپنی بہنوں اور چھوٹے بھائی کے سر پر چھت بن کر سلامت رہو، تم نے ہمیشہ میرا کلیجہ ٹھنڈا رکھا ہے خدا پاک تمہیں اتنا دے کہ تم سے سنبھالا نہ جائے۔“ ماں نے جھولی اٹھا کر اسے دعا دی تھی اور وہ اس ٹھنڈی میٹھی چھاؤں تلے آنکھیں موند کر پرسکون ہو گیا تھا۔

گاؤں میں شام ڈھلنے کا منظر بھی عجیب ہوتا ہے، کھیتوں میں اپنا پسینہ بہا کر تھکے ہارے کسان جب گھروں کو لوٹ رہے ہوتے ہیں تو ان کے بیلوں کے گلوں میں بندھی گھنٹیوں کی رسیلی آواز گاؤں کی خاموش فضا میں ایک سرسا بکھیر دیتی ہے اور کچی دیواروں کے پار لکڑی کے دھوئیں کی لکیریں اور کھانا پکنے کی باس مل جل کر زندگی کے رنگوں کو اجاگر کرتی ہیں، سارا دن گاؤں کی گلیاں ویران رہتی ہیں مگر شام ڈھلے یہ گلیاں اور چوپالیں آباد ہو جاتی ہیں، لڑکے بالے کہیں کھیل تماشوں میں مگن ہوتے ہیں اور کہیں پکی سڑک پر جا کھڑے ہوتے ہیں جہاں میٹھے پانی کا کنواں ہے، گاؤں کی الھڑ اور بھولی بھالی دوشیزائیں سروں پر کچی مٹی کے گھڑے اٹھائے پانی بھرنے آتی ہیں تو وہ ان کو دیکھ کر سیٹیاں بجاتے ہیں اور ہنستے وہیں ایسے میں اگر کوئی بزرگ دیکھ لے تو پھر ان کی شامت آ جاتی ہے، گاؤں کی ہر بہو بیٹی اپنی بہو اور بیٹی ہے یہ کہہ کہہ کر انہیں شرم دلائی جاتی ہے مگر جہاں زمانہ ایڈوانس ہوا ہے وہاں گاؤں میں پھلنے پھولنے والی نئی نسلوں کے مزاج اور رویے بھی تھوڑا سا بدل گئے ہیں وہ سر جھکا کر یہ وعظ سنتے ضرور ہیں مگر جہاں کہیں یہ نصیحت کرنے والا آنکھ سے اوجھل ہوا وہ اپنا شغل دوبارہ شروع کر دیتے ہیں۔

بزرگ لوگ چوپالیں آباد کر لیتے ہیں، سارا دن کی باتیں، قصے کہانیاں، گھروں کے مسئلے مسائل، فصلوں کے بارے میں بحث مباحثہ یہ سب ان چوپالوں کا حصہ ہے، حقے کی گڑگڑ کے ساتھ رات گہری ہوتی جاتی اور باتیں اپنے جوبن پر پہنچ جاتی ہیں۔

موحد ماں کے ہاتھ کے گڑ والے چاول اور تازہ سرسوں کا ساگ کھا کر گھر سے اپنے یار

بیلیوں کو ملنے کے لئے باہر نکل گیا، شہر میں رہتے ہوئے تو وہ ان چیزوں کو ترس جاتا ہے، یہ سچ ہے کہ جس کا خمیر جس قسم کی مٹی سے اٹھایا گیا ہو وہ ایسی میں خوش رہتا ہے، وہ اپنی گلی سے نکل کر دوسری گلی میں قدم رکھتا ہی ہے کہ اس کی نظروں کے سامنے سبز دروازے اور پیلی دیواروں والا گھر آ جاتا ہے جس کے صحن میں لگا نیم کا درخت اتنا بڑا ہو چکا ہے کہ اس کا سایہ باہر گلی میں آنے لگا ہے، اس کے قدم اس گلی میں آ کے جانے کیوں خود بخود سست پڑ جاتے ہیں۔

''موحد بھرا کیا حال ہے، کب آئے ہو لاہور سے۔'' وہ نیم کے درخت کو دیکھتا سست روی سے اپنے دھیان میں چلتا جا رہا تھا کہ ارشد کی بھابھی اپنے منے کو اٹھائے جانے کس گھر سے نکلی تھی اور اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

''سلام بھابھی، ٹھیک ہوں، کل ہی آیا ہوں، ارشد ٹھیک ہے اور باقی سب گھر والے بھی۔''

وہ اور ارشد میٹرک تک کے کلاس فیلو تھے اور دوست بھی، جس طرح وہ روزگار کے سلسلے میں لاہور میں مقیم تھا اس طرح ارشد اپنے چچا کے ساتھ کراچی چلا گیا تھا اس لئے اب ملنا ملانا بس عید شب برات پر ہی رہ گیا تھا۔

''ہاں سب ٹھیک ہیں، ارشد اگلے ہفتے آ رہا ہے چھٹی پر، تم آؤ نا گھر، کیا باہر گلی سے ہی لوٹ جاؤ گے۔''

''اگلے ہفتے ارشد آ رہا ہے مگر بھابھی میں واپس لاہور چلا جاؤں گا، ابھی تو باقی دوستوں سے ملنے جا رہا ہوں گھر بعد میں آؤں گا۔''

''دو منٹ کے لئے آ جاتے کوئی لسی پانی پی لیتے، ارشد نہیں تو کیا ہوا اس کے گھر والے تو ہیں۔''

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیے

ابن انشاء
اردو کی آخری کتاب .... ☆
خمار گندم .... ☆
دنیا گول ہے .... ☆
آوارہ گرد کی ڈائری .... ☆
ابن بطوطہ کے تعاقب میں .... ☆
چلتے ہو تو چین کو چلیے .... ☆
نگری نگری پھرا مسافر .... ☆
خط انشاجی کے .... ☆
بستی کے اک کوچے میں .... ☆
چاند نگر .... ☆
دل وحشی .... ☆
آپ سے کیا پردہ .... ☆

ڈاکٹر مولوی عبدالحق
قواعد اردو .... ☆
انتخاب کلام میر .... ☆

ڈاکٹر سید عبداللہ
طیف نثر .... ☆
طیف غزل .... ☆
طیف اقبال .... ☆

لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور
فون نمبرز 7321690-7310797

''نہیں بھابھی، شکریہ پھر سہی۔'' وہ بھابھی کی پرخلوص آفر کو ٹھکرا کر خدا حافظ کرکے آگے بڑھ گیا تھا مگر اس تمام عرصے میں بھی نظریں بھٹک بھٹک کر نیم کے درخت سے ٹکراتی رہی تھیں۔

جانے وہ کیا کر رہی ہوگی، جانے اب کیسی ہوگی، اس گلی کا موڑ مڑنے تک محبت کی ایک مخصوص خوشبو اس کے قدموں کو زنجیر کرتی رہی تھی، وہ محبت جس سے وہ ناواقف تھی، جس سے وہ بھی لاہور جا کے واقف ہوا تھا، جب گاؤں کو چھوڑا تھا اپنوں کو چھوڑا تھا، جہاں سب گھر والے ملنے والے اور یار دوست یاد آتے تھے ایسے میں ایک چہرہ ایسا تھا، جو چھم سے رات ہوتے ہی آنکھوں میں اتر آتا تھا، پہلے پہل تو وہ گھبرا اٹھتا تھا اس نے کب گاؤں کی کسی لڑکی کو میلی آنکھ سے دیکھا تھا، وہ اپنے دل کی دیوار سے اس کی تصویر اتار دینا چاہتا تھا مگر ایسا نہ ہوسکا تھا نہ وہ کر پایا تھا، لیکن وہ ہوا جس کا وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔

پھر اسے لگا اسے محبت ہوگئی ہے، اسی نیم کے درخت سبز دروازے اور پیلی دیواروں والے گھر میں رہنے والی اس لڑکی سے جس کے کالے بال چاند چہرے پر سایہ کیے رکھتے تھے جو سب سے حسین اور سب میں منفرد تھی، ان دنوں وہ گاؤں آیا تو گاؤں کی گلیوں میں اداس اور مارا مارا پھرنے لگا، اس کی ایک جھلک کی تمنا دل کو بے تاب رکھتی تھی، مگر وہ اسے بہت کم نظر آتی تھی، پچھلے ایک دو چکروں میں تو وہ کہیں بھی دکھائی نہ دی تھی، وہ ہر بار مایوس سا شہر لوٹ جاتا تھا، وہ شہر جا کر ہر بار اسے اپنے دل سے بھلانے کی کوشش کرتا تھا وہ محبت کا روگ پالنا ہی نہیں چاہتا تھا۔

☆☆☆

''کیسی لگ رہی ہوں۔'' ایمن کچھ لیٹ آفس آئی تھی اور جب آئی تھی تو اس کی بدلی ہوئی حالت نے حریم کو حیران کر دیا تھا، جدید تراش خراش کا بلیک سوٹ نئے ہیئر کٹ کے ساتھ اس کے وجود پر خوب اٹھ رہا تھا، وہ کھلکھلاتی ہوئی خوشبوئیں بکھیرتی ہوئی لمبی ہیل کی ٹک ٹک کے ساتھ اس کے سامنے ٹک گئی تھی۔

''بہت اچھی لگ رہی ہو، مگر خیر تو ہے نا کہیں رشتہ وشتہ تو نہیں کروا لیا ہمیں بتائے بغیر۔'' اس نے فراخ دلی سے اس کی تعریف کی تھی اور اس کی تعریف میں کوئی مبالغہ آمیزی نہیں تھی وہ واقعی بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

''یار عمر پڑی ہے رشتے وشتے کروانے کے لئے، ابھی تو بس زندگی کو انجوائے کرنا ہے۔'' وہ اس کی ٹیبل پر چڑھ کر بیٹھ گئی تھی۔

''آج تم بہت خوش ہو۔'' حریم نے کہا تھا۔

''ہاں بہت خوش۔''

''کوئی قارون کا خزانہ تو نہیں مل گیا۔'' حریم چونکہ اس کے خیالات سے واقف تھی اس لئے اسے چھیڑنے لگی تھی۔

''تمہاری دعا سے وہ بھی مل گیا ہے۔'' وہ جواباً چہکی تھی۔

''اچھا جناب تو اس خزانے میں ہمارا حصہ کتنا ہوگا۔''

''پورا خزانہ ہی تمہارا تھا، مگر تم تو سدا کی اناڑی ہو تمہیں اس خزانے کو استعمال کرنے کا طریقہ ہی نہیں آیا اس لئے اب تمہیں تو کچھ نہیں ملے گا۔''

''کیا مطلب، میں کچھ سمجھی نہیں۔''

''مائی ڈیئر سمجھ جاؤ گی، ذرا آگے آگے دیکھتی جاؤ، کیا ہوتا ہے، میں ذرا عرفان صاحب سے ہیلو ہائے کر آؤں۔'' وہ اٹھلاتی ہوئی حریم کو شش و پنج میں ڈال کر چلتی بنی تھی۔

''مے آئی کم ان سر۔'' دروازے کے بیچ کھڑے ہوکر بالوں کو ایک جھٹکے سے پیچھے کرتے ہوئے اس نے عرفان صاحب کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

''اوہ، یس یس مس ایمن کم ان پلیز۔'' وہ سارے کام چھوڑ کر ایمن کو ستائشی نظروں سے دیکھنے لگے تھے۔

''بیٹھو نا، کھڑی کیوں ہو۔'' جب حریم نے انہیں گھاس نہ ڈالی تو انہوں نے ایمن کی طرف اپنی نظر کرم کا رخ موڑ دیا تھا، ان جیسے عیاش فطرت لوگ چپ کر کے کہاں بیٹھ سکتے تھے۔

حریم نے ہی انہیں ٹف ٹائم دیا تھا ورنہ یہ ایمن بھی تو تھی اس کے ایک اشارے کی دیر تھی ایمن اپنا سب کچھ ان پر نچھاور کرنے کو تیار ہوگئی تھی۔

''بہت خوبصورت لگ رہی ہو ایمن۔'' ایمن کے کرسی پر بیٹھتے ہی وہ اپنی جگہ سے اٹھے تھے اور اس کے پاس آ کھڑے ہوئے تھے۔

''تھینکس سر۔'' وہ اک ادا سے بولی تھی۔

''تمہاری اسکن کیسے چمکتی ہے ایک ہماری مسز ہیں دنیا جہان کے پارلروں کے چکر لگاتی ہیں مگر ایسی سوفٹ اور چمکتی ہوئی اسکن تو اس کی بھی نہیں ہے۔'' وہ ایمن کے چہرے پر اپنی انگلی پھیرتے ہوئے بولے تھے، ایمن کہنے تو لگی تھی سر ان کی اور میری عمر بھی تو دیکھیں مگر پھر مصلحتاً خاموش رہی تھی، وہ سر کا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''چلو کام شام چھوڑ دو، باہر چلتے ہیں، لنچ بھی کریں گے اور تمہیں شاپنگ بھی کروا دوں گا۔'' وہ جھٹ سے پروگرام بناتے ہوئے بولے تھے۔

''سر پلیز میرے لئے تکلف نہ کریں۔'' وہ اوپر سے بولی تھی حالانکہ شاپنگ کا نام سن کر تو اس کا دل باغ باغ ہوگیا تھا۔

''آج تم اتنی خوبصورت لگ رہی ہو کہ یہ تمہارے لئے تکلف نہیں ہے بلکہ تمہارے حسن کو خراج پیش کرنے کی معمولی سی کوشش ہے۔'' وہ کرسی پر سے اپنا کوٹ اٹھاتے ہوئے بولے تھے۔

حریم کام میں مگن تھی جب عرفان صاحب کے ساتھ ایمن ٹک ٹک کرتی اس کی ٹیبل کے سامنے سے گزرتی چلی گئی تھی، حریم نے سر اٹھا کر دیکھا تھا اور اتنی جلدی انقلاب زمانہ نے اس کو حیران کر دیا تھا۔

لوگ بھی کیسے گرگٹ کی طرح رنگ بدل لیتے ہیں، ایک بار ایمن ظہیر نے اسے کہا تھا کہ گھر سے باہر نکلنے والی لڑکیوں اپنے اعتماد و ذہانت اور شخصیت کی بدولت بہت آگے جا سکتی ہیں اور آج حریم کو سمجھ آئی تھی کہ ایمن کی اس بات کا کیا مطلب تھا۔

ایمن ظہیر کی واپسی تقریبا تین چار گھنٹوں بعد ہوئی تھی، وہ لدی پھندی آفس میں آئی تھی، عرفان صاحب ایمن کو ایک بھرپور مسکراہٹ سے نوازتے ہوئے جبکہ حریم پر سلگتی ہوئی نظر ڈال کر اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔

''یہ دیکھو سب کیسا ہے۔'' ایمن کی خوشی کا کوئی شمار نہیں تھا، وہ سب کچھ حریم کے آگے رکھتے ہوئے بولی تھی۔

''ان کے اندر جھانکنے کی ضرورت نہیں ہے ان شاپنگ بیگز کو دیکھ کر ہی اندازہ ہو رہا ہے کہ یہ شاپنگ کس جگہ سے کی گئی ہے اور اندر موجود چیزوں کی کوالٹی کیسی ہوگی۔''

حریم نے سارا سامان ایمن کی میز پر رکھا تھا اور خود ایمن کو جواب دے کر دوبارہ سے اپنا کام

کرنے لگی تھی۔

"As you wish"۔" ایمن نے کندھے اچکائے تھے اور میز کی دراز میں سے آئینہ نکال کر اپنی لپ اسٹک درست کرنے لگی تھی۔

☆☆☆

ہما تو بالکل تندرست ہوگئی تھی مگر رت جگوں اور پریشانی نے بیگ صاحب کو بیمار کر دیا تھا، سر کا بھاری پن اور جسم کا ٹوٹنا تو وہ رات سے ہی محسوس کر رہے تھے اور انہوں نے اس کے لئے ایک کپ گرم دودھ کے ساتھ میڈیسن بھی لے لی تھی مگر صبح تک ٹھیک ہونے کی بجائے ان کو ساتھ بخار بھی ہوگیا تھا، وہ روز کی طرح اٹھ کر ہما اور ہنی کو ناشتہ کروا کے اپنی نگرانی میں سکول بھیجنا چاہتے تھے مگر اٹھنے کی ہمت ہی نہ رہی تھی۔

"عائشہ بچوں کو اچھی طرح ناشتہ کروا دینا۔" ان کا سر درد سے پھٹ رہا تھا مگر اتنی تکلیف میں بھی انہیں بچوں کی فکر کھائے جا رہی تھی۔

"صاحب جی بے بی ناشتہ نہیں کر رہی ضد کرتی جا رہی ہے کہ پاپا کے ہاتھ سے ناشتہ کرنا ہے۔" پندرہ بیس منٹ بعد عائشہ روہانسی صورت لئے ان کے پاس آئی تھی، اس کو دیکھ کر ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ ہما نے اس کو کتنا تنگ کیا ہے۔

"عائشہ آپ ایسا کرو ہما کا ناشتہ بھی لے آؤ اور اس کو بھی، میں اسے اپنے ہاتھ سے ناشتہ کروا دیتا ہوں۔" وہ بڑی مشکل سے تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے تھے۔

"مگر صاحب جی آپ کی طبیعت تو بہت خراب ہے۔" عائشہ کو اس وقت اپنے صاحب پر ترس آ رہا تھا کہ اس بیماری کی حالت میں ان کا خیال رکھنے والا بھی کوئی نہیں تھا اور وہ اتنی تکلیف میں بھی اپنے بچوں کی فکر میں لگے ہوئے تھے۔

"تو کیا ہوا، میڈیسن لے لی ہے میں نے، ٹھیک ہو جاؤں گا، تم ہما کو لے آؤ، اس کی اسکول وین آنے میں بہت کم وقت رہ گیا ہے، وہ ضد کی بہت پکی ہے، وہ تم سے ناشتہ نہیں کرے گی میرے ہاتھ سے ہی کھائے گی۔"

"جی اچھا۔" عائشہ ان کی بات سن کر باہر نکل گئی تھی۔

"آپ کو پتہ ہے آج پاپا کی کتنی طبیعت خراب ہے، پاپا کے سر میں بھی پین ہے اور پورے جسم میں بھی، مگر آپ کو کیا، آپ نے تو پاپا کا خیال نہیں کیا اور آنٹی عائشہ کو بھی تنگ کیا۔" وہ ہما کو اپنے ہاتھ سے نوالے بنا کر بھی کھلاتے جا رہے تھے اور اس کو اس کی ضد کا احساس بھی دلا رہے تھے۔

"سوری پاپا، مگر مجھے آنٹی عائشہ کے ہاتھ سے نہیں آپ کے ہاتھ سے کھانا اچھا لگتا ہے۔" وہ معصوم سی صورت بنا کر بولی تھی۔

"تو میری جان میں نے کب انکار کیا ہے، اب دیکھیں میں ہی آپ کو کھلا رہا ہوں نا۔"

"پاپا آپ کے سر میں پین ہے نا، لائیے میں آپ کا سر دبا دوں۔" وہ ناشتہ چھوڑ چھاڑ کر بیگ صاحب کا سر دبانے لگی تھی۔

"اوہ میری گڑیا، میری جان، پاپا تو اپنی گڑیا کے ہاتھ لگانے سے ہی ٹھیک ہو گئے ہیں۔" انہیں اس وقت اندازہ ہوا تھا کہ بیٹیاں کیسی رحمت ہوتی ہیں، انہوں نے ہما کے ننھے ننھے ہاتھوں کو چوما تھا اور اپنے پاس بٹھا لیا تھا۔

"پاپا دبانے دیں نا، آپ کا درد ختم ہو جائے گا۔"

"مگر بیٹا آپ کی اسکول وین آتی ہو گی، آپ نے اسکول بھی تو جانا ہے، آپ اپنا ناشتہ تو ختم کرو۔"

''پاپا آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، میں اسکول نہیں جاؤں گی۔''

''بے بی آپ کی وین آگئی ہے۔'' اتنے میں عائشہ کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

''آنٹی عائشہ پاپا کی طبیعت خراب ہے میں آج اسکول نہیں جاؤں گی۔'' اس نے بیگ صاحب کی بات سنی ان سنی کی تھی اور عائشہ بڑی ذمہ داری سے بولی تھی، عائشہ سوالیہ انداز میں بیگ صاحب کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''پاپا تو اب بالکل ٹھیک ہیں، اس لئے آپ اسکول جاؤ، جب ہم گھومنے پھرنے جائیں گے نا تب آپ چھٹی کرنا، ابھی چھٹی کی تو پھر اس وقت آپ کو چھٹی نہیں ملے گی، آپ کو پتہ ہے نا آپ کی میم کتنی سخت ہیں۔''

''اوکے پاپا۔'' گھومنے پھرنے والی بات بہت جلدی اس کے دماغ میں سما گئی تھی، اس نے عائشہ کے ہاتھ سے اپنا اسکول بیگ لے لیا تھا۔

''خدا حافظ پاپا۔'' وہ ہاتھ ہلاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی تھی، وہ دوبارہ لیٹ گئے تھے، طبیعت ایک بار پھر بوجھل سی ہونے لگی تھی۔

''صاحب جی میں نے آپ کے لئے ناشتے میں دلیہ بنایا ہے لے آؤں، تھوڑا سا کھا لیں پھر آپ کو میڈیسن بھی لینی ہوگی۔'' بچوں کو اسکول بھیج کر عائشہ کمرے میں آئی تھی۔

''عائشہ دل تو نہیں کر رہا کچھ کھانے کو، مگر لے آؤ تھوڑا سا۔'' انہوں نے عائشہ سے کہا تھا۔

ناشتہ کرنے اور میڈیسن لینے کے بعد ان کی آنکھ لگ گئی تھی، کچھ رات کی بے خوابی کا اثر تھا اور کچھ میڈیسن کا، وہ جلد ہی غنودگی میں چلے گئے تھے۔

''آپ جاگ گئے ہیں صاحب جی، آپ کے کالج سے مس مریم آئی ہیں آپ کا پوچھنے، باہر ڈرائینگ روم میں بیٹھی ہوئی ہیں، آپ کہیں تو انہیں اندر بلا لوں؟''

''ہاں ہاں بلا لو۔'' انہوں نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا تھا اور دوبارہ سے بیڈ پر آ گئے تھے، سونے اور میڈیسن لینے کی وجہ سے اس وقت صبح سے وہ کافی بہتر محسوس کر رہے تھے۔

''السلام علیکم بیگ صاحب۔'' تھوڑی دیر بعد مس حریم اندر داخل ہوئی تھیں۔

''وعلیکم السلام، آیئے مس مریم، آپ نے کیوں تکلیف کی۔''

''ہم نے تو سنا ہے بیگ صاحب کہ کسی بیمار کی عیادت کرنا کار ثواب ہے نہ کہ باعث تکلیف۔'' وہ سامنے پڑے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی تھیں۔

''مس مریم آپ سے تو باتوں میں کوئی نہیں جیت سکتا، آپ یہ بتایئے آپ ٹھیک ہیں۔''

''میں تو بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں، بس آپ کا حال ٹھیک نہیں ہے، آپ اپنی فکر کریں۔''

''اب تو کافی ٹھیک ہوں۔''

''لگ تو نہیں رہا۔'' وہ دوبارہ بولی تھی۔

''اچھا کیا لگ رہا ہے۔'' وہ مریم سے ہی پوچھنے لگے تھے۔

''بیماری کے آثار تو ابھی بھی باقی ہیں۔''

''یہ بیماری کے نہیں بیماری کے بعد کے اثرات ہیں۔'' مریم سے مکالمہ کرنے میں بیگ صاحب کو ہمیشہ مزہ آتا تھا، عورتوں کا حسن ہر کسی کو اپنی طرف کھینچتا ہے مگر مس مریم کی ذہانت نے ہمیشہ انہیں متاثر کیا تھا۔

''بات تو ایک ہی ہے نا، ویسے شکر ہے آپ اپنی بیماری کو نہیں مانتے تھے، بیماری کے بعد کے اثرات کو تو مانا۔'' مریم نے ان کو گھیر ہی لیا تھا۔

''ہاہاہا۔'' بیگ صاحب کا قہقہہ بے ساختہ

تھا۔

''یہ چائے جی۔'' اتنے میں عائشہ چائے اور دوسرے لوازمات سے بھری ٹرالی مریم کے آگے کرتے ہوئے بولی تھی۔

''عائشہ اس تکلف کی کیا ضرورت تھی۔'' مریم اتنا کچھ دیکھ کر بولی تھی۔

''مس مریم مانا کہ یہ پروفیسر لوگ چائے کی ایک پیالی پر ہی ملکوں کی تاریخ کھنگال لیتے ہیں لمبے لمبے مضامین لکھ ڈالتے ہیں، مشکل سے مشکل تقریر کر ڈالتے ہیں مگر یہ کالج کا اسٹاف روم نہیں ہمارا غریب خانہ ہے یہاں ہماری میزبانی اور آپ کی مہمانی دونوں ہی ضد پر ہیں۔''

''صاحب جی آپ کے لئے کھچڑی بنائی ہے۔'' عائشہ نے درمیان میں لقمہ دیا تھا۔

''اوہو، بھئی عائشہ بندہ اپنی بیماری سے اتنا تنگ نہیں آتا جتنا اس کھچڑی، دلیے اور پھیکے میٹھے سوپ سے تنگ آ جاتا ہے، آج کوئی اچھا سا چٹ پٹا سا کھانا بناؤ۔'' وہ برا سا منہ بنا کر بولے تھے۔

''جی اچھا صاحب جی۔'' عائشہ ہولے سے ان کی بات پر مسکرا کر باہر نکل گئی تھی۔

''بیگ صاحب اچھی صاف ستھری اور سلیقہ مند عورت ہے۔'' عائشہ کے جانے کے بعد مریم نے اس پر تبصرہ کیا تھا۔

''جس دن سے یہ اور اس کا شوہر گاؤں سے آئے ہیں انہوں نے میرا گھر سنبھال کر مجھے تو ہر قسم کی فکر سے آزاد کر دیا ہے، دیکھ لیں مریم یہ خود بے اولاد ہے مگر ہما اور ہنی کو ایک ماں سے کم پیار نہیں دیتی، میں تو اس کا اور اس کے شوہر کا جتنا بھی احسان مانوں کم ہے۔''

''یہ تو ہے، آپ کے لئے چائے بناؤں۔'' مریم نے اپنا کپ اٹھاتے ہوئے پوچھا تھا۔

''ہاں ضرور۔'' وہ بولے تھے۔

''سیلاب کے مناظر دیکھ رہے ہیں، ہمارا ملک تو تباہ ہو کر رہ گیا ہے، یقین مانیں آج کل تو کچھ بھی اچھا نہیں لگتا بس ایک دکھ ہے، غم کی بوجھل گھڑیاں ہیں ہمارے بہن بھائی ہیں اور مشکلات کے پہاڑ ہیں۔'' مریم چائے انہیں پکڑا کر دکھی لہجے میں بولی تھی۔

''کبھی زلزلے کی صورت میں کبھی سیلاب کے طوفان کی شکل میں، کبھی آفات ارضی و سماوی کی زبان میں ہماری زمین کچھ کہہ رہی ہے اور ہم سنتے نہیں ہیں، کبھی ایسا خطرناک ایئر کریش ہوتا ہے کہ ہنستے بستے لوگ جل کر راکھ ہو جاتے ہیں یہ حادثات یہ حالات ہم سے کچھ کہہ رہے ہیں اور ہم کان نہیں دھرتے ہیں۔''

''آپ سیلاب کی بات کرتی ہیں اس پانی سے زمین کا سینہ سرسبز ہوتا ہے اور اسی پانی نے زمین کی کوکھ اجاڑ دی، یہ پانی غریبوں کو اجناس اور آٹا دیتا ہے اس پانی نے سارا آٹا بہا کے قحط اور کال کا سا سماں پیدا کر دیا ہے یہ پانی بجلی بناتا ہے ہم نے اس پر اندھیروں کی بساط بچھا دی ہے، ہم نے کیا کیا، ہمارے سامنے ہے بالکل۔''

''صحیح کہہ رہے ہیں آپ، ہماری اپنی وجہ سے ہمارا پیارا نوشہرہ ڈوب گیا چشم زدن میں سارا شہر اجڑ گیا، میانوالی ڈوب گیا، کے پی کے ڈوب گیا، سندھ کی بستیاں پل بھر میں زیر آب آ گئیں، جنوبی پنجاب کا کباڑا کر دیا بپھری موجوں اور لہروں نے، صرف اور صرف ہم لوگوں کی جھوٹی انا کی وجہ سے، اگر آج کالا باغ ڈیم اور دوسرے ڈیمز بن جاتے تو ہمارے پیارے شہری یوں تباہ نہ ہوتے، لوگ پل بھر میں لقمہ اجل نہ بن جاتے، سرسبز و شاداب زمین بنجر نہ ہو جاتی، یہ لوگ جو برباد ہو گئے جن کے گھروں کے نشان تک مٹ گئے جو کل تک مہمان نواز تھے آج سوکھی روٹی کو نہ

ترس رہے ہوتے۔" بولتے بولتے دکھ سے مریم کی آواز رندھ گئی تھی، وہ سب کا دکھ اپنے سینے میں محسوس کر سکتی تھی اور یہ دکھ اسے تڑپا رہا تھا۔

"مریم زندہ قومیں آنے والے دلوں کے لئے اور آنے والی نسلوں کے لئے قانون سازی کرتی ہیں، آسانیاں پیدا کرتی ہیں، دور اندیشی سے کام لیتی ہیں اور آفات و مشکلات سے بچنے کی تدابیر کرتی ہیں اور ہم...... اور ہم ہمیشہ اختلافات کی بھینٹ چڑھ کر اور اپنی جھوٹی انا کا پرچم سر بلند رکھ کر اپنا ہی نقصان کرتے آئے ہیں۔" مریم نے ان کی ادھوری بات اچک لی تھی۔

"یہی تو ہماری بدقسمتی ہے اور ہماری یہ بدقسمتی کبھی خوش بختی میں نہیں بدلے گی کہ جب تک ہم لوگ اپنی آنکھیں نہیں کھولیں گے۔"

"بیگ صاحب اب تو ہماری آنکھیں خود بخود کھل جانی چاہیے، اب جبکہ ملک تباہی کے دہانے پر نہیں کھڑا بلکہ تباہ ہو رہا ہے، اب ہم کیا دیکھ رہے ہیں۔"

"السلام علیکم پاپا۔" مریم اور بیگ صاحب جانے کب تک ملک و قوم کے درد کی باتیں کرتے رہتے مگر ہما اور ہنی نے آ کر ان کی باتوں کا تسلسل ختم کر دیا تھا۔

"وعلیکم السلام، پاپا کی جان، دیکھو مریم آنٹی آئی ہیں۔" بیگ صاحب نے باری باری دونوں کو پیار کیا تھا اور پھر ان دونوں کی توجہ مریم کی طرف دلائی تھی، وہ دونوں پیاری سی مریم آنٹی کو بے حد پسند کرتے تھے اس لئے ان سے سلام لینے کو ان کے پاس چلے گئے تھے۔

"گڑیا نے تو اپنے پاپا کو بیمار کر دیا ہے۔" مریم نے دونوں کو پیار کر کے اپنے پاس بٹھا لیا تھا اور اب ہما سے کہہ رہی تھی۔

"آنٹی میں نے تو پاپا کو کچھ نہیں کہا۔" ہما معصومیت سے بولی تھی۔

"بیٹا آپ پریشان نہ ہوں آپ کی آنٹی تو آپ سے مذاق کر رہی ہیں۔" بیگ صاحب نے فوراً ہما کی طرف دیکھ کر کہا تھا مبادا کہ وہ پریشان ہو جائے۔

"ہما آنٹی کو اپنی نئی والی گیمز دکھاتے ہیں جو پاپا نے ہمیں دلائی تھیں۔" ہنی بولا تھا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے، آیئے آنٹی ہمارے ساتھ۔" ہما مریم کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئی تھی، ہنی بھی ان کے پیچھے پیچھے باہر نکل گیا تھا، بیگ صاحب کے سیل فون پر کال آ رہی تھی، وہ مطمئن سے ہو کے فون سننے لگے تھے۔

☆☆☆

"یار تو جب سے گاؤں سے ہو کر آیا ہے، بڑا الجھا الجھا اور پریشان ہے۔" اللہ یار نے گھاس کے تنکے توڑتے موحد کو دیکھ کر پوچھا تھا، آج اس وقت گھر میں کوئی نہیں تھا، موحد وانیہ کو ابھی ابھی کالج چھوڑ کر آیا تھا، بیگم صاحبہ ایک فنکشن میں گئی ہوئی تھیں، اس لئے راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا، وہ اور اللہ یار جو سیٹھ صاحب کا مالی تھا دونوں نرم گرم سی دھوپ میں فرصت سے آ بیٹھے تھے، ایسی فرصت ان لوگوں کو کم کم ہی نصیب ہوتی تھی۔

"یہ تو میں بھی دیکھ رہی ہوں، تم کچھ پریشان ہو موحد۔" اللہ یار کی بیوی جو کچن کا کام کرتی تھی وہ ان دونوں کے لئے چائے بنا لائی تھی اور اب ٹرے ان کے سامنے گھاس پر رکھتے ہوئے بولی تھی۔

"نہیں وہم ہے آپ لوگوں کا، ورنہ مجھے کیا پریشانی ہونی ہے۔" موحد نے چائے کا گرم گرم کپ اٹھا لیا تھا۔

''خیر یہ تو نہ کہو کہ ہم لوگوں کا وہم ہے، ہاں تم بتانا نہ چاہو تو اور بات ہے۔'' اللہ یار نے بھی چائے کی لمبی سی چسکی لی تھی۔

''نہیں ایسی کوئی پردے والی بات بھی نہیں ہے، بس بہن کے سسرال والے شادی پر زور دے رہے ہیں اور اس کی شادی کی تیاری کے لئے کچھ رقم چاہیے اور کچھ نہیں ہے۔'' اللہ یار اور اس کی بیوی اس کے ساتھ بہت مخلص تھے اس نے اپنا سمجھ کر ان دونوں کو اپنی پریشانی بتا دی تھی۔

''لو یہ تو کوئی پریشانی والی بات نہیں ہے، اپنے سیٹھ صاحب کے پاس کم پیسہ ہے کیا، تم ان سے بات کرو، وہ ضرور تمہاری مدد کریں گے، آخر ہم لوگ ان کی خدمت کرتے ہیں اتنا تو ہمارا حق بنتا ہے نا کہ وہ مصیبت میں ہماری مدد کریں۔'' اللہ یار نے کہا تھا۔

''سیٹھ صاحب دل کے اچھے آدمی ہیں، انکار نہیں کریں گے۔'' اللہ یار کی بیوی نے بھی بات میں حصہ لیا تھا۔

''یہی تو ساری مصیبت ہے، مجھے یہ گوارا نہیں کہ میں اپنی ضرورتوں کے لئے کسی کے آگے ہاتھ پھیلاؤں اور پھر ہم جو ان کی خدمت کرتے ہیں اس کا معاوضہ لیتے ہیں اس لئے ان پر کوئی احسان نہیں کرتے کہ وہ اس احسان کے بدلے میں ضرور ہماری مدد کریں۔''

''تو پھر بیٹھے رہو ایسے ہی ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر پریشان، ایسے تو کچھ نہیں ہوگا۔'' اللہ یار نے اس کی بات سن کر فوراً کہا تھا۔

''تو تم موحد بھائی ایسا کیوں نہیں کرتے سیٹھ صاحب سے قرضہ لے لو اور آہستہ آہستہ اپنی تنخواہ میں سے کٹواتے رہنا، اس طرح تمہیں یہ احساس نہیں ہوگا کہ تم نے کسی کے آگے ہاتھ پھیلایا ہے۔''

''دیکھا تمہاری بھرجائی کتنی عقل مند ہے۔'' اللہ یار نے اپنی بیوی کی بات پر خوش دلی سے کہا تھا۔

موحد ان کی باتیں سن کر گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا جب وانیہ مین گیٹ سے اندر داخل ہوئی تھی۔

''چھوٹی بی بی تو کالج سے آ گئی ہیں۔'' اللہ یار کی بیوی اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولی تھی، موحد نے بھی گیٹ کی طرف دیکھا تھا جہاں سے وانیہ انہی کی طرف آ رہی تھی۔

''میں اپنی دوست کے ساتھ آ گئی ہوں، اس لئے اب تم چاہو تو پاپا کے آفس چلے جاؤ اگر وہاں کوئی کام ہے تو۔''

''نہیں آج انہوں نے تو آنے کے لئے نہیں کہا۔'' موحد اس کی بات سن کر بولا تھا۔

''اوکے۔'' وانیہ ٹک ٹک کرتی اندر چلی گئی تھی۔

☆☆☆

''موحد پتر پھر کچھ انتظام ہوا پیسوں کا؟'' اسی دن شام کو موحد نے اماں کی کال ریسیو کی تھی گاؤں سے۔

''ہاں اماں ہو جائے گا کچھ دنوں تک۔''

''پتر جلدی کرنا، تیاری شیاری بھی کرنی ہے پیچھے دن بہت کم ہیں۔'' اماں نے ایک بار پھر اس کی پریشانی کو ہوا دے کر فون بند کر دیا تھا۔

وانیہ کے کالج میں فنکشن تھا، فنکشن شام کو شروع ہونا تھا اور رات گئے تک رہنا تھا اور وانیہ کو لانے اور لے جانے کی ذمہ داری حسب معمول موحد کی ہی تھی، وہ وانیہ کو گاڑی میں بٹھائے سوچوں میں گم جا رہا تھا۔

''پریشان ہو۔'' وانیہ کی سریلی آواز گاڑی

میں گونجی تھی۔

”ہوں...... نہیں تو۔“ وہ چونکا تھا اور اس نے خود کو نارمل کرنے کے لئے کیسٹ پلیئر کا بٹن دبا دیا تھا، نصرت فتح علی خان کی مسحور کن آواز گاڑی میں گونجنے لگی تھی، یہ بھی ایک طرح سے اس کی ذہنی ابتری کا اظہار تھا، ورنہ جب وانیہ اس کے ساتھ ہوتی تب وہ ایسی چیزوں سے پرہیز ہی کرتا تھا کیونکہ وانیہ تو ویسے ہی اس کے ساتھ بہت بے تکلف ہونے کی کوشش میں رہا کرتی تھی وہ اپنی کسی ایسی ویسی حرکت سے اسے کوئی موقع نہیں دینا چاہتا تھا مگر آج اپنی ذات پر سے اس کی توجہ ہٹانے کو اس نے گانا لگا دیا تھا۔

”کیا مجھے اپنا نہیں سمجھتے۔“ وانیہ کی بات پر اس نے سامنے والا شیشہ سیٹ کیا تھا، وانیہ کا خوبصورت اور قاتل حسن شیشے میں جھلملانے لگا تھا۔

”میں جانتی ہوں تم کیوں پریشان ہو، اللہ یار کی بیوی نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے، مگر میں تمہارے منہ سے سننا چاہتی تھی کہ تم کب مجھے اپنے دکھ درد میں شریک کرتے ہو، لیکن تمہارے انداز بتا رہے ہیں تم ایسا کبھی نہ کرو گے۔“ وانیہ کی آواز میں اب محبت کا دکھ بول رہا تھا، وہ بدستور خاموش تھا۔

”یہ پچاس ہزار روپے ہیں اور اس کے ساتھ سونے کا سیٹ بھی، فی الوقت میں تمہارے لئے اتنا ہی کر سکتی ہوں، یہ تم اپنی بہن کے لئے میری طرف سے گفٹ سمجھ کر رکھ لو، یہ نہ تو قرضہ ہے اور نہ تم پر کوئی احسان، اگر تمہیں اور پیسوں کی بھی ضرورت ہے تو میں ان کا انتظام بھی کر دوں گی۔“ وانیہ نے ایک پیکٹ اگلی سیٹ پر رکھ دیا تھا، موحد کے لئے تو یہ غیبی مدد تھی مگر وہ وانیہ کا کوئی احسان یا اس کی طرف سے کوئی تحفہ نہیں لینا چاہتا تھا۔

”وانیہ بی بی اگر اللہ یار کی بیوی نے آپ کو اتنا کچھ بتا دیا ہے تو ساتھ اس نے یہ نہیں بتایا کہ میں اپنے مالکوں کا کوئی احسان نہیں لینا چاہتا نہ ہی ان کے آگے ہاتھ پھیلانا چاہتا ہوں۔“ وہ گردن موڑتے ہوئے وانیہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا تھا۔

”ہونہہ پاگل ہو تم، یہ مالکوں کی طرف سے ملی ہوئی بھیک یا احسان نہیں ہے، یہ تو محبت کرنے والے کا جذبہ ہے، محبت کے اسرار و رموز ہیں مگر افسوس موحد کہ تم اس محبت کو سمجھنا نہیں چاہتے۔“

”آپ میری اور اپنی حیثیت کا فرق جانتی ہیں۔“ سڑک پر ٹریفک رواں دواں تھی اس نے گاڑی سائیڈ پر روک لی تھی۔

”میں محبت کے سامنے ایسے کسی فرق کو نہیں مانتی۔“ وہ ہٹ دھرمی سے بولی تھی۔

”پھر بھی وانیہ بی بی مخمل میں ٹاٹ کا پیوند نہیں لگا کرتا اور اگر لگ جائے تو سوائے مذاق اور اذیت کے کچھ نہیں ملتا۔“

”یہ اپنی اپنی سوچ کا فرق ہے، میری نظر میں سب انسان برابر ہیں۔“ وانیہ بے نیازی سے بولی تھی۔

”آپ کی نظر میں ایسا ہو سکتا ہے، مگر دنیا والوں کی نظریں کچھ اور دیکھتی کچھ اور کہتی ہیں۔“ وہ وانیہ کو سمجھانے کے انداز میں کہنے لگا تھا۔

”دنیا والوں کی اتنی پرواہ کرتے ہو، اسی لئے ایک قدم سے آگے بڑھ کر دوسرا قدم نہیں اٹھا پا رہے ہو، دنیا کب کسی کو کسی بھی حال میں جینے دیتی ہے، زندگی چار روزہ ہے اس میں بس اپنی پرواہ اپنی سوچ اور اپنی ترجیحات کو آگے رکھنا چاہیے، ورنہ انسان بہت پیچھے رہ جاتا ہے، دنیا کو اپنے پیچھے لگانا چاہیے خود دنیا کے پیچھے بے حال

نہیں ہونا چاہیے۔‘‘

سیٹھ عماد الدین کی اکلوتی دختر نیک اختر وانیہ عماد ایسا سوچ سکتی ہے کیونکہ وہ منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوئی ہے، ایک غریب انسان کا ڈرائیور بیٹا ایسا نہیں سوچ سکتا، اس کی باتوں پر موحد نے دل میں سوچا تھا اور گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کردی تھی۔

’’میرا انتظار کرنا۔‘‘ کالج گیٹ پر عجیب سی گہما گہمی تھی، چمکتے چہروں اور خوش لباس وجودوں والے بے فکری سے قہقہے لگاتے اندر داخل ہو رہے تھے، وانیہ نے گاڑی سے اتر کر موحد کو پراسرار سے انداز میں کہا تھا اور اس گہما گہمی کا حصہ بن گئی تھی، موحد نے گاڑی ایک تاریک گوشے میں پارک کی تھی اور سگریٹ سلگا کر گاڑی لاک کر کے اس کے اندر ہی نیم دراز ہو گیا تھا۔

’’وانیہ عماد میرے تمام مسائل کا حل ثابت ہو سکتی ہے، بقول اس کے اسے مجھ سے محبت ہے اور اس کا ساتھ میری مجبوری، وہ صحیح کہتی ہے دنیا کو اپنے پیچھے لگانا چاہیے خود دنیا کے پیچھے بے حال نہیں ہونا چاہیے۔‘‘

آج صحیح معنوں میں موحد کی سوچیں بھٹک رہی تھیں، پھر کوئی چیز اس کے پاؤں سے ٹکرائی تھی، اس نے دوسری سیٹ پر دھرے اپنے پاؤں کے قریب دیکھا تو اسے خالی لفافہ نظر آیا تھا، وانیہ کی موجودگی میں تو اس نے اس لفافے پر کوئی توجہ نہیں دی تھی مگر اب اس لفافے کے نظر آتے ہی ماں کا بوڑھا امید اور ناامیدی کے درمیان ڈولتا چہرہ اور عابدہ کی حسرت بھری نگاہیں یاد آ گئی تھیں، اس نے سیدھا ہو کر وہ لفافہ اٹھا لیا تھا، اس میں سونے کا ایک سیٹ اور پچاس ہزار روپے بند نہیں تھے عابدہ کے ارمان اور اس کی بوڑھی ماں کا سکھ پوشیدہ تھا، موحد نے کچھ سوچ کر وہ لفافہ اپنی جیب میں ٹھونس لیا تھا۔

اس ستاروں بھری شام کو اس نے اپنی زندگی وانیہ عماد کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا کہ اب وہ جیسے چاہے اسے گزارے، اسی شام اس نے پیلی دیواروں اور سبز دروازے والے گھر کی باسی پری چہرہ اور اپنی پہلی کچی پکی سی محبت کو بھلا دیا تھا، اس کی ضرورتوں اور مجبوریوں نے اسے اپنے اصولوں کے سامنے سرنگوں کر دیا تھا۔

رات دھیرے دھیرے بھیگ رہی تھی اور فنکشن کا بھی اختتام ہو گیا تھا، وانیہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی گاڑی کی طرف آ رہی تھی، اس نے آج پہلی بار پوری توجہ سے وانیہ عماد کو دیکھا تھا، وانیہ عماد کی خوبصورتی اور حسن بلاشبہ کسی کے بھی دل کے تاروں کو ہلا سکتا تھا۔

’’یہ سودا مہنگا نہیں ہے۔‘‘ آج وانیہ کے لئے اس کی نظروں میں داد و ستائش تھی، اس نے سگریٹ کا ادھ جلا ٹکڑا گاڑی سے باہر پھینکا تھا اور اپنے آپ سے کہا تھا۔

’’چلیں۔‘‘ وانیہ گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔

’’کہاں؟‘‘ اب کے موحد کا انداز و لہجہ سب بدلا ہوا تھا۔

’’گھر اور کہاں۔‘‘ وانیہ نے کہا تھا، وہ موحد کے بدلے ہوئے خیالات سے انجان تھی۔

’’کیوں گھر کے علاوہ کہیں اور نہیں جایا جا سکتا۔‘‘ موحد نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔

’’مثلاً کہاں؟‘‘ وانیہ نے اب اس کے لہجے کے اتار چڑھاؤ کی تبدیلی کو محسوس کیا تھا۔

’’مثلاً کہیں چل کر آئس کریم کھائی جا سکتی ہے۔‘‘ موحد نے گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا تھا۔

’’اس آفر کو میں کیا سمجھوں۔‘‘ وانیہ مسکرائی تھی، اسے جتنا مزہ کالج کے فنکشن میں آیا تھا اس

سے زیادہ مزہ اس رفاقت میں آ رہا تھا۔

''جو آپ کا دل کرے۔''

''اپنا بھی بنالیا ہے اور آپ جناب کا تکلف رکھ کر مزید فاصلے بھی پیدا کر رہے ہو۔''

''اپنا، مگر میں نے تو کسی کو اپنا نہیں بنایا۔''

اسے دانیہ سے نوک جھونک مزہ دینے لگی تھی۔

''میں آپ کی نہیں آپ کے دل کی بات کر رہی ہوں جناب۔'' وہ شوخی سے بولی تھی۔

''دل، میرا دل تو نا قابل رسائی ہے پھر آپ دل کی بات کیسے سمجھ گئیں۔''

''تھا، اب نہیں ہے۔'' وہ کھلکھلائی تھی، موحد نے گاڑی ایک آئس کریم پارلر کے سامنے روکی تھی۔

''پے منٹ میں کروں گی۔'' وہ بولی تھی۔

''مس دانیہ عماد مانا کہ میں آپ جتنا امیر نہیں مگر اب آپ مجھے اتنا بھی شرمندہ نہ کریں آپ کو ایک کپ آئس کریم تو کھلا ہی سکتا ہوں۔'' وہ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا، دانیہ کے لئے آج خوشی اور حیرت کا ملا جلا دن تھا۔

☆☆☆

''سر مجھے دو دن کی چھٹی چاہیے۔'' حریم جب بھی عرفان صاحب کے پاس آئی تھی دل مضبوط کر کے آتی تھی کیونکہ وہ حریم سے اتنی خار کھانے لگے تھے کہ حریم روزانہ صبح یہ سوچ کر آفس آتی تھی کہ آج اس کا آخری دن ہوگا ڈیوٹی پر، وہ جائے گی اور عرفانصاحب اسے جاب سے فارغ کر دیں گے، اسی ڈر نے کڑھنے میں دن گزر رہے تھے۔

''کیوں؟'' انہوں نے اپنا کام چھوڑ دیا تھا اور حریم کے وجود پر نظریں گاڑ دی تھیں، حریم کو اپنے پورے جسم پر چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگی تھیں۔

''سر! وہ سیلاب میں ہمارے کافی رشتہ دار بے گھر ہو گئے ہیں، کچھ ہمارے ہاں بھی آ کے ٹھہرے ہوئے ہیں، میری امی نے ان کے بے گھر ہونے کی بہت ٹینشن لی ہے، وہ بیمار ہیں اور گھر میں مہمان بھی ہیں اس لئے مجھے اگر دو دن کی چھٹی مل جائے۔'' اس نے اصل وجہ تفصیل سے عرفان صاحب کو بتا دی تھی۔

''آپ کے پیچھے کا کام کون کرے گا؟''

''سر میں واپس آ کے ایک ہی دن میں اپنا سارا کام کر لوں گی۔''

''اور اگر اس دوران ایمر جنسی کوئی کام ہوا تو؟''

''سر وہ مس ایمن ہیں نا، میں ان کو کہہ جاؤں گی۔'' وہ جلدی سے بولی تھی۔

''او کے، ایپلیکیشن لکھ کر دے جائیں۔''

پتہ نہیں کون سی مبارک گھڑی تھی کہ عرفان صاحب نے اسے اتنی آسانی سے چھٹی دے دی تھی۔

''تھینک یو سر۔'' وہ واپس مڑتے ہوئے بولی تھی۔

''سنو، ایمن کو بھیج دینا ذرا۔'' اس سے پہلے کہ وہ دروازہ کھول کر باہر نکلتی عرفان صاحب نے اسے آواز دی تھی۔

''جی سر۔'' وہ جھپاک سے باہر نکل گئی تھی۔

''تمہیں عرفان صاحب بلا رہے ہیں۔'' ایمن ایک میگزین الٹ پلٹ رہی تھی جب حریم نے اسے پیغام دیا تھا۔

''او کے، مگر تمہیں چھٹی مل گئی کیا، یا میں سفارش کر دوں عرفان صاحب سے، وہ میری بات نہیں ٹالتے۔'' ایمن نے ہمیشہ کی طرح میز کی دراز سے لپ اسٹک اور چھوٹا سا آئینہ نکالا تھا

اور لپ اسٹک کی تہہ نئے سرے سے جمانے لگی تھی۔

''نہیں مل گئی ہے۔'' حریم نے ایمن کے شغل سے نظر ہٹائی تھی اور اپنے کام کی جانب توجہ کر لی تھی، ایمن اٹھ کر اندر چلی گئی تھی۔

دو دن مہمانوں میں اور ماں کی تیمار داری میں ایسے گزرے کہ اسے پتہ ہی نہیں چل سکا، اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا اپنا گھر چھوڑ کر جانے کو، مگر جاب پر جانا بھی بہرحال مجبوری تھی، حالانکہ اس کی سوتیلی ماں اور اس کے رشتہ داروں نے اسے دو دنوں میں تھکا ڈالا تھا، مگر اپنے گھر کا جو احساس ہوتا ہے وہ کسی تھکاوٹ سے نہیں مٹتا، اس بار اس نے بیماریاں اور اس کے رشتہ داروں کی کافی خدمت کی تھی اس لئے ماں کا موڈ اس بار اس سے قدرے خوشگوار تھا۔

''اپنا بھی کچھ خیال رکھا کرو، پہلے سے کمزور ہو گئی ہو لگتا ہے ہاسٹل میں کچھ کھاتی پیتی نہیں ہو یہ رکھ لو گاجر کا حلوہ ہے، ہاسٹل میں جا کر کھا لینا۔'' واپسی پر ماں نے ایک ڈبہ تھماتے ہوئے اسے کہا تھا اور ان کی اتنی توجہ پا کر وہ کھل اٹھی تھی اور ہاسٹل آ کر اس نے اپنی دوستوں کو خوشی خوشی یہ حلوہ کھلایا تھا اور بڑے فخر سے بتایا تھا کہ یہ اس کی امی نے بنایا ہے، انسان عمر کے کسی مرحلے پر بھی ماں کا پیار اور توجہ اسے کسی بچے کی طرح ہی چاہیے ہوتی ہے بے شک وہ ماں سوتیلی ہی کیوں نہ ہو۔

دو دن بعد وہ اپنی سیٹ پر واپس آئی تو اس کی میز پر فائلوں کا انبار لگا ہوا تھا، وہ آتے ہی کام میں جت گئی تھی، کام کے دوران اسے اپنے کمرے کے خالی پن کا احساس ہوا تھا مگر پھر وہ سر جھٹک کر دوبارہ مشغول ہو گئی تھی، ہو سکتا ہے ایمن بھی چھٹی پر ہو، اس نے ایمن کی غیر حاضری کا یہی جواز تلاشا تھا۔

''مس حریم کیسی ہیں آپ کی مدر۔'' عرفان صاحب کا موڈ بھی اس بار خلاف توقع قدرے ٹھیک تھا ورنہ چھٹی کر کے آنے کے بعد تو وہ کافی سختی دکھایا کرتے تھے۔

''سر ٹھیک ہیں اب۔'' وہ سر پر دوپٹے کا پلو درست کرتے ہوئے بولی تھی۔

''یہ آپ کی اسٹیپ مدر ہیں نا، آپ کی رئیل مدر کی تو ڈیتھ ہو گئی ہے نا؟''

''جی سر۔'' اس نے سر جھکا کر کہا تھا۔

''آپ کے ساتھ تو ٹھیک ہیں نا۔'' انہوں نے پھر پوچھا تھا۔

''جی سر ٹھیک ہیں۔'' عرفان صاحب کے اس قدر نرم رویے اور دوستانہ لہجے پر اسے حیرت ہو رہی تھی۔

''آپ بیٹھیے کھڑی کیوں ہیں۔'' انہوں نے سامنے پڑی کرسی کی طرف اشارہ کیا تھا، اسے ناچار کرسی گھسیٹ کر بیٹھنا پڑا تھا۔

''آپ تو ٹھیک ہیں نا۔'' دو دن پہلے والے اور آج والے عرفان صاحب میں بہت فرق تھا، حریم کو ان کے اس قدر میٹھے اور ٹھنڈے لہجے پر خوف سا محسوس ہوا تھا، جب سے ان کی توجہ حریم کی طرف سے ہٹی تھی اور ایمن ظہیر ان کی نگاہوں کا مرکز بنی تھی تب سے حریم نے سکھ کا سانس لیا تھا، تب سے وہ بڑے سکون میں تھی، مگر آج حریم کو اپنا یہ سکون غارت ہوتا نظر آ رہا تھا کیونکہ ان کا یہ التفات بے معنی نہیں تھا۔

''جی فائن سر۔''

''چائے پئیں گی۔'' وہ اپنی نظریں پوری طرح اس پر مرکوز رکھے ہوئے تھے۔

''نو سر، تھینکس مین چلتی ہوں، ابھی بہت سارا کام کرنے والا باقی ہے۔'' وہ اٹھی تھی اور ان

کی کوئی بھی بات سنے بغیر باہر نکل گئی تھی۔

آفس میں دبے دبے لفظوں میں ایمن ظہیر کے بارے میں چہ مہ گوئیاں ہو رہی تھیں، حریم تک بھی اڑتی اڑتی خبریں پہنچ رہی تھیں مگر اسے صحیح طرح سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اس کے پیچھے ان دو دنوں میں آخر ایسا کیا ماجرا ہوا ہے کہ یہ صورت حال پیدا ہو گئی ہے، ایمن بھی تو آفس نہیں آ رہی تھی کہ جو اس گتھی کو سلجھاتی۔

''ایمن کا پتہ کرنے اس کے گھر ضرور جاؤں گی بے چاری بیمار ہی نہ ہو، وہ جیسی بھی ہے میرے ساتھ تو ہمیشہ اس کا رویہ بہت اچھا اور دوستانہ رہا ہے۔'' حریم نے سوچا تھا اور اگلے ہی روز وہ آفس سے آف کرنے کے بعد ایمن ظہیر کے گھر جا پہنچی تھی، ایمن کے گھر کا ایڈریس اس نے آفس سے لیا تھا آج سے پہلے ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا کہ اسے ایمن کے گھر تک جانا پڑتا، ایمن کا گھر ڈھونڈنے میں تھوڑی سی مشکل ضرور ہوئی تھی مگر وہ پھر بھی اس تک پہنچ گئی تھی۔

''ایمن دیکھو تو کون آیا ہے؟ حریم آئی ہے تمہارے آفس سے۔'' ایمن کی امی نے اس کے کمرے میں داخل ہو کر کہا تھا، حریم کو لگا تھا بے شک وہ آج پہلی بار ایمن کے گھر آئی ہے مگر غائبانہ طور پر اس گھر کے افراد اس سے واقف ہیں، یقیناً ایمن ہی گھر میں اس کا ذکر کرتی ہو گی، وہ اسے ایمن کے کمرے میں چھوڑ کر باہر نکل گئی تھیں۔

''ایم...... من...... یہ تم ہو۔'' بیڈ پر اپنی امی کی آواز سن کر متوجہ ہونے والا وجود یقیناً ایمن ظہیر کا ہی تھا مگر حریم کو لگا تھا کہ یہ ایمن نہیں ایمن کا ڈھانچہ ہے، وہ دوڑ کر ایمن تک پہنچی تھی، اسے دیکھ کر اس وجود کے پہلے آنکھیں نم ہوئی تھیں اور پھر گویا ساون بھادوں کی جھڑی لگ گئی تھی، اس نے بیڈ پر بیٹھ کر ایمن کو گلے سے لگا لیا تھا۔

خدانخواستہ ایمن کوئی سیریس بیماری میں مبتلا نہ ہو، پہلا خیال یہی اس کے دل میں آیا تھا۔

مگر چار چھ دنوں میں ایسی کون سی بیماری جاگ پڑی جس نے ایمن کی یہ حالت کر دی، پہلے تو وہ بالکل ٹھیک ٹھاک تھی۔

''ایمن کیا ہوا ہے، ایسے مت روؤ، پہلے مجھے بتاؤ تمہیں کیا ہوا ہے، تمہاری حالت دیکھ کر تو میرا دل ڈوب رہا ہے۔'' اس نے کہا تھا اور ایمن کی ہچکیاں ایک بار پھر بندھ گئی تھیں۔

''ایمن پلیز کچھ تو بتاؤ۔'' وہ ایمن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام کر بولی تھی، ایمن نے کچھ دیر بعد اپنی حالت پر قابو پایا تھا اور پھر دوپٹے سے اپنا منہ صاف کر کے بیٹھ گئی تھی، اس کی چمکتی آنکھوں میں آج ایسی دھول اڑ رہی تھی اور چہرے پر ایسی وحشت طاری تھی کہ حریم کو کسی انہونی کا احساس ہونے لگا تھا۔

''حریم عرفان انسان کے روپ میں بھیڑیا ہے، اس نے مجھے...... میں کیسے بتاؤں تمہیں کہ اس نے میرا کتنا بڑا نقصان کر دیا ہے، اس نے جھوٹ شان وشوکت کے باغ دکھا کر مجھے لوٹ لیا ہے، وہ شیطان ہے شیطان۔'' ایمن کی اجڑی حالت روتی بلکتی آنکھیں اور ٹوٹا لہجہ ایسے نقصان کی بدولت تھا جو دنیا کی ساری دولت اور شان و شوکت گنوا کر بھی پورا نہیں ہوتا اور اس سے حریم کا دل چاہا تھا کہ ایمن کے منہ پر زور زور سے تھپڑ مارے، وہ اگر بھیڑیا تھا تو اس نے اپنا آپ شکار کرنے کے لئے خود پیش کیا تھا، جب وہ پکے ہوئے پھل کی طرح ہر وقت اس شیطان کی جھولی میں گرنے کو تیار رہتی تھی تو پھر یہ سب تو ہونا تھا، حریم نے آج اس کا گھر دیکھا تھا، اچھے علاقے

میں بنا ہوا ایک مناسب گھر تھا اس کا، باپ کی وفات کے بعد بھی اس کی امی اور وہ آرام وسکون سے زندگی بسر کر رہی تھیں کوئی مالی پریشانی نہ تھی پھر ایسی کیا مجبوری تھی جو ایمن ظہیر کو عرفان صاحب جیسے شیطان کے ہاتھوں تباہی کے دہانے پر لے گئی، کوئی مجبوری نہ تھی بس ظاہری چمک دمک اور شان وشوکت اور ساتھ سراہے جانے کی طلب نے ایمن کو ذلیل وخوار کر کے رکھ دیا تھا۔

''اگر آج میرا کوئی بھائی یا باپ ہوتا تو میں دیکھتی وہ شیطان کیسے اس زمین پر آزادانہ دندناتہ پھرتا ہے۔'' ایمن آنسوؤں کے درمیان بولی تھی۔

''اگر تمہارا بھائی یا باپ ہوتا بھی تو وہ تمہارے لئے کیا کر سکتے تھے جب تم خود اپنی شامت کو آواز دے چکی تھیں، ایمن یہ تباہی تمہاری اپنی خریدی ہوئی ہے پھر اب کس چیز کا ماتم کر رہی ہو۔'' حریم نے تلخی سے کہہ دیا تھا۔

''مجھے دیکھو، میری سوتیلی ماں نے مجھے نوکری کرنے کے لئے مجبور کر رکھا ہے، اگر میں ہر مہینے اس کے ہاتھ پر پیسے نہ رکھوں تو وہ مجھے گھر میں گھسنے بھی نہ دے اور میرا سگا باپ اب بس اس کی آنکھوں سے دیکھتا اور اسی کے کانوں سے سنتا ہے وہ بھی میرے لئے ڈھال نہ بن سکے، اس لئے مجھے مجبوری میں نوکری کرنی پڑ رہی ہے مگر ایمن اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں اس مجبوری کی آڑ لے کر اپنی ذات کا سودا کرنے لگ جاؤں، تم جانتی ہو ہم لڑکیوں کی عزت کانچ جیسی ہوتی ہے ذرا سی ٹھیس سے کرچی کرچی ہو جاتی ہے اور اس کانچ کی حفاظت اپنی جان پر کھیل کر کی جاتی ہے، مجھے بھی تو اس شیطان نے بارہا بار قابو کرنے کی کوشش کی تھی مگر میرا کردار مضبوط تھا میں اس کا ہر وار ناکام کرتی رہی اور تم، تمہیں تو ایسی کوئی مجبوری نہیں ہے تم تو جان بوجھ کر اس آگ میں کودی ہو اور اب تپش بھی برداشت کرو۔'' اسے ایمن کی پچھلی ساری حرکتیں ایک ایک کر کے یاد آ رہی تھیں اور اس کا خون کھولنے لگا تھا۔

''حریم مجھے اپنی غلطی کی اتنی بڑی سزا تو نہیں ملنی چاہیے تھی۔'' وہ برستی آنکھوں سے سر جھکا کر حریم کی باتیں سنتی رہی تھی، پھر ہارے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

''میری بہن یہ دنیا ایسی ہی ظالم ہے، یہاں ایک غلط قدم تباہی کے دہانے پر لے جاتا ہے، ایک ذرا سی غلطی زندگی بھر کی سزا بن جاتی ہے تمہیں پہلے ہی سمجھ جانا چاہیے تھا۔'' اس نے اپنا غصہ نکال کر ایمن سے ٹھنڈے لہجے میں کہا تھا، ایمن کی حالت ایسی ہو رہی تھی کہ اگر وہ اسے مزید کچھ کہتی تو وہ برداشت نہ کر سکتی، اس لئے حریم نے خود پر قابو پالیا تھا۔

''آنٹی کو تو نہیں بتایا کچھ۔'' حریم نے اس سے پوچھا تھا۔

''نہیں، وہ تو جیتے جی مر جائیں گی یہ سب سن کر، میں نے انہیں بس یہی بتایا ہے کہ آفس میں میری باس سے لڑائی ہو گئی ہے اور میں نے ریزائن کر دیا ہے، وہ سمجھی ہیں اس لڑائی کی ٹینشن کی وجہ سے میں بیمار ہو گئی ہوں۔''

''اب بتانا بھی نہیں، تم اپنی ماں کا واحد سہارا ہو، وہ یہ صدمہ شاید نہ سہار سکیں، میں چلتی ہوں اب، خدا تمہارا حامی و ناصر ہے، خدا تمہیں ہدایت دے، اس دعا کے علاوہ میری بہن میں تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتی۔'' حریم کھڑے ہوتے ہوئے بولی تھی۔

''حریم دوبارہ بھی ضرور آنا، دیکھو مجھے اس مشکل وقت میں تنہا نہ چھوڑ دینا۔'' ایمن نے نم آنکھوں سے اس کا ہاتھ پکڑ کر التجاء کی تھی۔

''میں ضرور آؤں گی دوبارہ۔'' حریم اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر کہتی ہوئی باہر نکل آئی تھی، ایمن کو آج احساس ہوا تھا کہ حریم شہباز اور ایمن ظہیر میں کیا فرق ہے اور وہ فرق تھا کردار کا۔

☆☆☆

''حدیث نبویؐ کا مفہوم'' جب امانت کو غنیمت سمجھا جائے اور غنیمت کو ذاتی دولت سمجھا جائے، زکوٰۃ کو تاوان سمجھا جائے، آدمی بیوی کی اطاعت اور ماں کی نافرمانی کرے باپ کو دور اور دوست کو قریب جانے، قبیلے کا سربراہ فاجر و فاسق ہو اور قوم کا سربراہ ذلیل اور کمینہ ہو، ابی لعو گانے باجے ظاہر ہوں آدمی کی عزت اس کے شر کی وجہ سے کی جائے، امت کے لوگ اپنے سے پہلے لوگوں پر لعنت بھیجیں تو انتظار کرو، سرخ ہواؤں کا، زلزلوں کا پتھروں کی بارش اور پے در پے واقعات کا کہ جیسے تسبیح دانے ٹوٹ کر گرنے لگتے ہیں، اس حدیث مبارکہ کی روشنی میں موجودہ حالات کا جائزہ لیجئے آپ کو نبیؐ صادق کے الفاظ کی سچائی پر یقین آ جائے گا کچھ عرصہ پہلے میں اسلام آباد طیارہ کریش سے لے کر دیامیر میں آسمانی بجلی کی ہلاکتوں تک سیلاب کی تباہ کاریوں سے لے کر اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے قحط تک یہ سب عذاب الٰہی نہیں تو اور کیا ہے، حدیث مبارکہ میں بیان کیے گئے تمام عیوب بدرجہ اتم ہم میں موجود ہیں لہٰذا باری تعالیٰ نے رسی کھینچ دی ہے، ڈیڑھ کروڑ افراد سیلاب سے متاثر ہوئے ہیں، ہزاروں بستیاں دریا برد ہو چکیں، کالام سے لے کر کوٹڑی تک جہاں پھل اور لہلہاتی فصلیں ہوتی تھیں آج چہار سو پانی کی حکمرانی ہے، ابھی تو متاثرین کو بچانے کی کوششیں ہیں پھر ان کی رہائش اور خوراک کے مسائل اور پھر ان کی بحالی کی سرگرمی ہوگی، اس عذاب کے نتیجے میں دو ہی حل ممکن ہیں، اوّل یہ کہ پروردگار سے اجتماعی استغفار کی جائے اور دوئم یہ کہ استغفار کا عملی ثبوت دیتے ہوئے انفاق فی سبیل اللہ کیا جائے متاثرین کی مدد دل کھول کر کی جائے۔''

''آپ لوگ جوان ہیں ہمت والے ہیں اس لئے اپنے ان متاثرین کے لئے جگہ جگہ سے چندہ اکٹھا کریں اور پھر ان تک پہنچانے کا اہتمام بھی کریں، آج وہ لوگ بے یار و مددگار کھلے آسمان تلے پڑے ہیں کل کو ان کی جگہ ہم بھی ہو سکتے ہیں۔''

بیگ صاحب اپنے کالج کے طلباء و طالبات کو اکٹھا کر کے لیکچر دے رہے تھے، ان کے اس لیکچر کا اتنا اثر ہوا تھا کہ تمام طلباء و طالبات اپنی اپنی جگہ اپنے بے یار و مددگار بہن بھائیوں کی مدد کرنے کے لئے سرگرم عمل ہو گئے تھے۔

''اگر آپ جیسی سوچ ہر کسی کی ہو تو پورے پاکستان کی شکل ہی بدل جائے۔'' مریم نے بھی ان کے لیکچر کا حرف حرف سنا تھا اور اب سراہے بنا نہ رہ سکی تھی۔

''مس مریم سوچتے تو ہم سبھی ہیں مگر افسوس اس سوچ کو عملی جامہ کوئی کوئی ہی پہناتا ہے۔''

''کبھی کبھی تو اس درس گاہ کو بھی خود پر فخر ہوتا ہوگا کہ آپ جیسے لوگوں کا ساتھ اسے ملا ہوا ہے۔''

''مس مریم آپ تو کچھ زیادہ ہی مبالغہ آرائی سے کام لے رہی ہیں۔'' بیگ صاحب ہنس پڑے تھے۔

(باقی آئندہ ماہ)

درد کے اُس پار کہیں

نایاب جیلانی

چونتیسویں قسط کا خلاصہ

ہیام واپس آتا ہے تو نومی سے ٹھکراؤ ہوتا ہے جہاں دونوں میں دلچسپ نوک جھونک چلتی ہے، عینی ہیام کو دیکھ ایک بار پھر نشرہ کے نصیب سے خار کھانے لگتی ہے۔

کومے کے مرنے کی اطلاع پر پلوشہ اپنے ہوش وحواس کھو دیتی ہے وہ ہوسپٹل میں ہے اور شانزے اس کے پاس تھی۔

لاہور سے آئے اسامہ اور اس کی والدہ نے امام کے گھر اور مہمانوں کو سنبھال لیا تھا ہر کوئی کومے کی موت کی خبر پر افسردہ تھا۔

صندیر ابھی تک حیرانگی میں تھا، وہ شاہوار کے بدلے ہوئے اطوار سے چونکتا ہے اور پھر اپنے خاص ملازم کو اس کا کھوج لگانے کو کہتا ہے اور خود بی جاناں کو آ کر بتاتا ہے کہ صندیر خان نے قبیلہ کے باہر کی لڑکی سے نکاح کر رکھا ہے اس بات کے سچ ثابت ہونے کی صورت میں اسے خاندانی جائیداد سے کچھ نہیں ملے گا۔

نیل بر کی سالگرہ کے دن جہاندارا سے سرپرائز سالگرہ وش کرتا ہے۔

اب آپ آگے پڑھیے

پینتیسویں قسط

''گلائی؟'' جہاندار کے بے آواز لب ہلے تھے اور غیر ارادتاً ہی اس کی شہادت کی انگلی نیل بر کے رخسار پر حرکت کرتے کرتے رک گئی تھی۔

نیل بر نے چونک کر جہاندار کی طرف دیکھا تھا، وہ اس کے چہرے پر پھیلے تاثرات دیکھ کر ششدر رہ گئی تھی، وہاں کچھ تو ایسا تھا جو اسے ٹھنکا رہا تھا، کچھ کھو دینے، چھن جانے کا احساس؟

کیا یہ حقیقت تھی؟ یا نیل بر کو چہرے پڑھنے میں کوئی کمال نہیں تھا؟ جو بھی تھا، نیل بر کے اپنے محسوسات بہت عجیب ہو چکے تھے۔

اس نے غیر ارادتاً جہاندار کی طرف کروٹ بدل لی تھی، جہاندار اس وقت چت لیٹا چھت کی طرف کسی غیر مرئی نقطے پہ نگاہ جما کر لیٹا تھا، اس کے دونوں بازو سینے پہ لپٹے تھے اور آنکھوں میں کسی جاوداں لمحے کی پرچھائیاں تھیں۔

''تمہیں کیا ہوا؟'' اس کی اپنی آواز جیسے کسی کنویں سے برآمد ہوئی تھی۔

''مجھے؟'' وہ بے خیالی میں بولا تھا پھر اچانک چونک کر سیدھا ہوا۔

''تمہیں گلائی کہاں پہ ملی؟'' اس کی بڑی بڑی سحر انگیز آنکھوں میں تعجب تھا، بلکہ وہ اس حیرانگی سے اندرونی طور پر نکل ہی نہیں سکا تھا۔

گلائی اور نیل بر؟

وہ تحیر کے عالم میں سوچتا ہی رہا۔

''گلائی مجھے نہیں ملی تھی، بلکہ میں اس سے ملنے گئی تھی۔'' بہت اطمینان کے ساتھ نیل بر نے جہاندار کو بے چین کر دیا تھا، اس کی آنکھوں میں حیرانگی در حیرانگی اتر رہی تھی اور وہ بڑھ رہی تھی، پھیلتی جا رہی تھی۔

''تم......'' وہ لیٹے سے اٹھ گیا تھا۔

''تم کیوں اس سے ملنے کے لئے گئی تھی؟ کیا تم گلائی کو جانتی ہو؟''

''جانتی تو نہیں ہوں، مگر کسی کو جاننے کے لئے سالوں ملنے کی ضرورت نہیں ہوتی، بس ایک لمحہ ہی بہت ہوتا ہے اور میں اس لمحے کو پا چکی ہوں، گلائی کو جان چکی ہوں۔'' اس نے کافی معنی خیزی سے جہاندار کے اطمینان کو مزید غارت کرنا چاہا تھا، وہ گہرا سانس بھرتے ہوئے پھر سے کٹھور ہو گیا۔

''ہاں، تو میں کیا کروں۔''

''میں نے کچھ کرنے کو کہا بھی نہیں۔'' نیل بر نے اپنی ایک ایک بات پہ زور دیا تھا، جہاندار چونک کر اسے دیکھنے لگا تھا، نیل بر کے لہجے میں ہلکے طنز کی آمیزش تھی، کیا وہ کچھ منفی قسم کی سوچوں کے اثر میں تھی؟

''بہتر ہے، تم نہ ہی ملا کرو اس سے، ایک دفعہ مل لیا یہی بہت ہے۔'' کچھ دیر بعد وہ واضح تنبیہ کر رہا تھا۔

''مگر کیوں؟'' نیل بر نے جرح کرنے والے انداز میں کہا تھا۔

''اس کے گھر والے مناسب نہیں سمجھیں گے۔''

"تو نہ سمجھیں، مجھے تو وادی میں ایک فرینڈ مل گئی ہے، میں نے اس سے دوبارہ بھی ملنا ہے۔" نیل بر اپنے ازلی اڑیل انداز میں بولی تھی، جہاندار جھنجھلا گیا تھا۔

"تم اس کی سوتیلی ماں کو نہیں جانتی، خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ بنا لے گی۔"

"بنا لے، نیل بر نے کب کسی کی پرواہ کی ہے۔" اس نے نخوت سے سر جھٹک کر جتلایا تھا۔

"پھر بھی میں نہیں چاہوں گا، تم افراسیاب کی فیملی سے ملو۔" جہاندار کی جھلاہٹ میں اب کہ غصے کی آمیزش تھی۔

"یہ افراسیاب اب کون بلا ہے؟" نیل بر نے جرح کی۔

"چھوڑو پرانے قصے ہیں، بات نکلی تو بہت دور تک جائے گی۔" جہاندار گفتگو کو سمیٹنا چاہ رہا تھا۔

"میں تو چاہتی ہی یہی ہوں، بات نکلے اور بہت دور تک چلتی رہے۔" اس نے ناقابل فہم سے انداز میں کہا تھا۔

"ابھی تو فی الوقت میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔" جہاندار کا انداز ایک دم ہی بدل گیا تھا۔

"تمہاری باتیں سمجھی ہوئی ہیں۔" نیل بر چڑ کر ذرا دور ہٹی تھی، جہاندار نے بموقع پا کر اس پہ ذرا گرفت تنگ کی تھی، نیل بر "مغرور" ہونے کا چانس مس کر گئی، اب اسے خواہ مخواہ ہی جھلاہٹ ہو رہی تھی، ابھی تو اس نے جہاندار سے بہت کچھ اگلوانا تھا اور جہاندار نہایت چالاکی سے موضوع ہی لپیٹ چکا تھا۔

"کہاں سمجھی ہیں، عورتیں اپنے شوہروں کی ایک ابرو جنبش سے معاملات سمجھ لیتی ہیں، یہاں یہ لمبی تمہید اور پورا باب مکالموں کا سوچوں پھر کہیں جا کر دال گلتی نظر آتی ہے۔" جہاندار کا انداز لطیف سا تھا، لبھاتا ہوا، نیل بر نے نخوت سے ناک چڑھالی تھی۔

"وہ اور عورتیں ہوں گی، میں نیل بر کبیر خان ہوں۔"

"ہاں، جی......اسی بات کا تو گھمنڈ ہے، نیل بر کبیر خان کو۔" جہاندار نے ٹھنڈی سانس بھری تھی۔

"گھمنڈ نہیں ہے۔" وہ جھینپ گئی تھی۔

"میں اپنے بارے میں خود آگاہ ہوں۔" وضاحت کا انداز بھی بلا کا خوب تھا، جہاندار کو فی الوقت وہ عام دنوں سے ہٹ کر زیادہ دل کے قریب لگ رہی تھی، سو سارے نخرے اٹھانے کو تیار تھا۔

"اگر نہیں خود آگاہ تو میں تم پہ کوئی لمبی سی غزل لکھ سکتا ہوں۔" اس نے خمار آلود آنکھوں میں اس کے روپ سروپ کو اتارتے ہوئے محبت سے کہا تھا۔

"اچھا......اب دل لگی نہیں کرو۔" وہ خفیف سا مسکراتی رہی۔

"یہ دل لگی نہیں...... دل کو لگی معلوم ہوتی ہے۔" جہاندار نے اس کے وجود کے گرد اپنے بازوؤں کا گھیرا تنگ کر لیا تھا اور نیل بر اپنی دھڑکنیں سنبھالتی قدرے بے بس معلوم ہوتی تھی۔

"کیا تم مجھ سے محبت کرتے ہو؟" نیل بر نے اچانک سمندروں کی گہرائیوں سے بڑھ کر ایسا

''تو نہ سمجھیں، مجھے تو وادی میں ایک فرینڈ مل گئی ہے، میں نے اس سے دوبارہ بھی ملنا ہے۔'' نیل بر اپنے ازلی اڑیل انداز میں بولی تھی، جہاندار جھنجلا گیا تھا۔

''تم اس کی سوتیلی ماں کو نہیں جانتی، خواہ مخواہ بات کا بتنگڑ بنالے گی۔''

''بنالے، نیل بر نے کب کسی کی پرواہ کی ہے۔'' اس نے نخوت سے سر جھٹک کر جتلایا تھا۔

''پھر بھی میں نہیں چاہوں گا، تم افراسیاب کی فیملی سے ملو۔'' جہاندار کی جھلاہٹ میں اب کہ غصے کی آمیزش تھی۔

''یہ افراسیاب اب کون بلا ہے؟'' نیل بر نے جرح کی۔

''چھوڑو پرانے قصے ہیں، بات نکلی تو بہت دور تک جائے گی۔'' جہاندار گفتگو کو سمیٹنا چاہ رہا تھا۔

''میں تو چاہتی ہی یہی ہوں، بات نکلے اور بہت دور تک چلتی رہے۔'' اس نے ناقابل فہم سے انداز میں کہا تھا۔

''ابھی تو فی الوقت میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔'' جہاندار کا انداز ایک دم ہی بدل گیا تھا۔

''تمہاری باتیں سمجھی ہوئی ہیں۔'' نیل بر چڑ کر ذرا دور ہٹی تھی، جہاندار نے موقع پا کر اس پہ ذرا گرفت تنگ کی تھی، نیل بر ''مغرور'' ہونے کا چانس مس کر گئی، اب اسے خواہ مخواہ ہی جھلاہٹ ہو رہی تھی، ابھی تو اس نے جہاندار سے بہت کچھ اگلوانا تھا اور جہاندار نہایت چالاکی سے موضوع ہی لپیٹ چکا تھا۔

''کہاں سمجھی ہیں، عورتیں اپنے شوہروں کی ایک ابرو جنبش سے معاملات سمجھ لیتی ہیں، یہاں یہ لمبی تمہید اور پورا باب مکالموں کا سوچوں پھر کہیں جا کر دال گلتی نظر آتی ہے۔'' جہاندار کا انداز لطیف سا تھا، لبھاتا ہوا، نیل بر نے نخوت سے ناک چڑھالی تھی۔

''وہ اور عورتیں ہوں گی، میں نیل بر کبیر خان ہوں۔''

''ہاں، جی......اسی بات کا تو گھمنڈ ہے، نیل بر کبیر خان کو۔'' جہاندار نے ٹھنڈی سانس بھری تھی۔

''گھمنڈ نہیں ہے۔'' وہ جھینپ گئی تھی۔

''میں اپنے بارے میں خود آگاہ ہوں۔'' وضاحت کا انداز بھی بلا کا خوب تھا، جہاندار کو فی الوقت وہ عام دنوں سے ہٹ کر زیادہ دل کے قریب لگ رہی تھی، سو سارے نخرے اٹھانے کو تیار تھا۔

''اگر نہیں خود آگاہ تو میں تم پہ کوئی لمبی سی غزل لکھ سکتا ہوں۔'' اس نے خمار آلود آنکھوں میں اس کے روپ سروپ کو اتارتے ہوئے محبت سے کہا تھا۔

''اچھا......اب دل لگی نہیں کرو۔'' وہ خفیف سا مسکراتی رہی۔

''یہ دل لگی نہیں......دل کو لگی معلوم ہوتی ہے۔'' جہاندار نے اس کے وجود کے گرد اپنے بازوؤں کا گھیرا تنگ کر لیا تھا اور نیل بر اپنی دھڑکنیں سنبھالتی قدرے بے بس معلوم ہوتی تھی۔

''کیا تم مجھ سے محبت کرتے ہو؟'' نیل بر نے اچانک سمندروں کی گہرائیوں سے بڑھ کر ایسا

سوال کر لیا تھا، جس نے لمحہ بھر کے لئے جہاندار کو منجمد کر دیا۔

''محبت۔'' جہاندار اس سوال پہ بھونچکا رہ گیا تھا، ان کے رشتے میں محبت کہاں سے آ گئی تھی؟ نیل بر کے سوال نے حقیقی معنوں میں اسے جھنجھوڑ دیا تھا۔

''کیا میرا سوال مشکل ہے؟ یا تمہیں جواب دینا مشکل لگ رہا ہے۔'' جہاندار کی خاموشی پہ نیل بر کا بے قرار دل بیٹھ سا گیا تھا۔

''ایسی بات نہیں۔'' جہاندار نے گہرا طویل سانس کثیف فضا کے سپرد کرتے ہوئے خود کو کمپوز کر لیا تھا۔

''تو پھر کیسی بات ہے؟ مجھے میرے سوال کا جواب چاہیے۔'' وہ اس کے مضبوط گرفت میں مچلتے ہوئے اڑیل انداز میں بولی تھی۔

''جو رشتہ ہمارے بیچ ہے، اس میں تمہیں کیا نظر آتا ہے؟''

جہاندار نے اس کی خفا سی آنکھوں میں جھانک کر نرمی سے سوال کیا تھا، وہ اس وقت نیل بر کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا، کم از کم اس گھڑی تو ہرگز نہیں۔

''اگر میں نے سچ بول دیا تو کیا رہے گا تمہارے پاس۔'' وہ عجیب انداز میں بولتی اس کی بہکی بہکی پیش قدمی پہ ہلکا سا بندھ باندھ چکی تھی، وہ لحظہ بھر کے لئے رک سا گیا تھا۔

''اگر میرے پاس کچھ نہ بھی رہا تو تمہارے سچ کا جواب ضرور دوں گا۔''

''تو پھر سمجھ لو کہ مجھے اپنے اور تمہارے بیچ محبت نہیں، بس ہوس نظر آتی ہے۔'' نیل بر کے اگلے الفاظ نے جہاندار کے پرخچے اڑا دیئے تھے، وہ لمحہ بھر کے لئے کسی پتھر کی طرح منجمد ہو چکا تھا۔

''اگر میں کہوں، یہی حقیقت ہے تو تمہارے پاس کیا رہ جائے گا۔'' کچھ دیر بعد جہاندار نے نہایت کٹھور لہجے میں بہت درشتگی کے ساتھ اس کا سوال اسی پہ لٹایا تو نیل بر لمحہ بھر میں برف بن گئی تھی۔

''ذلت کا صرف ایک احساس۔'' نیل بر نے آنکھیں موند کر اذیت بھرے لہجے میں کہا تھا، تب اسے محسوس ہوا، جہاندار اس کے قریب سے اٹھ کر چلا گیا، نیل بر تکیے پہ سر گرا کر جیسے ہار گئی تھی۔

☆☆☆

شاہوار خان مورے کے گھٹنے سے لگا بیٹھا تھا۔

جانے کون سے راز و نیاز چل رہے تھے، عشیہ کچن میں تھی اور نشرہ ہیام کی کال سن رہی تھی، اس کی دبی دبی ہنسی سے اندازہ ہو رہا تھا، ہیام اسے محبت کی پہیلیاں اور لطیفے سنا رہا تھا، عروفہ جلے پیر کی بلی بنی کمرے میں چکر کاٹ رہی تھی۔

''اللہ جانے شاہوار کی اس سفید بلی میں کیا نظر آیا ہے؟'' اس کی ازلی جلن باہر نکل آئی تھی، کبھی شاہوار کے لئے اس کے اپنے دل میں بھی سافٹ ٹل کارنر تھا، جو بعد ازاں عشیہ کی جلن میں ہی بہہ نکلا تھا۔

''خانزادوں کی چار روزہ ہی محبت ہوتی ہے، اپنے باپ کو بھول گئی ہے عشیہ! یہ بھی تو انہی کا خون ہے، خود غرض کیوں نہیں ہوگا۔'' وہ عجیب حسد سے سوچ رہی تھی اس پل اسے یاد بھی نہیں تھا، کہ عشیہ اس کی بہن ہے اور اسی عشیہ نے اس گھر کے لئے بہت ساری قربانیاں بھی دی تھیں۔

مگر جہاں دل میں کدورت، حسد اور بغض کا بیج دبا ہو، وہاں کسی کی اچھائیاں کہاں نظر آتی ہیں؟

''اور یہ شاہوار روزانہ منہ اٹھا کر گھر آ جاتا ہے، جانے پٹھانوں کی غیرت کہاں سوئی ہے؟ پہلے وقتوں میں منگیتر گلی سے غلطی کے ساتھ بھی گزر جاتے تو بزرگ منگنی توڑ دیتے تھے مگر آج کل؟ ہاں...... جی، زمانہ واقعی بدل چکا ہے، اپنے بھائی صاحب کو ہی دیکھ لیتے ہیں، چلتی پھرتی قیامت کو اپنے گھر اٹھا لایا ہے اور مورے کو کوئی اعتراض بھی نہیں، ہاں، جی...... کماؤ پوت سے کون ٹکر لے گا؟ جس کا جو دل چاہتا ہے، ڈنکے کی چوٹ پہ کرتا ہے، ایک پابندیاں ہیں تو مجھ غریب پہ، مگر اب میں بھی کوئی پابندی نہیں برداشت کروں گی۔'' وہ اندر ہی اندر کسلتے ہوئے بہت فضول قسم کی سوچوں کا شکار تھی۔

''اگر عشیہ کے لئے فون آ سکتا ہے، نشرہ کو مہمان سمجھ کر فون رکھنے کی اجازت ہے تو مجھے کیوں نہیں، مجھے آزادی سے جینے کا کوئی حق نہیں؟'' وہ زہر خند لہجے میں بڑبڑائی تھی۔

''میں دیکھتی ہوں مجھے کون فون رکھنے سے روکتا ہے۔'' اس کا انداز فیصلہ کن تھا اور ایسے ہی سوچتے سوچتے اس کا ذہن ولید کی طرف بھٹک گیا تھا، اسے خیال آیا، یہ ساری بے کلی کی وجہ ولید ہی ہے، پچھلے دو دن سے نجانے وہ کہاں غائب تھا؟ اتنا قریب آ کر دور کیسے ہو گیا تھا؟ عروفہ کا دل وسوسوں کی اتھاہ میں ڈوبنے لگا۔

وہ کیسے ولید سے رابطہ کرے؟ کس طرح اس سے بات کرے؟ وہ کہاں چلا گیا تھا، اس کے اندر الفت کا شعلہ بھڑکا کر، اپنائیت کی آگ جگا کر۔

اور عروفہ تو نتائج کا سوچے بنا سپنوں کی سرسبز وادی میں بہت آگے تک نکل گئی تھی، جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہیں بچتا تھا۔

اور اب ولید سے رابطے کا ایک ہی ذریعہ تھا، یعنی موبائل فون...... اور عروفہ نے جیسے ہی موبائل نشرہ کے ہاتھوں سے آزاد ہوتے دیکھا، موقع پا کر اس نے فون اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔

اور اب اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے وہ ولید کا نمبر ڈائل کر رہی تھی، جانے کیوں اسے امید تھی، ولید اس کا فون ضرور سنے گا۔

مگر کافی دیر گزر جانے کے بعد جب وہ مایوس ہو کر موبائل رکھنے جا رہی تھی، تب ہی ولید کی کال آ گئی تھی، عروفہ کو جیسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی، مارے خوشی اور جذبات کے ہاتھ کانپنے لگے تھے، دھڑکنوں کا شور بھی کچھ الگ ہی تھا اور دل کسی اور ہی لے پہ دھڑک رہا تھا۔

آہ، یہ سلسلے دل کے بھی عجیب ہی تھے۔

جب اس نے بے ساختہ ولید سے شکوہ کیا۔

''آپ کہاں چلے گئے تھے؟'' ان چار لفظوں میں ایسی تڑپ تھی جس نے ولید کو سر تا پا چونکا دیا

تھا۔

عروفہ اس کی توقع سے بھی بڑھ کر بہت آسان ہدف ثابت ہوئی تھی، وہ اس کے بہت آسانی کے ساتھ کام آسکتی تھی۔

اس کا مقصد صرف اور صرف نشرہ کو تیز کرنا تھا، نشرہ کی چاہت یا حصول ولید کی خواہش نہیں تھی اور اب سے اپنا ''مقصد'' صاف نظر آرہا تھا، بہت آسانی کے ساتھ وہ عروفہ کو اپنی گمبھیر تا لہجے کے فسوں اور لفظوں کے جال میں بن کر شیشے میں اتار چکا تھا۔

عروفہ چند ہی دنوں میں محبت کی سیڑھی چڑھتی نظر آئی تھی اور اپنی بیوقوفی میں وہ ولید کو گھر کے سارے راز و نیاز بتاتی رہی، کبھی سورے کے گلے، کبھی بہنوں سے بیزاری، کبھی بھائی سے دوری، گھر میں اسے کوئی اچھا نہیں سمجھتا تھا اور اُسے بھی کسی سے لگاؤ نہیں تھا، وہ گھر والوں سے نفرت کی حد تک بدگمان تھی، ان بدگمانیوں کی وجوہات گوکہ چھوٹی چھوٹی تھیں، مگر ولید نے ان کو اور بھی بڑھا چڑھا دیا تھا۔

''تمہارے گھر والوں کا سلوک تو بہت ہی ناروا ہے، تیسرے درجے کے شہری جیسا، میرا بس چلے تو ان جانوروں کے چنگل سے تمہیں آزاد کروالوں۔'' ولید کو پتا تھا کون سا پتہ کہاں پہ چلنا ہے، سو وہ عروفہ کو بہت جلد اپنے بس میں کر چکا تھا۔

وہ جتنی جھگڑالو، غصیلی اور بد مزاج لڑکی تھی، مگر تھی بیوقوف ہی، سمجھ بوجھ اس کے قریب سے بھی نہیں گزری تھی، سو وہ ولید کے لئے سب سے زیادہ آسان ہتھیار ثابت ہوئی تھی۔

''تمہارے آنے سے پہلے میری زندگی میں کچھ بھی نہیں تھا۔'' وہ اداسی بھری آواز میں حقیقت بتا رہی تھی، ولید نے ہزاروں میل کی دوری سے لمبا سا ہنکارا ابھرا۔

''اور میرے جانے کے بعد بھی تمہاری زندگی میں کچھ نہیں رہے گا پور گرل۔'' ولید نے سر جھٹک کر سوچوں سے دامن چھڑایا اور پھر کام کی بات پہ آگیا تھا۔

''تم فضول سوچوں سے آزاد ہو جاؤ، اب میں آگیا ہوں نا، سب بہت اچھا کر دوں گا۔'' اس کا انداز پچکارنے والا تھا، عروفہ کے ہاتھ میں ایک اور امید کا دیا تھما گیا، اس کا دل کسی اور ہی لے پہ دھڑکنے لگا، اسے اچانک ہی محسوس ہونے لگا تھا، زندگی بیکار نہیں تھی۔

''کیا تم میرا ہاتھ تھاموگے۔'' وہ جیسے کوئی یقین دہانی چاہتی تھی، ولید نے دل ہی دل میں ''لاحول'' پڑھا۔

''لڑکی بہت تیز جارہی ہے۔'' اس نے سوچتے ہوئے سر جھٹک دیا تھا اور پھر یکسر بدلی آواز اور بدلے لہجے میں اسے تسلی دیتے ہوئے کہنے لگا۔

''تم خود کو اکیلا مت سمجھو، میں ہوں نا، اندھیروں سے مت ڈرو، سویرا تمہاری کھڑکی کے اس پار ہے، تمہارا منتظر۔'' اس نے گمبھیر لہجے میں بات گھما کر اسے اپنے لفظوں کے فسوں میں الجھا دیا تھا۔

''کیا کوئی سویرا میرے لئے بھی ہوگا؟'' وہ یاسیت میں ڈوبے لہجے کے ساتھ بولی تھی۔

''کیوں نہیں، بس مایوس نہیں ہوتے، ہر اندھیرے کے بعد ایک سویرا ضرور ہوتی ہے۔'' وہ

تھا۔

عروفہ اس کی توقع سے بھی بڑھ کر بہت آسان ہدف ثابت ہوئی تھی، وہ اس کے بہت آسانی کے ساتھ کام آسکتی تھی۔

اس کا مقصد صرف اور صرف نشرہ کو ٹیز کرنا تھا، نشرہ کی چاہت یا حصول ولید کی خواہش نہیں تھی اور اب سے اپنا ''مقصد'' صاف نظر آرہا تھا، بہت آسانی کے ساتھ وہ عروفہ کو اپنی گمبیر تا لہجے کے فسوں اور لفظوں کے جال میں بن کر شیشے میں اتار چکا تھا۔

عروفہ چند ہی دنوں میں محبت کی تسبیح پڑھتی نظر آئی تھی اور اپنی بیوقوفی میں وہ ولید کو گھر کے سارے رازونیاز بتاتی رہی، کبھی مورے کے گلے، کبھی بہنوں سے بیزاری، کبھی بھائی سے دوری، گھر میں اسے کوئی اچھا نہیں سمجھتا تھا اور اسے بھی کسی سے لگاؤ نہیں تھا، وہ گھر والوں سے نفرت کی حد تک بدگمان تھی، ان بدگمانیوں کی وجوہات گو کہ چھوٹی چھوٹی تھیں، مگر ولید نے ان کو اور بھی بڑھا چڑھا دیا تھا۔

''تمہارے گھر والوں کا سلوک تو بہت ہی ناروا ہے، تیسرے درجے کے شہری جیسا، میرا بس چلے تو ان جانوروں کے چنگل سے تمہیں آزاد کروالوں۔'' ولید کو پتا تھا کون سا پتہ کہاں پہ چلنا ہے، سو وہ عروفہ کو بہت جلد اپنے بس میں کر چکا تھا۔

وہ جتنی جھگڑالو، غصیلی اور بدمزاج لڑکی تھی، مگر تھی بیوقوف ہی، سمجھ بوجھ اس کے قریب سے بھی نہیں گزری تھی، سو وہ ولید کے لئے سب سے زیادہ آسان ہتھیار ثابت ہوئی تھی۔

''تمہارے آنے سے پہلے میری زندگی میں کچھ بھی نہیں تھا۔'' وہ اداسی بھری آواز میں حقیقت بتا رہی تھی، ولید نے ہزاروں میل کی دوری سے لمبا سا ہنکارا ابھرا۔

''اور میرے جانے کے بعد بھی تمہاری زندگی میں کچھ نہیں رہے گا پور گرل۔'' ولید نے سر جھٹک کر سوچوں سے دامن چھڑایا اور پھر کام کی بات پہ آگیا تھا۔

''تم فضول سوچوں سے آزاد ہو جاؤ، اب میں آگیا ہوں نا، سب بہت اچھا کر دوں گا۔'' اس کا انداز پچکارنے والا تھا، عروفہ کے ہاتھ میں ایک اور امید کا دیا تھما گیا، اس کا دل کسی اور ہی لے پہ دھڑکنے لگا، اسے اچانک ہی محسوس ہونے لگا تھا، زندگی بیکار نہیں تھی۔

''کیا تم میرا ہاتھ تھامو گے۔'' وہ جیسے کوئی یقین دہانی چاہتی تھی، ولید نے دل ہی دل میں ''لاحول'' پڑھا۔

''لڑکی بہت تیز جا رہی ہے۔'' اس نے سوچتے ہوئے سر جھٹک دیا تھا اور پھر یکسر بدلی آواز اور بدلے لہجے میں اسے تسلی دیتے ہوئے کہنے لگا۔

''تم خود کو اکیلا مت سمجھو، میں ہوں نا، اندھیروں سے مت ڈرو، سویرا تمہاری کھڑکی کے اس پار ہے، تمہارا منتظر۔'' اس نے گمبیر لہجے میں بات گھما کر اسے اپنے لفظوں کے فسوں میں الجھا دیا تھا۔

''کیا کوئی سویرا میرے لئے بھی ہوگا؟'' وہ یاسیت میں ڈوبے لہجے کے ساتھ بولی تھی۔

''کیوں نہیں، بس مایوس نہیں ہوتے، ہر اندھیرے کے بعد ایک سویر ضرور ہوتی ہے۔'' وہ

دھیمے لہجے میں مسکرایا تھا، اس کی مسکراہٹ عروفہ کے لئے ایک ارزجیلک ٹانک کا کام دیتی تھی، اس کے گالوں پہ شگفتہ سی مسکراہٹ کھل اٹھی تھی۔

"تم بھول جاؤ، تمہاری زندگی میں پہلے کوئی دکھ بھی تھے۔" وہی فسوں خیز انداز، جس نے عروفہ کو پہلے ہی گھائل کر رکھا تھا اور ولید تھا، گھاگ شکاری، پہلے وہ شکار کو پھانسنا چاہتا تھا، پھر اپنا مطلب نکالنا چاہتا تھا اور اتنی جلدی وہ نشرہ کے حوالے سے کوئی غلطی کر کے عروفہ کو چوکنا نہیں کر سکتا تھا۔

جب تک عروفہ اس کے بس میں نہ ہوتی، تب تک نشرہ یہاں آزادی سے جی سکتی تھی، اس کے بعد کیا ہونا تھا؟ ولید آنکھوں کی پتلیوں میں اگلے خوشنما منظر سمیٹتا بہت شانت تھا اور ادھر عروفہ اس سے کچھ وعدے لے رہی تھی۔

"اس طرح بنا بتائے رابطے ختم تو نہیں کریں گے؟"

"میں مصروف تھا، اس لئے کانٹیکٹ نہیں کر سکا، آئندہ تمہیں شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔" وہ حقیقتاً شرمندہ نظر آیا تھا۔

"میں بہت سے وسوسوں کا شکار تھی۔" وہ اداس لہجے میں بتا رہی تھی۔

"میں تمہارے سارے وسوسے دور کر دوں گا۔" ولید کا انداز ڈھارس دینے والا تھا۔

"مجھے بھولو گے تو نہیں؟" جانے وہ کیسی یقین دہانی چاہتی تھی۔

"میں بھولنے والوں میں سے نہیں ہوں، محبت ہو یا انتقام، میں کچھ نہیں بھولتا۔" ولید کی آواز اچانک سانپ کی پھنکار کے مشابہ ہو چکی تھی، عروفہ میں اتنی عقل نہیں تھی، جو اس کے لہجے کے بدلاؤ کو محسوس کر سکتی۔

"اور تمہیں تو کبھی نہیں بھول سکتا، تم میرے آگ اگلتے جذبات پہ ٹھنڈی پھوار بن کر اتری ہو۔" ولید کا دھیما لہجہ پرسکون ہوتا چلا گیا تھا اور عروفہ ان باتوں کی گہرائی کیا سمجھتی؟ وہ اس کے لہجے کی گمبھیرتا میں ہی ڈوب گئی تھی۔

جس شخص کی آواز اتنی دل کھینچ لینے والی تھی، وہ خود کس قدر خوبصورت ہو گا؟ عروفہ کا اکثر اسے دیکھنے کو دل مچلنے لگا تھا۔

اور کبھی کوئی دن ایسا ہو گا جب وہ اس جادو بھری آواز والے شہزادے کو دیکھ سکے گی؟ وہ سپنوں کی وادی میں بہت آگے تک نکل چکی تھی۔

اس احمق شہزادی کو خبر ہی نہیں تھی، آگے کا سفر ایک امتحان تھا، سپنوں کی اس وادی کے اندر کوئی رستہ بھی نہیں تھا، وہ راہ بھٹکنے والی تھی، وہ رستہ گم کرنے والی تھی۔

☆☆☆

شاہوار کے چلے جانے کے بعد ماحول گرم ہو گیا تھا۔

عشیہ جو کب سے ضبط کیے بیٹھی تھی، بالآخر جلتی کسلتی پھٹ ہی پڑی۔

"منہ اٹھا کر روز ہی آ جاتا ہے، خیر تو تھی؟" انداز بھرپور طنزیہ تھا، بے ساختہ چبھنے والا، چنے کی دل حلوے کے لئے صاف کرتی نشرہ کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

''تو کیا منہ آنا کر آئیں؟''

''اوں ہوں۔'' عشیہ نے خفگی سے بھرپور تنبیہ کی تھی، جس کا لب لباب یہ تھا، شاہوار ک حمایت کرنے کی کوشش بھی مت کرنا، مطلب یہ تھا جنابہ شدید غصے میں تھیں، شاید عشیہ کو پہلے ہ شاہوار کی آمد کا پس منظر کھٹک رہا تھا۔

''تم کیوں مرچی چبھا رہی ہو۔'' مورے تسبیح سے دھیان ہٹا کر مصنوعی بیزاری سے بولی تھیں، ان کے چہرے پر سوچوں کا جال تنا ہوا تھا۔

جب سے شاہوار اٹھ کر گیا تھا، وہ تب ہی بہت خاموش تھیں اور عشیہ کو ان کی خاموشی خاص کھٹک رہی تھی۔

''خیریت ہے مورے؟'' اس کے رہا نہیں گیا تھا، مورے کی خاموشی کے پیچھے چھپی پریشانی نے اسے چوکنا کر دیا تھا۔

''ہیام سے رات میری بات کروانا۔'' انہوں نے عشیہ کی بات قطعی طور پر نظر انداز کر دی تھی، عشیہ جھنجھلا گئی، اسے اپنی بات کا جواب نہیں ملا تھا۔

''ابھی تو گیا ہے وہ، ٹک کے کام کرنے دیں اسے۔'' وہ چڑ کر بولی تھی۔

''کچھ ضروری بات کرنی ہے ہیام سے۔'' مورے نے ازلی چڑ چڑے پن سے جتلایا تھا، جیسے عشیہ کی تکرار ناگوار گزر رہی تھی۔

''یہ شاہوار کس خوشی میں آیا تھا۔'' اس نے ڈھیٹ بن کر بالآخر ایک مرتبہ پھر پوچھ لیا، اب کہ نشرہ اپنی دبی دبی ہنسی کو چھپا نہیں سکی تھی، اس کی ہنسی کی آواز پہ عشیہ نے نشرہ کو ایک تگڑی قسم کی گھوری سے نوازا تھا۔

''بہت دانت نکل رہے ہیں، سارے توڑ دوں گی۔'' انداز دھمکی سے بھرپور تھا، نشرہ خوب ہی لطف اندوز ہوئی تھی، تاہم دانت بے ساختہ اندر کر لئے تھے۔

''آں......آیا تھا کسی کام سے۔'' مورے نے بات بنا کر توجہ تسبیح کی طرف مبذول کر لی تھی، جس کا مطلب تھا، وہ مزید عشیہ کے سوالوں کے جواب دینے کا موڈ نہیں رکھتی تھیں۔

''کون سا کام؟'' عشیہ کی ساری حسیں الرٹ ہو گئی تھیں۔

''پوچھنے کے لئے آئے تھے، نشرہ چنے کی دال پیس کر کیسے حلوہ بناتی ہو، اگر بن گیا تو میرا حصہ بھی نکالنا۔'' نشرہ نے مسکراہٹ دبا کر بے چین بیٹھی عشیہ کو پھر سے چھیڑ دیا تھا۔

''خبردار، جو ایک چمچ بھی دینے کی کوشش کی تو۔''

''نا...... میں تو پورا باؤل نکالوں گی۔'' نشرہ نے سارے کنکر اٹھا کر ڈسٹ بن میں ڈالے تھے، اب وہ دال پیسنے کا طریقہ مورے سے سمجھ رہی تھی، عشیہ ضبط سے ان دونوں کی بات ختم ہونے کا انتظار کرتی رہی، پھر جب نشرہ بادام اور ناریل کدوکش کرنے کے لئے اٹھی تو عشیہ کو بھی موقع مل گیا تھا۔

''مورے! وہ کوئی ایسی ویسی بات تو نہیں کر رہا تھا؟'' وہ بے چینی سے انگلیاں مروڑتے پوچھ رہی تھی۔

''اسے کیا ضرورت ہے۔'' مورے کا روکھا سا جواب آیا۔

''ہونہہ۔'' وہ پاؤں پٹختی باورچی خانے میں آ گئی تھی، جہاں پہ نشرہ ناریل کدوکش کرنے میں مصروف نظر آئی تھی، پاس ہی باداموں کا چورا پڑا تھا، عشیہ نے چٹکی بھر کر اٹھایا اور پھانک لیا۔

''اب کیا ہے پچھنی ہے؟'' نشرہ نے بھوں اچکا کر بے کل کھڑی عشیہ سے سوال کیا تھا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے؟ یہ مجھ سے کچھ چھپا رہی ہیں؟'' اس کے انداز میں بھرپور شک تھا، شاید اس کی چھٹی حس بہت ہی الرٹ تھی۔

''ہاں، لگتا تو ہے۔'' نشرہ نے معنی خیزی سے کہا۔

''تو کتنی! تم ہی بتا دو، میں جانتی ہوں، تمہیں سب پتا ہے میسنی۔'' عشیہ کی توپوں کا رخ بدل چکا تھا، تب ہی گھٹ گھٹ کر ہنستی نشرہ نے ایک پیارا سا اشارہ دیا تھا۔

''شاہوار لالہ نکاح کی ڈیٹ فکس کر کے اٹھے ہیں، کہہ رہے تھے، عشیہ کو بتانے کی ضرورت ہی نہیں، خواہ مخواہ رنگ میں بھنگ ڈالے گی۔'' بالآخر نشرہ نے دھماکہ کر ہی ڈالا تھا اور عشیہ کا ناریل پھانکتا ہاتھ بس ایسے ہی فضا میں معلق رہ گیا تھا، اس کی آنکھیں بے یقینی سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

''پھر مورے نے کیا جواب دیا؟'' بہت دیر بعد وہ کچھ پوچھنے کے قابل ہو سکی تھی، گو کہ اسے کچھ کچھ پہلے سے ہی اندازہ تھا مگر پھر بھی شاک خاصا گمبھیر لگا تھا۔

''ان کا جواب یہی تھا، یعنی جیسے تم کہو۔'' نشرہ نے اس کی کھلی آنکھوں میں جھانک کر بتایا تھا۔

''اب آپ چیخنے چلانے سے پرہیز کریں کیونکہ لالہ پیام سے پہلے ہی بات کر چکے ہیں، اب برائے مہربانی ہمیں بھی کوئی فنکشن انجوائے کرنے کا موقع عنایت فرمائیں، عین نوازش ہو گی۔'' نشرہ نے بہت لجاجت کے ساتھ کہا تھا، بس ہاتھ باندھنے کی کسر رہ گئی تھی۔

''شاہوار خان۔'' عشیہ نے آنکھیں میچ کر جیسے ہری مرچیں دانتوں تلے پیش ڈالی تھیں۔

''تم میرے ہاتھوں بچو گے نہیں۔''

''وہ آپ کے ہاتھوں پہلے ہی گھائل ہو چکے ہیں۔'' نشرہ نے مسکراتے ہوئے جتایا تھا۔

''اور گھائل ہوئے کو مزید کیا اور گھائل کرنا ہے۔'' عشیہ نے اس کا مسکراتا چہرہ دیکھا تھا، وہاں خوشی اور روشنی تھی۔

''محبتوں کی قدر کرتے ہیں عشیہ! یہ تو بہت انمول ہوتی ہیں۔'' وہ چھوٹی سی لڑکی اسے سمجھا رہی تھی۔

''اور لالہ کی محبت تو بہت انمول ہے، خاص آپ کے لئے، ڈنکے کی چوٹ پر، آپ خاص الخاص ان کی پسند ہیں اور انہوں نے سرداروں کی حویلی سے ٹکر لے کر آپ سے ناطہ جوڑا ہے، اب کیا اپنی ہٹ دھرمی سے انہیں یہ احساس ضرور دلائیں گی کہ انہوں نے آپ کے پیچھے کیا کچھ چھوڑا ہے؟'' نشرہ کے اگلے الفاظ نے عشیہ کو چاروں شانے چت کر ڈالا تھا، وہ بے خودی اس چھوٹی لڑکی کو سنتی رہی تھی، پھر بے ساختہ آگے بڑھ کر اسے اپنے گلے سے لگا لیا تھا۔

''مجھے بہت پہلے اندازہ تھا، میرے بھائی نے ایک گوہر کا انتخاب کیا ہے، آج یقین سے کہہ

سکتی ہوں، میرے بھائی نے واقعی ہیرے کا انتخاب کیا ہے، کیونکہ جوہر شناس ہی ہیرے کی اصلیت اور نقلیت کا اندازہ کرسکتا ہے۔''

وہ اس کی پیشانی پہ روشن مقدر کو دیکھتی بہت محبت سے کہہ رہی تھی اور نشرہ کو لگا اتنے عرصے کی تپسیا کا اذیتوں کا اور لامحدود سفر میں ملنے والی تکلیفوں کا ازالہ ہوگیا ہے۔

☆☆☆

''جہاندار؟'' صندیر خان کے وجود کی عمارت کے جیسے پرخچے اڑ گئے تھے، وہ بیٹھے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور کھڑے کھڑے اضطراری انداز میں چلنے لگا، پیروں تلے سے زمین کا نکلنا کیا ہوتا ہے؟

صندیر خان کو آج پتا چلا تھا، آج سے پہلے تو وہ لوگوں کے پیروں تلے سے زمین کے ٹکڑے کھسکاتا تھا، آج اس کے ساتھ انہونی ہوچکی تھی۔

''تو کیا جہاندار کا آنا پری پلینڈ تھا، وہ کسی سوچی سمجھی اسکیم اور بڑے منصوبے کا جال بنا کر آیا تھا؟'' صندیر خان کے دماغ کی رگیں کھنچ گئی تھیں۔

''کیا وہ گیم کھیل رہا تھا؟'' صندیر خان پاگلوں کی طرح سوچتا رہا۔

''اور اس نے نیل بر کو بھی اپنی گیم کا حصہ بنالیا؟ ساری چال اپنے ہاتھ میں کرلی؟ کیا اس نے نیل بر کے ساتھ ساتھ بژمحل کے شاطر سرداروں کو پچھاڑ کر رکھ دیا؟'' اس کا گرم ابلتا خون کھولنے لگا تھا۔

''وہ ہماری چالیں ہم پہ ہی الٹ گیا۔'' صندیر خان غصے کی انتہا میں ہر چیز ٹھوکروں سے اڑا رہا تھا، وہ منہ سے کف اڑا رہا تھا۔

''یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی ہمیں دن دیہاڑے الو کا پٹھا بنا جائے۔'' وہ زہر خند ہو رہا تھا۔

''سرکار!'' غریب خان نے لجاجت سے کہا تھا۔

''آپ غصہ نہ کریں، ٹھنڈے دل سے سوچیں۔''

''دل اور دماغ ٹھنڈے کیسے ہوں؟ میرے اندر بھانبڑ جل رہا ہے۔'' اس نے غضب ناک ہوکر کرسٹل کی میز کو ٹھوکروں سے اڑا دیا تھا، امپورٹڈ شیشہ تھا، چکنا چور ہونے سے بچ گیا تھا، غریب خان تھر تھراتا رہا، اب اس بپھرے خان کو کون قابو کرنے کی جرأت کرتا؟

''ہماری ناک تلے اسے نے شطرنج کی بساط بچھائی، اپنی مرضی کی چالیں چلیں، اپنی مرضی سے مہرے چلائے، اپنی مرضی سے بساط الٹ کر چل دیا، ہماری غیرت پر تازیانہ مار کے، میرا خون کھول رہا ہے، سردار کبیر خان کی بیٹی ہمارے دشمنوں کی حویلی میں ہے، میں تہس نہس نہ کردوں ہر چیز کو۔'' وہ کسی زخمی درندے کی طرح غرا رہا تھا، غریب خان اپنی اٹکتی سانسیں ہموار کرنے میں جت گیا، خان سے کوئی قباحت نہیں تھی کہ پستول اٹھاتا اور اس بری خبر کے سنانے پر غریب خان کی زندگی کا چراغ گل کردیتا۔

''وہ اتنے سال سے تھا کہاں؟'' بادامی آنکھیں قتل کے رنگ جیسی سرخ تھیں۔

''شیر اپنی کچھار میں تھا، اب پوری تیاری سے باہر آیا ہے۔'' غریب خان نے سر جھکا کر

کپکپاتے لہجے میں بتایا تھا۔

''اس کا اپنے سوتیلے بہن بھائیوں سے کیا تعلق؟ کیا یہ سوتیلے رشتوں کی خاطر اپنی جان کو خطروں میں ڈال کر انتقام لے گا۔'' اتنی مدت میں پہلی مرتبہ صندیر خان نے غصے کی انتہا سے نیچے آ کر سوچا تھا، جہاندار کی واپسی کوئی عام واپسی نہیں تھی۔

یہ ایک طوفان کی آمد تھی، جو پربتوں کو ہلا دیتا، یہ ایسی قیامت تھی، جو آنے والی کئی نسلوں کو تباہی سے ہمکنار کر دیتی۔

شیر اپنی کچھار سے باہر آ گیا تھا، شیر انتقام کی آگ بجھانے آ گیا تھا، شیر اپنے پیاروں کے ناحق خون بہانے کا بدلہ لینے آ گیا تھا۔

صندیر خان کو بہت سال پہلے اس خونی شام کی آہیں یاد آنے لگی تھیں، جب اس کی مسیں بھیگ رہی تھیں، جب لڑکپن کو خیرباد کرنے کا نیا نیا خمار چڑھ رہا تھا، جب نوجوانی کا نشہ اور غرور سر چڑھ کر بول رہا تھا، جب صندیر خان انسانوں کو اپنے قدموں تلے روند کر چلتا تھا، یہ خونی شام اس کی آنکھوں میں خوفناک عکس بنانے لگی تھی۔

اسے گھوڑوں ٹاپوں کی آواز سنائی دینے لگی، پولو کے میدان میں ہر رنگ اور ہر نسل کے گھوڑے بھاگ رہے تھے، اس کا گھوڑا سب سے آگے تھا، پچھلے کئی سالوں سے سب گھوڑوں سے آگے تھا، مگر آج گلگت کے پولو میدان میں تاریخ بدلنے والی تھی۔

صندیر خان کے گھوڑے سے اچانک پیچھے سے آنے والا تیز رفتار گھوڑا بہت آگے نکل گیا تھا، صندیر خان اس شاک سے سنبھل ہی نہ سکا، کیا کوئی پولو کے میدان میں پولو کے اس منجھے ہوئے کھلاڑی کو بھی پچھاڑ سکتا تھا؟

کراچی سے آنے والا شیر شاہ فریدے کا چھوٹا بھائی، سنہرے سورج جیسی رنگت اور سحر طراز آنکھوں والا فرخزاد اس تاریخی دن گلگت کے پولو میدان میں اک نئی تاریخ رقم کر گیا تھا۔

وہ آیا اور چھا گیا، اس نے لوگوں کے دلوں میں اپنی فتح کے جھنڈے گاڑ دیے تھے، وہ لوگوں کے دلوں میں آیا اور ہمیشہ کے لئے قیام کر گیا، پھر کوئی فرخزاد کی ٹکر کا ''گھڑ سوار'' آیا ہی نہیں۔

فرخزاد سے پہلی رقابت، پہلی دشمنی، نفرت کا پہلا تعلق، فرخزاد سے ملنے والی پہلی شکست اور صندیر خان جیسے نوعمر لڑکے کے سمجھ ہی نہیں تھی، فرخزاد اسے زندگی کے ہر میدان میں ہرانے والا تھا، یہ تو صرف کھیل کے میدان میں شکست تھی، جو صندیر خان جیسے انا پرست لڑکے کے لئے ایک تازیانہ تھی۔

وہ ہر ''ہار'' کے بعد اپنے ''آپے'' میں نہیں رہتا تھا، اس دن فارم ہاؤس کے ملازموں اور جانوروں کا ''یوم عتاب'' ہوتا تھا، تب سردار بنو اس کے غصے، نفرت اور انتقام کو اور بھی ہوا دیتا۔

''شیر شاہ کا چھوٹا بھائی ہمارے لئے خطرہ بن رہا ہے، صندیر خان! اس کا پتہ ہی کاٹنا پڑے گا۔'' سردار بنو کے منصوبے کھیل سے ہٹ کر کچھ اور ہی تھے اس وقت جوش و جذبات میں صندیر خان کو اتنی سمجھ بوجھ نہیں تھی۔

سردار بنو نے ہمیشہ صندیر خان کے غصے، جذباتیت اور ان کو استعمال کیا تھا، وہ اس کے اندر

فرخزاد کی نفرت کے پودے کو مضبوط کرتا رہا، شیر شاہ سے انہیں کوئی خطرہ نہیں تھا، وہ ایک امن پسند شہری مزاج کا شہری انسان تھا، لڑائی جھگڑوں اور دنگا فساد سے کوسوں دور بھاگنے والا۔

اصل خطرات انہیں فرخزاد سے لاحق تھے، کیونکہ وہ اپنے آبائی گھر، علاقے، زمینوں اور لوگوں سے محبت کرتا تھا، اسے اپنے علاقے سے محبت تھی اور اپنے باپ کے بعد وہ سیاسی طور پر بھی ابھر کر سامنے آنے والا تھا، دبی دبی سرگوشیاں سردار بٹو کے سیاسی کیریئر کو ہلانے کے لئے کافی تھیں۔

شاہوں کا یہ خاندان ہمیشہ سے پہاڑی لوگوں کی نظروں میں مقبول تھا اور اب اگر فرخزاد اپنے باپ کی سیٹ پہ کھڑا ہو جاتا تو سردار بٹو کو اپنا سیاسی کیریئر خطرے میں ڈوبا نظر آ رہا تھا، صندیر خان ابھی اس قابل نہیں تھا کہ فرخزاد کے مقابلے میں کھڑا ہو جاتا اور ابھی یہی دھواں اٹھ رہا تھا، کہ چھوٹی موٹی لڑائیوں کی ابتدا ہونے لگی تھی۔

سردار بٹو نے ہمیشہ فسادات کا آغاز کیا تھا اور بات ہمیشہ صندیر خان پہ ڈال دی، وہ تایا کو اپنا خیر خواہ سمجھتا تھا، اسے کبھی گمان نہیں ہوا کہ سردار بٹو ہمیشہ اسے استعمال کرتا رہا ہے، جب کھیل کے میدان میں صندیر خان کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا تو اس کے غصے کی آگ کو سردار بٹو نے یوں ٹھنڈا کروانے کی کوشش کی کہ شاہوں کے گودام میں آگ لگوا دی، ان کا کروڑوں کا نقصان ہو گیا۔

جب بات کھلی تو سردار بٹو کا نام آیا، صندیر خان اس حقیقت سے ناواقف تھا، اسے لگا، شاہوں نے ان پہ بے جا الزام لگایا ہے، اوپر سے سردار بٹو صاف مکر گیا، تب صندیر خان کو شدید تاؤ چڑھا تھا۔

''آپ ان کے الزام کا منہ توڑ جواب کیوں نہیں دیتے؟'' وہ غصے میں بھڑ بھڑ جل رہا تھا اور سردار ہمیشہ کی طرح مطمئن۔

''کتوں کو عادت ہوتی ہے بھونکنے کی، کیا کتوں کی بھونک کے جواب میں کتا بن جائیں۔'' سردار کا اطمینان قابل دید ہوتا تھا، تاوقتیکہ ان پر دوسرا الزام لگ گیا، اب کے شاہوں کی فصل تباہ ہوئی تھی اور پھر ایسے الزامات معمول بن گئے تھے، صندیر خان ان الزامات پہ سیخ پا ہوتا تھا۔

''آپ کی خاموشی ہماری سیاسی ساکھ کو بھی تباہ کر دے گی، وہ مظلوم بن کر سارے زمانے کی ہمدردیاں سمیٹ رہے ہیں اور آپ اپنی صفائی میں بھی کچھ نہیں بولتے، اوپر سے شیر شاہ کا بھائی مجھے خون خوار نظروں سے گھورتا ہے، بات گولی تک نہ آ جائے بابا! آپ اس معاملے کو سمیٹیں۔'' صندیر خان اس صورتحال پہ شدید غضب ناک تھا، کیونکہ فرخزاد اور صندیر خان کے بیچ ایک سرد جنگ کا آغاز ہو چکا تھا، ذرا سی چنگاری ایک برزخ کی شکل اختیار کر گئی تھی۔

فرخزاد، صندیر خان سے عمر میں بڑا تھا، صندیر ناسمجھ تھا مگر فرخزاد بھی ناسمجھی اور جذباتیت میں اس سے کم نہ تھا۔

معاملات تب تباہی کے دہانے پہ پہنچے تھے جب فرخزاد اور گلنام خان کی بیٹی ودھا کے عشق کی خوشبو نے وادی کے زیرک لوگوں کو چونکانا شروع کر دیا تھا، فرخزاد شاہ اور ودھا خان؟

دو خون کے پیاسے خاندان اس رشتے داری کو کیسے استوار کر سکتے تھے؟ یہ دو ازلی دشمنی میں بندھے خاندان کیسے ایک ہو سکتے تھے؟

وہ بھی اس صورت میں جب صندیر خان اور ودھا کا رشتہ بچپن سے طے تھا، ودھا جو صندیر خان سے بہت بڑی تھی، ایک بے جوڑ روایتی رشتے میں بندھی ہوئی تھی، روایات کی زنجیروں میں قید تھی۔

صندیر خان جو ازلی سرداری کے تکبر میں ڈوبا ہوا ایک انا پرست، صندی اور اپنی ''میں'' کے تب میں قید تھا، جس کے نزدیک ودھا کی عمر کوئی حیثیت یا معنی مفہوم نہیں رکھتی تھی، جس کے نزدیک ودھا کے اہمیت بس اتنی تھی کہ وہ اس کی بچپن کی منگ ہے، اس کی غیرت، اس کی حمیت، اس کی انا، اس کی عزت۔

تو پھر کوئی مائی کا لعل تھا جو صندیر خان کی غیرت کو للکار کر سر اٹھاتا؟ اس کی منگیتر پہ بری نظر رکھتا؟ خانوں کے محل کی عزت کو داغ دار کرتا؟ ان کے ہاں مانگی ہوئی اور نکاحی ہوئی عورت برابر تھی، ودھا اور فرخزاد نے نگاہوں اور دلوں کے تبادلے کا یہ گناہ کیا تو کیا ہی کیوں؟ ایک آگ تھی جو چاروں سمت سے اٹھ رہی تھی، ایک بھانبڑ تھا جو صندیر خان کے گرد جل رہا تھا، اک آگ تھی، جس نے ودھا اور فرخزاد کی محبت کو جھلسا دیا تھا، کس نے اس جنگ میں فتح پائی تھی؟ کون جیتا تھا؟ کون ہارا تھا؟ کون زندہ رہا تھا اور کون مر گیا تھا؟ اس کا فیصلہ ہونا ابھی باقی تھا۔

بس یہ ہوا کہ خون آلود ایک آندھی پورب کی سمت سے اٹھی تھی، اس شب آسمان کا رنگ سرخ قاتلانہ تھا، فضا کسی بیوہ کے سہاگ کی طرح اجڑی ہوئی تھی اور پربتوں کی اس وادی میں صف ماتم بچھی ہوئی تھی، شاہوں کے بیٹے نے محبت جیسے گناہ کا ارتکاب کر کے خانوں کی غیرت کو للکار دیا تھا، یہ ایک خونی شام کا منظر تھا، ودھا اور فرخزاد کا غیرت کے نام پر قتل۔

شیر شاہ فرخزاد کے بے جان لاشے کو اٹھانے آیا تو اسے بھی گولیوں سے بھون ڈالا گیا، بعد ازاں فرخزاد کی ماں اور باپ کی ناگہانی موت، شاہوں کی حویلی برباد ہو گئی تھی، جو زندہ بچے تھے، وہ روپوش ہو چکے تھے، فریدے خاندان کا قصہ تمام شد تھا۔

ان کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ گڑھے مردے اکھاڑنے کوئی شاہوں کی حویلی کا گم شدہ مکین اٹھ کر آئے گا اور ان کا یوم حساب تلوار کی مانند لٹک جائے گا، جہاندار فریدے شاہ؟ کسی ایک فرد یا کسی ایک مرد کا نام نہیں تھا، جہاندار فریدے شاہ ایک قیامت ایک طوفان، ایک تباہی اور ایک ''انتقام'' کا نام تھا، شیر اپنی کچھار سے نکل آیا تھا، شیر اپنے ساتھ ایک تباہی لایا تھا۔

☆☆☆

''میں شادی شدہ ہونے سے کنوارا ہی بہتر تھا۔'' ہیام اپنے ان دھلے کپڑے سرف میں بھگو کر ہاتھوں سے رگڑتا انتہائی رقت بھرے لہجے میں بول رہا تھا۔

پاس ہی اسامہ اخبار دیکھ رہا تھا، اس نے اک بھوں اچکا کر ہیام کی طرف دیکھا۔

''ہاں، تو کس نے کہا ہے، نشرہ کو اپنے ساتھ نہ رکھو۔''

''اب کچھ سوچنا ہی پڑے گا، بس عشیہ کی شادی کر لوں۔'' ہیام نے اپنے ہی دھیان میں اسامہ کے زخم ادھیڑ ڈالے تھے، وہ لمحہ بھر کے لئے گم صم سا ہو گیا تھا۔

''عشیہ کی شادی؟''

اسامہ کے دل پہ تلواریں چل پڑیں، ضبط کی شدت سے اس نے اپنے ہونٹ کا کونا کچل ڈالا تھا۔

''ہاں، ڈیٹ فکس کر دی ہے، بس اتنا شور شرابا نہیں ہوگا، سادگی سے نکاح کرنا ہے، پھر میں مورے اور نشرہ کو یہاں لاہور لے آؤں گا۔'' ہیام اسے اپنی اگلی پلاننگ سے آگاہ کر رہا تھا، اسامہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا، دل کی حالت عجیب ہو رہی تھی، پھر بھی وہ ضبط دل پر قائم رہا، ہیام کو بھنک بھی نہ پڑنے دی تھی۔

''تم سب لوگ انوائٹڈ ہو، یہ بتاؤ، عینی اور نومی کب تک آ رہے ہیں۔'' ہیام شرٹس کو تل تلے رکھ کر گنگناتا ہوا مصروف انداز میں بول رہا تھا۔

''ان کا آنا تو مشکل ہے، شاید امی بھی اسلام آباد چلی جائیں۔'' اسامہ کچھ سوچ کر بتایا تھا۔

''کیوں خیریت ہے؟''

''امام کا کامیاب آپریشن ہوا ہے الحمدللہ، خالہ کوئی فنکشن رکھنا چاہ رہی تھیں۔'' اسامہ نے تفصیلاً بتایا تھا۔

''ارے یہ تو خوشی کی بات ہے۔'' ہیام نے مسکرا کر خوشی کا اظہار کیا تھا۔

''پھر تو ان کا لمبا چوڑا پروگرام ہوگا۔''

''ہو سکتا ہے۔'' اسامہ کا انداز مبہم تھا۔

''مگر تم تو ضرور آؤ گے۔''

''کچھ کہہ نہیں سکتا۔'' اس نے ٹالتے ہوئے کہا تھا، ہیام کا منہ بن گیا۔

''اس کا مطلب ہے، تم میں سے کوئی شرکت نہیں کرے گا۔'' وہ خفگی سے کہہ رہا تھا۔

''کوشش ضرور کروں گا۔'' وہ اس کا دل نہیں دکھانا چاہتا تھا، لیکن یہ ممکن ہی نہیں تھا، کہ وہ پتھروں کی اس بستی میں دوبارہ جاتا، عشیہ کا سامنا کرتا۔

پربتوں کی پتھر دل اس شہزادی کی بستی میں کبھی نہ جانے کا اس نے عہد کر رکھا تھا، دل کے رستے دشوار تھے اور بے حساب تھے، اس کے اندر کوئی بہت زور سے کرلایا تھا، وعدہ وفا توڑ کے جان والے، ہم سے منہ موڑ کے جانے والے۔

☆☆☆

امام کا کامیاب آپریشن زندگی میں اک نیا موڑ لایا تھا۔

اتنے عرصے بعد کوئی پہلی بڑی خوشی نصیب ہوئی تھی، پلوشہ نے بڑے پیمانے پر خیرات کی تھی، قرآن خوانی کروائی گئی اور پھر خاندان بھر کو دعوت پہ بلایا تھا، اس فنکشن میں امام کے ماموں مامی بڑے دل سے شامل ہوئے تھے۔

مامی کو اپنی مہینہ بھر پہلے والی بکواس پہ ندامت تھی، کیا تھا اگر وہ جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرتیں؟ تھوڑا صبر سے کام لیتیں۔

اب تو کسی بھی صورت امام کی طرف سے نرمی کی امید نہیں تھی، وہ تجدید تعلقات کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا، وہ انا پرست تھا، جذبات میں کبھی بھی بہہ نہیں سکتا تھا، شانزے کو امام کا کٹھور رویہ سمجھ

نہیں آ رہا تھا۔

اس نے دو تین دفعہ کوشش کی مگر بے سود، وہ کسی نہ کسی مہمان میں مصروف ہو جاتا تھا، وہ اس دکھائی کی وجہ سمجھنے سے قاصر تھی، امام گو کہ اب ٹھیک تھا، مگر ابھی تک اسٹک کے سہارے چلتا تھا، کچھ عرصہ لگا تھا اور اب زندگی معمول پر آ گئی تھی، امام کو آزمائش کے ان دنوں میں بہت سارے اپنوں کے اصلی چہرے نظر آ گے تھے، جیسے حقیقی ماموں اور ممانی اور جیسے اپنا سگا جان عزیز بھائی ہمان اور انہی آزمائش کے دنوں میں کچھ غیر دل کے بہت قریب آ گئے تھے۔

جیسے اسے موت کے منہ سے نکالنے والا ڈاکٹر ہیام، جیسے سگے بھائیوں سے بڑھ کر خیال رکھنے والے اسامہ اور لومی، انسانیت کے ان رشتوں نے احساس کے کچھ نئے رنگ متعارف کروائے تھے وہیں ممانی اور ماموں کا رویہ نہایت خشک اور حوصلہ شکن تھا، جب وہ اپنے دو بہن بھائی کو کھو چکنے کے بعد ایک محرومی کی زندگی گزار رہا تھا، تب کچھ پرائے لوگوں نے اپنوں سے بڑھ کر ساتھ دیا تھا، یہ پرائے لوگ اس کے لئے بہت اہم تھے، بہت قیمتی تھے، بہت اپنے تھے، تبھی جب ہیام کی طرف سے اس کی بہن کی شادی کا دعوت نامہ ملا تو امام کسی طور پر بھی رہ نہیں سکا تھا۔

اس نے شادی میں شرکت کی حامی بھر لی تھی، پلوشہ نے سنا تو پہلی مرتبہ ان کا دل ایک بوجھ سے آزاد ہو گیا تھا، خوشی اس بات کی تھی کہ امام نے معملات زندگی میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا، وہ جو ایک قید تنہائی اور احساس کمتری کا حصار بن رہا تھا، وہ اس کی صحت یابی کے ساتھ ہی ٹوٹ گیا تھا، اب پلوشہ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ شادی میں شرکت کی غرض سے جا کہاں رہا ہے؟ انہوں نے عینی کے پاس کھڑے ہو کر امام کی ساری پیکنگ کروادی تھی۔

''کتنے دن کا قیام ہے بیٹا؟'' وہ بھاری ہوتی ہینڈ کیری کو دیکھ کر تشویش کا شکار ہوئی تھیں۔

''مجھے کچھ کام بھی ہے وہاں، تھوڑا ٹائم لگ جائے گا۔'' امام نے لاپرواہی کا سابقہ مظاہرہ جاری رکھا تھا۔

''مجھے بہت فکر رہے گی بیٹا! تم ابھی تو مکمل طور پر صحت یاب بھی نہیں۔'' وہ گھبرا رہی تھیں۔

''اب ہو چکا ہوں، فزیکلی بھی اور مینٹلی بھی۔'' امام کا انداز سنجیدہ تھا۔

''پھر بھی اپنا خیال رکھنا۔'' ان کی تسلی نہیں ہو رہی تھی۔

''بہت خیال رکھوں گا خالہ! اب میری طرف سے آپ کو کوئی دکھ نہیں اٹھانے پڑیں گے، اب کچھ ازالہ کروں گا۔'' وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا، پلوشہ اس کا چہرہ غور سے دیکھنے لگی تھیں، وہ کیا کہنا چاہتا تھا؟

''کس قسم کا کام ہے؟'' وہ متفکر سی پوچھ رہی تھیں۔

''کچھ جاب کے حوالے سے ہے، آپ پریشان نہ ہوں۔'' اس کا انداز مبہم سا تھا، گو کہ پلوشہ کو تسلی نہیں ہوئی تھی، پھر بھی وہ اس کے ساتھ بحث نہیں کرنا چاہتی تھیں، تا کہ وہ تنگ آ کر اپنا جانے کا پروگرام ہی نہ بدل لے۔

اتنے عرصے بعد وہ گھر سے نکل رہا تھا، اپنے کمرے کی قید سے نکل رہا تھا، وہ چاہتی تھیں، امام کا ذہن فریش ہو، وہ دوستوں سے ملے، گیدرنگز انجوائے کرے، پارٹیز اٹینڈ کرے، یا سیت مایہ

جال کسی صورت ٹوٹ سکے، وہ مایوسی بھری تنہائی سے نکل آئے۔

اس نے پلوشہ کو مکمل طور پر تسلی دے دی تھی، جب وہ مطمئن ہو چکیں تو اس نے ایک دو ضروری فون کالز کی تھیں، اس کے بعد وہ موبائل آف کر کے سو گیا تھا۔

اگلے دن سویرے ہی وہ نکل آیا تھا، چونکہ خاصی سویر تھی، اس لئے جاگنگ ٹریک سے آتی شانزے سے ٹکراؤ ہو گیا تھا۔

وہ امام کو چلتا دیکھ کر لمحہ بھر کے لئے مبہوت ہو گئی تھی، جیسے آج سے پہلے اتنا خوش رنگ منظر دیکھا ہوا نہ ہو، امام نے بھی اس کا رکنا اور ٹھٹکنا محسوس کر لیا تھا، وہ بھی اخلاقاً رک گیا تھا، شانزے بے خیالی میں چلتی اس کے قریب آ گئی تھی۔

''گڈ مارننگ۔''

''مارننگ۔'' اس نے اخلاقاً جواب دیا تھا، لہجہ نارمل تھا، سرسری اور لاپرواہ قسم کا۔

''تمہیں اتنے عرصے بعد اپنے قدموں پہ چلتا دیکھنا ایک خوشگوار معجزہ ہے۔'' وہ دل کی مکمل خوشی سے کہہ رہی تھی، آنکھوں میں ستارے چمک رہے تھے، چہرہ شگفتہ ہو رہا تھا۔

''لوگوں کو تو امید نہیں تھی، میں کبھی اپنے پیروں پہ چلوں گا، مگر خدا ہے نا۔'' اس نے نا چاہتے ہوئے بھی چبھتے لہجے میں جواب دیا تھا، یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ مامی شانزے کو کچھ بتائے ہی نا، شانزے کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا، چہرے پہ مردنی چھا گئی تھی۔

''ممی نے جو بھی کیا، میں اس پہ شرمندہ ہوں۔''

''اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔'' اس نے گہرا سانس بھرتے ہوئے اعصاب ڈھیلے چھوڑ دیئے تھے۔

''اس دن پارٹی میں بھی تم روڈ ہے میرے ساتھ۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی شکوہ اس کے لبوں سے برآمد ہو گیا تھا، حالانکہ سوچا بھی تھا، انا کو جھکنے نہیں دے گی، وہ بے نیاز ہے شانزے بھی لاپرواہ ہو جائے گی، مگر یہ تقاضائے محبت اور اس کے اصول۔

''میں تو نارمل ہی تھا، شاید تم نے فیل کیا ہو، اتنے عرصے بعد لوگوں کا ہجوم مجھے کنفیوز کر رہا تھا۔'' امام نے بات ہی بدل دی تھی، تب ہی شانزے کو خیال آیا تھا۔

''تم کہیں جا رہے ہو؟''

''ہاں جی۔'' مدہم انداز میں جواب دیا گیا تھا۔

''کیا پوچھ سکتی ہوں کہاں جا رہے ہو؟'' شانزے متفکر انداز میں بولی تھی، صحت یابی کے فوراً بعد امام کا باہر نکلنا کچھ بہتر بھی نہیں تھا، جبکہ وہ پہلے ہی دشمنوں کے گھیرے میں تھا، جنہوں نے اسے اس حال تک پہنچایا تھا، وہ اس کے اب کے ''حال'' سے ناواقف تو نہیں ہوں گے نا؟ اس کی صحت یابی ان لوگوں تک بھی تو پہنچ چکی ہوگی۔

''دوست کی طرف، اس نے بہن کی شادی پہ بلایا ہے۔''

وہ مختصر جواب دیتا، گاڑی میں بیٹھا اور گاڑی کچھ ہی دیر میں آگے بڑھ گئی تھی اور شانزے دھندلائی آنکھوں سے اسے اپنے بہت قریب سے بہت دور ہوتا دیکھتی رہی، ایسے ہی جیسے وہ اس

Medora
Perfumed Talc
خوشبو جو دل کو بھائے
تازگی جو ہر کوئی چاہے
Medora
Medora
Perfumed Talc
Passion
Cherish
Joy
Pleasure
Greetings
Dignity
Salute

خوشبو کی دنیا کے 8 شگفتہ احساس

MEDORA OF LONDON

کی زندگی سے بھی بہت دور چلا گیا تھا، بہت دور جیسے قرنوں کے فاصلے پر، ہمیشہ کے لئے بہت آگے، جہاں پہ واپسی کا کوئی رستہ نہیں تھا، تجدید تعلق کی کوئی امید نہیں تھی، وہ تھک کر پلٹ گئی۔

☆☆☆

اور یہ گلگت کا پولو میدان تھا۔

دور تلک پھیلا ہوا، بہت وسیع، بہت کھلا، تا حد نگاہ پہاڑوں کے بیچ میں نخوت سے کھڑا ہوا، یہاں کوئی صندیر خان کے بعد کوئی اور ''سورما'' ہے تو آئے؟ پہاڑوں میں کئی سالوں پہ محیط یہ بازگشت آج بھی سنائی دیتی تھی، مگر اب زمانہ بدلنے والا تھا، کوئی تھا جو آج پورے یقین کے ساتھ بہانگ دہل اعلان کر رہا تھا۔

''جہاندار فریدے شاہ کے بعد کوئی اور سورما ہے تو میدان میں آئے۔''

یہاں دور اصطبل میں گھوڑے ہنہنا رہے تھے اور عالم جوش میں زمین پر اپنے کھر مار رہے تھے، کہیں دوران کے ٹاپوں کی آواز سنائی دیتی تھی، بیال کے جنگلوں سے ہوتی ہوئی یہ بازگشت صندیر خان کے اصطبل تک بھی پہنچی تھی۔

فضاؤں نے حیرت سے سر اٹھا کر دیکھا تھا، ہوائیں اور ذرا تھم تھم کر چلی تھیں، پرندوں پہ بے خودی طاری تھی اور لوگ سرگوشیوں کے انداز میں ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے۔

''پولو کے میدان میں کون نیا کھلاڑی آیا ہے؟''

کہیں دور سرگوشیوں کی یہ بھنبھناہٹیں ایک اعلان بن کر پربت کی وادیوں میں اتر رہی تھیں۔

''جہاندار فریدے شاہ آیا ہے۔'' کسی نے صندیر خان کو بھی اس شور سے باخبر کیا تھا۔

اس کے زمین پر پڑے قدموں کے دھمک اچانک رک گئی تھی، اس نے اپنی سحر طراز آنکھیں اٹھا کر دور گلگت کے اس میدان کو خیالی آنکھ سے دیکھا اور تم گیا۔

کوئی گلگت کے اس میدان میں جہاں صندیر خان کی اجارہ داری تھی، میں اپنے مشکی گھوڑے کی لگام تھام کر پورے کروفر سے چل رہا تھا۔

وہ بیانگ دہل اعلان جنگ کر رہا تھا
مرے تن کے زخم نہ گن ابھی
میری آنکھ میں ابھی خود ہے
میرے بازوؤں پہ نگاہ کر
جو غرور تھا، وہ غرور ہے
ابھی تازہ دم ہے میرا فرس
نئے معرکوں پہ تلا ہوا
ابھی رزگاہ کے درمیاں
ہے میرا نشان کھلا ہوا

راہ ہدایت

وجیہہ بخاری

"اُف...... یار اب بس بھی کرو اور کتنے آنسو بہاؤ گی تم!" وہ کب سے اپنے سامنے بیٹھی لڑکی کو چپ کروانے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اس کا رونا کم نہیں ہو رہا تھا۔

"ہوش کے ناخن لو، ہم کیفے میں بیٹھے ہوئے ہیں اور سب مڑ مڑ کر ہمیں دیکھ رہے ہیں۔" اب کے بار وہ ذرا سختی سے بولی تو سامنے بیٹھی لڑکی کو احساس ہوا کہ یہاں رونا اپنا تماشہ لگانے کے مترادف ہے لہٰذا وہ اپنے آنسو صاف کرنے لگی۔

"تمہیں پتہ ہے یہ رونا اس بات کا نہیں کہ میرے خواب ٹوٹ گئے یہ رونا تو اس بات کا ہے کہ میں کتنا غلط کر رہی تھی، مجھے پہلے کیوں احساس نہیں ہوا کہ اگر اللہ کی قائم کردہ حدود سے نکلنے کی کوشش کرو تو اس کا انجام ہرگز اچھا نہیں ہوتا۔" روتی لڑکی نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

"ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا تم اللہ کا جتنا شکر ادا کرو وہ کم ہے اس نے تمہیں کسی بڑے نقصان سے بچا لیا، اللہ سے معافی مانگ لو وہ بڑا رحیم ہے اپنے بندوں کو معاف کر دیتا ہے بس کوئی سچے دل سے معافی تو مانگے ایک بار۔" اس نے اپنی دوست کو امید کی کرن دکھائی، اس کا کندھا تھپتھپایا اور بیگ اٹھا کر وہاں سے چلی گئی، اب اس کے پاس بھی کہنے کو زیادہ کچھ نہیں تھا، کیونکہ وہ اپنا ظرف بہت بڑا کر کے دوبارہ اس کے پاس آئی تھی۔

پیچھے بیٹھی لڑکی نے اپنے آنسو صاف کیے اور اس کو جاتا ہوا دیکھتی رہی جب تک کہ وہ نظروں سے غائب نہ ہو گئی۔

☆☆☆

"اچھا! تو آپ محترمہ یہاں موجود ہیں میں پورے ڈیپارٹمنٹ میں تمہیں ڈھونڈ رہا تھا۔" آغا نے اپنی کتاب ہلکے سے اس کے سر پر دے ماری، زحل جو اپنی اسائنمنٹ کے سلسلے میں مصروف تھی جو کہ اس کو کل جمع کروانی تھی آغا کی آواز پر ایک دم چونک گئی اور سر اٹھا کر مسکرا کر اس کو دیکھا۔

آغا نے دوسرے ٹیبل کے سامنے سے ایک کرسی اٹھائی اور اس کے مقابل رکھ کر بیٹھ گیا اور دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرے دیئے غور سے اسے دیکھنے لگا، زحل جو اپنی اسائنمنٹ کے کاغذ سمیٹ رہی تھی اس کے اس طرح دیکھنے پر مسکرائے بنا نہ رہ سکی۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو ہینڈسم!" زحل نے اس کی ناک دبائی اور پوچھا۔

"دیکھ رہا ہوں تم کتنی خوبصورت ہو اُف، اس ڈیپارٹمنٹ بلکہ پورے کالج کی سب سے زیادہ خوبصورت لڑکی۔" آغا نے اس کے حسن کی تعریف کی تو جواباً زحل نے اترا کر اپنے بالوں کو پیچھے جھٹکا۔

"ہاں خوبصورت تو میں ہوں اور تم خوش قسمت ہو اس خوبصورت لڑکی نے صرف تمہیں لفٹ کروائی ورنہ بہت سے لوگ آہیں بھرتے ہیں ہمارے لئے۔" زحل نے فرضی کالر جھاڑے جواباً آغا نے قہقہہ لگایا۔

"ہنسنے والی کون سی بات ہے۔" زحل نے خوبصورت سی ناک چڑھائی۔

"ہنس نہیں رہا جان من میں تو خوش ہو رہا ہوں، تمہارا بہت بہت شکریہ تم نے مجھے یہ اعزاز بخشا۔" آغا نے عاجزی کا مظاہرہ کیا۔

"اچھا بس بس کم تو ویسے تم بھی نہیں ہو کسی سے تب ہی تو زحل افتخار نے تمہارا انتخاب کیا۔" زحل کے لہجے میں غرور ہی غرور تھا جس پر آغا مسکرا کر رہ گیا۔

''خیر چلیں محترمہ زحل افتخار آپ کی گاڑی کی سیر کرنے کا دل کر رہا ہے میرا، موسم بھی بہت اچھا ہو رہا ہے۔'' آغا نے اس کی گاڑی کی چابی تھام لی اور ہاتھ بڑھایا تا کہ اس کو تھام کر زحل اٹھ سکے، کیفے میں موجود بہت سے لڑکے لڑکیوں نے رشک بھری نظروں سے دونوں کو دیکھا، کیونکہ دونوں تھے ہی بہت خوبصورت لگتا تھا جیسے بنے ہی ایک دوسرے کے لئے ہیں۔

زحل اس کا ہاتھ تھام کر کھڑی ہو گئی اور دونوں خوشگوار موڈ میں باتیں کرتے پارکنگ تک آئے کیونکہ اب دونوں کو باہر موسم انجوائے کرنے جانا تھا، آج مریم بھی نہیں آئی تھی، اس لئے زحل آغا کے ساتھ چلی گئی۔

☆☆☆

زحل سکون سے سو رہی تھی، اس کی آج طبیعت خراب تھی کل رات سے بخار ہو رہا تھا، لہٰذا وہ آج کالج نہیں گئی، ابھی عائزہ بیگم بھی اس کو جگا کر گئیں تھیں لیکن وہ ٹس سے مس نہ ہوئی، تھوڑی دیر بعد فون کی آواز سے اس کو اٹھنا پڑا، زحل نے نمبر دیکھے بغیر فون اٹھایا۔

''ہیلو۔'' زحل کی آواز نقاہت میں ڈوبی ہوئی تھی۔

''یار تم آج کالج کیوں نہیں آئی، قسم سے میرا بالکل دل نہیں لگ رہا تم نے کل بھی مجھے نہیں بتایا کہ تم آج چھٹی کرنے والی ہو۔'' آغا نے چھوٹتے ہی کہا۔

''سانس تو لو لڑکے، کل تمہارے ساتھ بارش میں بھیگ کر اب بخار ہو گیا ہے مجھے۔'' زحل کے لہجے سے لگ رہا تھا کہ وہ بیمار ہے۔

''اُف اتنی نازک ہو تم یار، ویسے مجھے بتا تو دیتی تو میں بھی آج چھٹی کر لیتا قسم سے لگ رہا ہے کہ پورا ڈیپارٹمنٹ سنسان ہے، تم جو نظر نہیں آ رہی مجھے۔'' آغا نے بے چارگی سے کہا لہجہ ایسا تھا جیسے ابھی رو پڑے گا۔

''آغا اتنا پیار کرتے ہو مجھ سے۔'' زحل نے حیرت سے پوچھا، زحل کو آغا کا اپنے لئے ایسا دیوانہ پن بہت اچھا لگتا تھا۔

''تمہاری سوچ سے بھی زیادہ۔'' آغا نے مضبوط لہجے میں کہا، جواباً زحل کچھ نہ بول پائی۔

''اچھا پلیز تم اپنا خیال رکھنا اور کل تک جلدی سے ٹھیک ہو کر آؤ، میرا بالکل دل نہیں لگ رہا۔'' آغا تھوڑی دیر بعد کہا۔

''ہاں کل تک آ جاؤنگی، ویسے تمہارا کوئی قصور نہیں زحل افتخار ہے ہی اتنی پیاری کوئی بھی اس کے لئے دیوانہ ہو سکتا ہے۔'' زحل نے اپنے ازلی خود اعتمادی والے لہجے میں کہا۔

''ہاہاہا، بالکل محترمہ یہ بات تو آپ نے بالکل ٹھیک کہی۔'' آغا نے فوراً زحل کی بات کی تائید کی جواباً زحل مسکرا دی، اور تھوڑی مزید باتوں کے بعد فون بند کر دیا۔

☆☆☆

زحل اور مریم باہر گراؤنڈ میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں، آج ان کا ایک لیکچر فری تھا، تھوڑی دیر بعد سامنے سے آغا آتا دکھائی دیا مریم رشک بھری نظروں سے کبھی زحل اور کبھی آغا کو دیکھ رہی تھی۔

''زحل یہ میرا بیگ اپنے پاس رکھو میں ذرا اندر سے ہو کر آتا ہوں، پھر نکلتے ہیں ایک ساتھ ہی۔'' آغا نے اپنا بیگ اس کو تھماتے ہوئے کہا، آغا مریم کو مکمل نظر انداز کر چکا تھا۔

''اچھا جلدی آنا زحل کو عادت نہیں ہے زیادہ انتظار کرنے کی۔'' زحل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جو حکم میری جان میں ابھی آیا۔'' یہ کہہ کر

آغا چلا گیا۔

''زحل ویسے تم کتنی لکی ہو آغا تم سے کتنا پیار کرتا ہے۔'' مریم نے مرعوب لہجے میں کہا۔

''ہاں وہ تو ہے وہ سب سے زیادہ پیار مجھ سے کرتا ہے۔'' زحل نے اپنے بالوں کو پونی میں جکڑتے ہوئے مریم کی بات کی تائید کی۔

''ویسے سب یہ تو جانتے ہیں کہ تم دونوں اتنا پیار کرتے ہو، لیکن یہ کم ہی لوگوں کو پتہ کہ تم دونوں اتنا قریب کیسے آگئے؟'' مریم نے مسکرا کر کہا۔

''تمہیں تو پتہ ہے وہ لائق سٹوڈنٹ ہے اور سونے پہ سہاگہ خوبصورت بھی ہے اور ہمارا سینئر بھی تو اکثر تمہارے جانے کے بعد میں اس سے کام کے سلسلے میں مدد لینے چلی جاتی تھی تو اس کو میں پسند آگئی اور اس نے میرا نمبر مانگ لیا لڑکا ہینڈسم تھا میں انکار نہ کر سکی تمہیں تو پتہ ہے مجھے خوبصورتی کتنا اٹریکٹ کرتی ہے، بس پھر اسی طرح پتہ ہی نہیں چلا کب ہماری دوستی محبت میں بدل گئی۔'' زحل نے ہنستے ہوئے بتایا۔

''جو بھی ہے بس تم دونوں کو دیکھ کر بے ساختہ بول اٹھتا ہے انسان Made for each other۔'' مریم نے کہا۔

''ہاں میں جانتی ہوں۔'' زحل نے فخر سے کہا اور مسکرا دی۔

☆☆☆

''یار تم اب کہاں؟'' ابھی الفاظ حدید کے منہ میں ہی تھے کہ کلاس سے باہر نکلتی آمنہ سامنے سے آتے حدید سے بری طرح سے ٹکرائی، آمنہ کو تو دن میں تارے نظر آگئے، آمنہ کا بیگ نیچے جا گرا وہ بیگ اٹھانے نیچے جھکی، حدید کا اس پردے کی بو بولڑکی کو دیکھ کر حلق تک کڑوا ہو گیا۔

''محترمہ آنکھیں کھول کر چلا کریں۔'' حدید نے ناگواری سے کہا۔

''سوری مجھے پتہ نہیں چلا۔'' آمنہ بیگ اٹھا کر سیدھی ہوئی اور ایک طرف سے نکل گئی، حدید غصے سے اسے دیکھتا رہ گیا۔

''چھوڑ یار یہ مڈل کلاس لڑکیاں ایسے ہی لڑکوں کو اپنی طرف مائل کرتی ہیں جب ان کو کوئی منہ نہیں لگاتا تو یہ ایسے ہی حربے استعمال کرتی ہیں۔'' آغا نے ہنستے ہوئے اسے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''دیکھو کتنی زور سے ٹکر مار کر گئی ہے اور ایک لفظ سوری بول کر یہ جا وہ جا۔'' حدید کا غصہ کم نہیں ہو رہا تھا۔

''یار اس بات کو چھوڑ میں تو یہ سوچ رہا ہوں سر طاہر نے ہمارا اس کے ساتھ گروپ بنا دیا ہے ایسی پردے کی بولو اور خشک لڑکی کے ساتھ کام کیسے کریں گے ہم۔'' آغا نے ایک نیا نقطہ سامنے رکھا جس پر حدید نے ایک دم آغا کو دیکھا تو دونوں کا بے ساختہ قہقہہ نکل پڑا۔

''چھوڑ یار ہم نے کون سا اس کو زیادہ منہ لگانا بس کام کی بات ہو گی ویسے بھی ایسی لڑکیوں کو بھلا کون منہ لگاتا جو اپنے آپ کو توپ چیز سمجھتی ہوں۔'' حدید نے ناگواری سے کہا۔

''اُف خدایا تیری ٹکر میں تو میں بھول ہی گیا باہر زحل میرا انتظار کر رہی ہے۔'' آغا کو ایک دم یاد آیا۔

''ہاہاہا تو تو گیا کام سے بیٹا۔'' حدید نے ہنستے ہوئے کہا۔

''کیوں بھلا اب ایسی بھی کون سی بڑی بات ہے۔'' آغا بظاہر بے نیاز بن گیا کیونکہ وہ اپنی کوئی کمزوری ظاہر نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔

''کیونکہ زحل افتخار کو انتظار کرنے کی عادت نہیں ہے میرے دوست۔'' حدید نے زحل کے

لہجے کی نقل کی تو دونوں کا قہقہہ جاندار تھا، تھوڑی دیر بعد آغا سرپٹ دوڑتا باہر پہنچ گیا جہاں زحل اس کا انتظار کر رہی تھی۔

☆☆☆

''محترمہ آپ میری بات سن سکتی ہیں؟'' حدید کلاس میں داخل ہوا تو آمنہ کو اکیلا بیٹھا دیکھ کر سوچا کہ گروپ داک کے حوالے سے بات کرے۔

''جی کہیں۔'' آمنہ جو کاغذ پر کچھ لکھنے میں مصروف تھی، سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا، ابھی صبح کا وقت تھا ابھی کلاس میں اسٹوڈنٹ کم تھے۔

''آپ کو تو پتہ ہے بدقسمتی سے سر طاہر نے میرا اور آغا کا گروپ آپ کے ساتھ بنایا ہے، اسائنمنٹ کے لئے تو آج یہاں سے فری ہو کر آپ کیفے آ جائیے گا ہم کام ڈسکس کر لیں گے۔''

آمنہ کو اس کے ''بدقسمتی'' لفظ پر بہت غصہ آیا لیکن ضبط کر گئی۔

''ٹھیک ہے میں آ جاؤں گی اور کوئی کام یا بات۔'' آمنہ نے عجیب نظروں سے اسے دیکھا اور پھر دوبارہ کاغذ پر جھک گئی، حدید کو اس کے انداز پر بہت غصہ آیا تھوڑی دیر کھڑا اسے دیکھتا رہا اور پاؤں پٹخ کر باہر چلا گیا۔

''کیا چیز ہے یہ لڑکی اتنا عرصہ ہونے کو آیا ہے لیکن یہ شروع سے ایسی ہی ہے۔'' حدید نے ناگواری سے سوچا، اب اس کا رخ لائبریری کی طرف تھا جہاں آغا بیٹھا زحل کا انتظار کر رہا تھا اور ابھی جا کر آغا کو آمنہ کی بدتمیزی کی روداد بھی سنانی تھی۔

☆☆☆

''تم ابھی تک گئی نہیں۔'' زحل نے اپنا بیگ زمین پر پھینکتے ہوئے مریم سے کہا جو ابھی تک گراؤنڈ میں بیٹھی کتابیں دیکھ رہی تھی۔

''ہاں بس میں جا ہی رہی ہوں بس یہ بک ایشو کروائی تھی تو اس میں ٹاپک دیکھ رہی تھی۔'' مریم نے مصروف انداز میں کہا۔

''اور تم بھی تو نہیں گئی اب تک۔'' مریم نے مزید کہا۔

''ہاں میں اور آغا اکٹھے جائیں گے آج ہمارا مووی دیکھنے کا پلان ہے۔'' زحل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''زحل ویسے ایک بات کہو تم دونوں کا ابھی سے اتنا زیادہ گھل مل جانا اور آؤٹنگ کرنا یہ ٹھیک نہیں ہے کم از کم تھوڑا سا فاصلہ تو رکھو ایک دوسرے کے درمیان۔'' مریم نے سمجھانا چاہا، ویسے بھی ان دونوں کی دوستی اتنی گہری ہو گئی تھی کہ وہ ہر بات آسانی سے کہہ جاتیں تھیں۔

''اوہ کم آن یار! تم کس دور کی باتیں کر رہی ہوں یہ سب تو چلتا ہے آج کے دور میں۔''

''زحل لیکن اس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔'' مریم نے بات کاٹ کر کہا۔

''مریم ہم دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں اور محبت کرنا کوئی جرم نہیں۔'' اب کی بار زحل نے سنجیدگی سے کہا۔

''محبت کرنا غلط نہیں لیکن اس کو سڑکوں پر رولنا غلط ہے۔'' مریم نے مسکرا کر ذومعنی بات کی۔

''ویسے ہائے داوے، مریم تم یہاں ان سی اے (نیشنل کالج آف آرٹس) میں کر کیا رہی ہو کسی دوسری یونیورسٹی میں اسلامیات ڈیپارٹمنٹ میں داخلہ لے لیتی نہ۔'' زحل نے بات کو مذاق کا رنگ دیا جواباً مریم مسکرا کر رہ گئی، مریم نے آج پہلی دفعہ ایسی بات کی تھی، زحل کو کافی عجیب لگا لیکن وہ برداشت کر گئی حالانکہ یہ

اس کی فطرت کے خلاف تھا۔

''زحل چلو اب میں فری ہوں۔'' اسی اثناء میں آغا وہاں آ گیا مریم کو ایک نظر دیکھا جو کہ بڑی سی چادر سر پر لئے ہوئی تھی۔

''ہاں چلو مریم اللہ حافظ تمہارا اخلاقیات والا لیکچر کل آ کر سن لونگی۔'' زحل نے مسکرا کر بیگ اٹھایا اور چل دی، پیچھے مریم ان کو جاتا دیکھتی رہی۔

☆☆☆

''یار یہ تمہاری دوست کافی عجیب لگتی ہے مجھے۔'' آغا نے زحل کی طرف دیکھا جو کار ڈرائیو کر رہی تھی۔

''کیوں بھئی کیا عجیب ہے اس میں۔'' زحل نے مسکرا کر پوچھا۔

''ایک تو ہر وقت اتنی بڑی چادر اوڑھ کر رکھتی ہے یہ ہی سب سے بڑی عجیب بات ہے، اس چادر کا ہی اتنا رعب ہوتا ہے کہ کوئی بات کرنے سے پہلے سو دفعہ سوچے یہ بالکل میری کلاس فیلو بلکہ گروپ فیلو آمنہ کی طرح ہے مجھے۔'' آغا نے ناگواری سے کہا۔

''ارے واہ تمہارے گروپ میں لڑکی بھی ہے تم نے کبھی بتایا نہیں مجھے۔'' زحل نے حیرت سے آغا کی طرف دیکھا۔

''یہ داستان امیر حمزہ بھی تم سن لو، سر طاہر نے میرے اور حدید کے گروپ میں اس کو بھی ایڈ کر دیا اف اتنی عجیب لڑکی ہے تین سال ہونے کو آئے ہیں، آج تک یہ لڑکی نہیں بدلی بس اپنے کام سے کام رکھنے والی پتہ نہیں ہم کام کیسے کریں گے اس کے ساتھ۔'' آغا نے منہ بسورا۔

''چلو یہ تو اچھی بات ہے وہ زیادہ فرینک نہیں ہوئی ورنہ کیا پتہ تم میرے ہاتھ سے نکل جاتے۔'' زحل نے شرارت سے کہا۔

''تم مجھے ایسا سمجھتی ہو ہر ایرے غیرے کے ساتھ میں چکر چلا لوں گا؟'' آغا برا مان گیا۔

''ارے نہیں یار مذاق کر رہی تھی چھیڑ رہی تھی تمہیں۔'' زحل نے اس کے بالوں کو بے ترتیب کرتے ہوئے کہا جس پر آغا مسکرا دیا۔

''اور مریم اچھے بھلے امیر کبیر گھرانے کی لڑکی ہے باپ بزنس مین ہے لیکن اس کی سوچ بالکل دقیانوسی آج مجھے کہہ رہی تھی کہ تم دونوں اتنا ملتے ہو یہ ٹھیک نہیں ہے اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔'' مریم بات کے آخر میں کھل کر ہنس دی۔

''چھوڑو ڈارلنگ سب جلتے ہیں ہم سے۔'' آغا نے پیار سے کہا۔

''ہاں یہ تو تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔'' زحل نے تائید کی۔

''اچھا آغا تم گھر کب بات کر رہے ہو ہماری شادی کی۔''

زحل نے تھوڑی دیر بعد کہا، آغا جو جوس کے ڈبے سے منہ لگائے جوس پی رہا تھا ایک دم جوس جیسے گلے میں اٹک گیا اس کو زبردست کھانسی شروع ہو گئی۔

''آغا تم ٹھیک ہو؟'' زحل نے فوراً بریک لگا کر گاڑی کو ایک جگہ کھڑا کیا اور پوچھا۔

''ہاں میں ٹھیک ہوں تم فکر نہ کرو۔'' آغا اپنے آپ کو سنبھال چکا تھا۔

''اف تم نے مجھے ڈرا دیا تھا۔'' زحل نے منہ بنا کر کہا اور گاڑی اسٹارٹ کی۔

''ڈرایا تو تم نے مجھے۔'' آغا نے خود کلامی کی لیکن جب بولا تو یہ۔

''سوری یار بس پتہ نہیں ایک دم کیا ہو گیا، اور جہاں تک بات ہے شادی کی تو یار ابھی پڑھائی تو مکمل ہونے دو میں کسی مقام تک پہنچ

جاؤں تو کرلیں گے شادی بھی، ایسی بھی کیا جلدی ہے محترمہ زحل افتخار۔‘‘ آغا نے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا، جواباً زحل مسکرادی۔

☆☆☆

’’دیکھا یار تو نے وہ آمنہ کی بچی کل نہیں آئی، حالانکہ میں صبح خاص طور پر اسے کہنے گیا بھی تھا کہ چھٹی کے بعد کیفے آکر ملے ہم سے۔‘‘ آغا اور حدید دونوں کلاس روم میں بیٹھے تھے اور کوئی نہیں تھا۔

’’آج آلینے دے اسے تو پوچھتا ہوں پتہ نہیں کیا سمجھتی ہے خودکو۔‘‘ حدید نے مزید کہا۔

’’سارا قصور سر طاہر کا ہے حد ہے یار کیا ضرورت تھی اس کو گروپ میں شامل کرنے کی باقی بھی تو لڑکیاں ہیں نہ کلاس میں اٹھا کر اس توپ کو شامل کردیا۔‘‘ آغا نے ناگواری سے کہا۔

’’خیر دفعہ مار اس کو تو بتا تیرا مشن کہاں تک پہنچا؟‘‘ تھوڑی دیر بعد حدید نے مسکرا کر پوچھا۔

’’ہاہاہا، بس جانی تو دیکھ تیرا بھائی کرتا کیا ہے۔‘‘ آغا نے کالر اکڑا کر کہا۔

آمنہ جو کلاس روم میں داخل ہونے ہی لگی تھی، ان کی ذو معنی باتوں کو سن کر کمرے کے باہر کھڑی ہوگئی اس کے بعد جو آمنہ نے سنا اس پر تو حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹے تھے، وہ تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ......

تھوڑی دیر بعد آمنہ خود کو کمپوز کرکے کمرے میں داخل ہوئی دونوں نے ایک ساتھ اس کو دیکھا جو روز کی طرح لمبے سے عبائے اور حجاب میں اپنا آپ چھپائے ہوئے تھی، بس آنکھیں واضح ہوتیں تھیں جو کہ بے حد حسین تھیں، دونوں نے ناگواری سے اس کو دیکھا۔

’’محترمہ ہم آپ کے نوکر نہیں ہیں کل میں آپ کو کہہ کر گیا تھا۔‘‘ حدید نے چھوٹتے ہی کہا۔

’’سوری کل میں ذرا ضروری کام سے جلدی نکل گئی تھی۔‘‘ آمنہ نے آہستگی سے کہا۔

’’اوکے آئیں ہم اپنے کام کے سلسلے میں پوائنٹ بانٹ لیتے ہیں اور ہر کوئی اس پر کام کرے گا۔‘‘ آغا نے فوراً کہا، لہجے میں سرد مہری واضح تھی، تھوڑی دیر تک وہ کام ڈسکس کرتے رہے اس کے بعد جب کام ختم ہوا تو آمنہ کمرے میں سے فوراً باہر نکل گئی اور وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

☆☆☆

’’زحل تم سے ایک بات کرنی ہے بیٹا۔‘‘ افتخار صاحب اس کے کمرے میں داخل ہوئے اور کہا۔

زحل جو کہ کالج سے آکر فریش ہوکر صوفے پر بیٹھی ناخن فائل کررہی تھی۔

’’جی پاپا بولیں۔‘‘ زحل بولی، افتخار صاحب اس کے سامنے بیٹھ گئے، انہیں زحل کی بدتمیزی پر غصہ تو آیا لیکن وہ جانتے تھے وہ ایسی ہی ہے۔

’’جی بتائیں کیا بات ہے؟‘‘ زحل نے اپنے ناخنوں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

’’تمہاری پڑھائی ختم ہونے میں ابھی تھوڑا وقت ہے اور تمہارے رشتے آرہے ہیں جبکہ میں چاہتا ہوں تمہارا رشتہ احمد کے بیٹے سے فائنل کروں وہ کب سے خواہش مند ہے لیکن میں خود ٹال رہا تھا، اب تم اس قابل ہو کہ تمہاری منگنی کر دی جائے۔‘‘ افتخار صاحب نے بغیر کسی تمہید کے بات کی۔

’’واہ کیا بات ہے پاپا آپ تو پہلے سے ہی سب طے کرکے بیٹھے ہیں، مجھ سے پوچھنا یا بتانا گوارہ ہی نہیں کیا۔‘‘ زحل کا انداز مذاق اڑانے والا تھا۔

’’تو اب پوچھ تو رہا ہوں میں تم بتا دو۔‘‘

افتخار صاحب نے کہا۔

''آپ کو ان تکلفات میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں میں اپنے لئے لڑکا پسند کر چکی ہوں اور میں اسی سے شادی کروں گی۔'' زحل نے تو جیسے بات ہی ختم کر دی۔

''لیکن زحل میں تمہیں ایسے ہی کسی لڑکے کے حوالے نہیں کر سکتا جس کا مجھے بالکل پتہ نہیں وہ کیا کرتا ہے اس کا گھر بار کیا ہے۔'' افتخار صاحب نے پریشانی سے کہا۔

''کیا یہ اتنا کافی نہیں میں اس سے محبت کرتی ہوں شادی کرونگی تو بس اس سے......'' زحل نے بے باکی سے کہا۔

''زحل!'' اب کی بار وہ گرجے۔

''چلائیں مت پاپا، مجھے حیرت ہے اتنے بڑے بزنس مین ہو کر آپ کی سوچ وہی دقیانوسی ہے ارے میں اپنی مرضی سے شادی کر رہی ہوں آپ کو کیا مسئلہ ہے۔'' زحل نے بدتمیزی کے سارے ریکارڈ توڑ دیئے، اسی اثناء میں عائزہ بیگم بھی کمرے میں آ گئیں وہ ساری صورت حال کو بھانپ چکی تھیں۔

''یہ تربیت دی ہے تم نے اس کو، اس کو تو اتنی بھی تمیز نہیں باپ سے کیسے بات کرتے ہیں۔'' اب افتخار صاحب کا رخ عائزہ بیگم کی طرف تھا۔

''ٹھیک ہے یہ اکلوتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہم اس کی ہر ضد مانیں گے، سمجھا دینا اس کو۔'' افتخار صاحب یہ کہہ کر رکے نہیں۔

''ماما میں آپ کو بتا رہی ہوں میں شادی کرونگی تو صرف آغا سے۔'' زحل نے جیسے تنبیہ کی۔

عائزہ بیگم ایک بے بس سی نظر ڈال کر اس کے کمرے سے باہر چلیں گئیں، انہیں پتہ تھا اب زحل کو سمجھانا بہت مشکل کام ہے۔

☆☆☆

آغا کلاس میں بیٹھا محویت سے لیکچر نوٹ کر رہا تھا کہ اس کی گود میں ایک کاغذ آن گرا جو کہ بند تھا، آغا نے فوراً گردن اٹھا کر اوپر دیکھا اسے سمجھ نہیں آئی یہ کہاں سے آیا، اس نے کاغذ کھولا تو اندر درج تھا ''دروازے کی طرف دیکھو'' آغا نے فوراً باہر دیکھا تو زحل اسی کی طرف دیکھ رہی تھی بلکہ اس کو بلا رہی تھی، آغا فوراً کلاس سے باہر گیا۔

''کیا بات ہے زحل خیر تو ہے تم اس وقت کیا کر رہی یہاں لیکچر کیوں نہیں لے رہی؟'' آغا کے لہجے سے تشویش عیاں تھی۔

''لیکچر چھوڑو اور میرے ساتھ چلو تم سے ضروری بات کرنی ہے ابھی۔'' زحل عجلت میں تھی۔

''کیا؟ ابھی اس وقت؟'' آغا نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں آغا چلو۔'' زحل نے اس کا ہاتھ پکڑا اور چلنے کو بولا۔

''اچھا بابا ایک منٹ مجھے بیگ لے کر آنے دو اندر سے۔'' آغا یہ کہہ کر اندر گیا اور بیگ لے کر آیا۔

''آؤ کیفے میں چل کر بات کرتے ہیں، وہاں اس وقت رش کم ہے۔'' زحل نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد دونوں کیفے میں آمنے سامنے بیٹھے تھے، آغا اپنا منہ ہاتھوں پر رکھے کہنیاں میز پر ٹکائے بہت انہاک اس کی طرف متوجہ ہوا۔

''ہاں بولو کیا بات ہے ایسی کون سی قیامت آن پڑی۔'' آغا نے تھوڑی برہمی سے کہا۔

''آغا میرے گھر والے مطلب امی ابو میری منگنی کرنے والے ہیں میں انہیں اپنی پسند کا

بتایا بھی ہے پر مجھے نہیں لگتا وہ مانیں گے لیکن تم فکر نہ کرو میں شادی صرف تمہارے ساتھ ہی کرونگی۔'' زحل نے خود ہی مسئلہ بتایا اور پھر اس کو تسلی بھی دی۔

''بس یہ بات تھی؟'' آغا نے جیسے ناک سے مکھی اڑائی۔

''یار یہ بات تو ہم بعد میں بھی کر سکتے تھے، نہ ایسی کیا افتاد آن پڑی تھی۔'' آغا نے مزید کہا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا، مجھے چین نہیں آ رہا تھا اس لئے میں نے بات جلد از جلد تمہیں بتانا چاہی تھی۔'' زحل نے منہ بنا کر کہا۔

''اچھا بابا ٹھیک ہے تم پریشان مت ہو سوچتے ہیں ہم اس بارے میں بھی کہ کیا کرنا ہے۔'' آغا نے زحل کا ہاتھ تھام کر اپنے دونوں ہاتھوں میں دبا لیا، زحل کے ہونٹ مسکرا اٹھے، زحل کے لئے یہی کافی تھا کہ آغا اس کے ساتھ ہے۔

☆☆☆

''ایکسکیوزمی!'' ان دونوں نے اس انجانی آواز پر سر اٹھا کر سامنے دیکھا، سامنے ایک لڑکی کھڑی تھی جو کہ مکمل پردے میں تھی اس کی بس آنکھیں نظر آتیں تھیں، دونوں نے اپنے فون بیگ میں ڈالے اور مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''جی فرمایئے۔'' زحل نے کہا، آنکھوں میں حیرت واضح تھی، مریم بھی غور سے اس اجنبی لڑکی کو دیکھ رہی تھی۔

''کیا میں یہاں بیٹھ سکتی ہوں؟'' لڑکی نے پوچھا۔

''جی جی بیٹھ جایئے۔'' مریم کو ایک دم آداب میزبانی یاد آئے اس نے فوراً کرسی سے اپنا بیگ اٹھالیا اور گود میں رکھ دیا۔

''شکریہ۔'' لڑکی نے مشکور لہجے میں کہا۔

''زحل میں آپ سے بات کرنے آئی ہوں۔'' زحل اجنبی لڑکی کے منہ سے اپنا نام سن کر حیران ہوئی۔

''جی کہیے میں سن رہی ہوں۔'' زحل نے سا کا حوصلہ بڑھایا۔

''وہ میں آپ سے آغا کے متعلق بات کرنے آئی ہوں۔'' آمنہ کی اس بات پر زحل اور مریم نے ایک دم ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

''کیسی بات؟'' زحل نے لہجے کو نارمل رکھا۔

''زحل آپ پلیز برا مت مانیئے گا آغا اچھا لڑکا نہیں ہے وہ آپ کو دھوکہ دے رہا ہے۔'' آمنہ کا بس اتنا کہنا تھا کہ زحل ہتھے سے اکھڑ گئی۔

''واٹ از ہیل از دس؟'' زحل ایک دم غصے سے کھڑی ہوگئی۔

''زحل پلیز تحمل سے میری بات سن لیں۔'' آمنہ ایک دم اس کے اس انداز سے ڈر گئی۔

''کیا بات سنوں؟ آپ ہیں کون اور میں کیوں آپ کی بات پر یقین کروں گی، مجھے سمجھ میں نہیں آتا یہ سارے زمانے کو مجھ سے اور آغا سے کیا مسئلہ ہے؟'' زحل نے غصے سے کہا۔

''زحل میں اس کی کلاس فیلو بھی ہوں اور گروپ ممبر بھی، آپ اطمینان سے میری بات سنو۔'' آمنہ نے اپنا تعارف کروایا اس دوران مریم ابھی تک خاموش تماشائی بنی رہی۔

''زحل بیٹھ ادھر اور سکون سے اس کی بات سن لو۔'' مریم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھانا چاہا۔

''نہیں مریم مجھے کوئی بات نہیں سننی، یہ مجھ سے اور آغا سے جیلس ہو رہی ہے، آغا نے اس کو منہ نہیں لگایا تو یہاں میرے پاس آ گئی ہے، مجھے اس سے بدگمان کرنے، تم جیسی لڑکیوں کو میں

خوب جانتی ہوں بظاہر اپنے آپ کو چھپایا ہوتا ہے لیکن تم جیسی لڑکیوں کی وجہ سے ہی برقعہ پہننے والی لڑکیاں بدنام ہوتیں ہیں۔'' زحل نے منہ میں جو الٹا سیدھا آیا وہ اس نے بول دیا، یہ جانے بغیر کہ مقابل کی کیا حالت ہو رہی ہے۔

''بس زحل آپ نے جو بولنا تھا بول لیا، میں نے ایک لڑکی کے ساتھ برا ہوتے دیکھا تو سوچا آپ کو آگاہ کر دوں باقی ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی لیکن آئندہ یہ گھٹیا الزامات مجھ پر مت لگائیے گا، مجھے آپ کے آغا میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' آمنہ یہ کہہ کر اپنا بیگ اٹھا کر چل دی۔

''یار زحل تم اس کی بات سن تو لیتی۔'' مریم نے احتجاج کیا۔

''ویسے سوری ٹو سے زحل تم ایک لڑکے کے لئے بہت سے لوگوں کا دل دکھا چکی ہو سب سے بڑھ کر ماں باپ کا بھی لیکن پتہ نہیں مجھے اب ڈر لگنے لگا ہے تم سنبھل جاؤ ابھی بھی وقت ہے۔'' مریم نے مزید کہا۔

''جاؤ تم بھی یہاں سے چلی جاؤ تم سب جلتے ہو مجھ سے اور آغا سے، وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور میں اس سے، یہ کوئی مذاق نہیں ہے۔'' زحل نے ناگواری سے کہا اور فون پر نمبر ڈائل کرتی وہاں سے چلی گئی۔

''اللہ کرے یہ مذاق نہ ہی نہ ہو۔'' مریم زیر لب بڑبڑائی۔

☆☆☆

زحل اور مریم کلاس سے لیکچر لے کر نکلی رہی تھیں کہ آغا سے ٹکراؤ ہو گیا زحل آغا کو دیکھ کر کھل اٹھی جبکہ مریم کو اپنا آپ بے کار لگا لہٰذا وہ باہر کی جانب چل دی، زحل اور آغا دونوں باہر کی طرف جا رہے تھے کہ زحل کی نگاہ آمنہ پر پڑی اس کو غصہ تو بہت آیا لیکن اس نے سوچا تھا کہ وہ آغا کو کچھ نہیں بتائے گی کیونکہ وہ اس کو پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی، وہ دونوں لانگ ڈرائیو پر نکل گئے اب دونوں کی واپسی شام کو ہی ہونی تھی۔

''آغا ایک بات بتاؤ مجھے۔'' زحل اور آغا دونوں شہر کے ایک مشہور ریسٹورنٹ میں کھانا کھا رہے تھے، زحل کے کھانا کھاتے دوران پوچھا۔

''جی میری جان پوچھو کیا بات ہے؟'' آغا نے پیار سے کہا۔

''آغا تم مجھے چھوڑ کر تو نہیں جاؤ گے نا، تم مجھے دھوکہ تو نہیں دے رہے؟'' زحل نے کل کی آمنہ کی باتوں کا بہت اثر لیا تھا لیکن وہ آغا کو بتانا نہیں چاہ رہی تھی۔

''یار کیوں الٹی سیدھی باتیں سوچتی رہتی ہو تم، ایک طرف مجھ سے محبت کا دعویٰ ہے اور دوسری طرف مجھ پر شک بھی کرتی ہو، دیٹس ناٹ فیئر یار۔'' آغا نے منہ بسور کر کہا، جس پر زحل کے لب مسکرا اٹھے۔

''ایک تو تم نورا لڑکیوں کی طرح بات بات پر منہ بسور لیتے ہو۔'' زحل نے اپنے ہاتھ سے اس کے ہاتھ پر دباؤ بڑھایا۔

''تو تم باتیں ہی ایسی کرتی ہو۔'' آغا نے کہا۔

''لیکن مجھ پر یقین رکھو میری جان میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں۔'' آغا نے پیار بھرے لہجے میں کہا جس پر زحل مطمئن ہو گئی۔

''ویسے آغا تم نے کبھی اپنی فیملی کے بارے میں نہیں بتایا مجھے۔'' زحل نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

''میری فیملی؟'' آغا نے حیرت سے کہا۔

''ہاں نہ تمہاری فیملی کی بات کر رہی ہوں۔'' زحل نے مسکرا کر کہا۔

''فیملی کے بارے میں پھر کبھی بتاؤں گا نی

الحال اٹھو اور چلیں مجھے حدید کے ڈھیر سارے میسجز آ رہے ہیں وہ مجھے ہاسٹل بلا رہا ہے شاید کوئی کام ہو اس کو۔'' آغا نے عجلت میں کہا، وہ دونوں باتوں باتوں میں کھانا کھا چکے تھے، لہٰذا اب وہ پے منٹ کر کے باہر کی طرف بڑھ گئے لیکن زحل کو ذرا عجیب لگا کہ وہ فیملی کی بات کو کیوں ٹال رہا ہے پھر تھوڑی دیر بعد وہ کندھے اچکا کر رہ گئی، اسے ویسے بھی صرف آغا کی ذات سے محبت تھی، اس کے لئے اور کوئی معانی نہیں رکھتا تھا۔

☆☆☆

ٹھک ٹھک کی آواز پر افتخار صاحب نے سر اٹھا کر سامنے دیکھا، زحل تک سک سے تیار سیڑھیاں اترتی نیچے آ رہی تھی، عائزہ بیگم کچن میں ملازمین کے سر پر کھڑی ناشتہ بنوا رہی تھیں۔

زحل ناشتے کی ٹیبل پر افتخار صاحب کے مقابل آ کر کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی، زحل کی اپنے والدین کے ساتھ سرد جنگ جاری تھی کیونکہ دونوں ہی اپنی ضد پر اڑے ہوئے تھے۔

''میں اس اتوار احمد کو بلا رہا ہوں منگنی کے لئے تم تیار رہنا۔'' افتخار صاحب نے تھوڑی دیر بعد اپنا حکم صادر کیا۔

''میں نے بھی آپ کو کہا تھا میں لڑکا دیکھ چکی ہوں اور شادی صرف اسی سے کروں گی اور اگر آپ زبردستی کریں گے تو گھر چھوڑ کر کورٹ میرج کر لوں گی اس کے ساتھ۔'' عائزہ بیگم جو کچن سے باہر نکل رہی تھیں، زحل کے آخری الفاظ سن کر دہل گئیں۔

''یہ کیا بکواس کر رہی ہو تم باپ کے سامنے۔'' افتخار صاحب گرجے۔

''میں بکواس نہیں کر رہی آپ کو آگاہ کر رہی ہوں اس لئے پلیز ہم دونوں کی راہ میں رکاوٹ نہ بنیں۔'' زحل نے اتنا کہا اور ناشتے کی ٹیبل سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''زحل کدھر جا رہی ہو ناشتہ تو کر لو۔'' عائزہ بیگم بولیں لیکن زحل نظر انداز کر گئی اور باہر جانے لگی۔

''زحل ٹھہرو۔'' افتخار صاحب کی آواز پر اس کے قدم رک گئے۔

''اس اتوار کو اس لڑکے کو بلا لینا اسے کہنا اپنے ماں باپ کے ساتھ باقاعدہ رشتہ لے کر آئے۔'' افتخار صاحب نے اتنا کہا اور کرسی پر ڈھیے سے گئے، ان کی بیٹی نے بات ہی اتنی بڑی کی تھی کہ ان کا حوصلہ دم توڑ گیا ان کو اپنی اولاد کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑے۔

''تھینک یو پاپا۔'' زحل یہ کہہ کر رکی نہیں اور باہر کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

زحل گاڑی لاک کرتی کچھ گنگناتی آگے بڑھنے ہی لگی کہ اس کو مریم نے پیچھے سے آواز دی تو زحل کو رکنا پڑا۔

''ارے آج تو بہت خوش ہو تم، کیا بات ہے؟'' زحل کا موڈ خوشگوار دیکھ کر مریم پوچھے بنا نہ رہ سکی۔

''ہاں مریم میں بہت خوش ہوں آج پاپا نے کہا ہے مجھے کہ آغا کو کہو کہ اس اتوار کو اپنے ماں باپ کے ساتھ رشتہ لے کر آ جائے وہ مان گئے ہیں۔'' زحل نے مریم کو گلے لگاتے ہوئے بتایا، مریم ایک دم خاموش ہو گئی۔

''اچھا بہت بہت مبارک ہو تمہیں، اللہ تمہارے لئے بہت بہتر کرے۔'' مریم نے صدق دل سے دعا دی۔

''شکریہ مریم۔'' زحل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ویسے ابو مان کیسے گئے تمہارے؟'' مریم

نے شرارت سے کہا۔

''بس میں نے بات ہی ایسے کی کہ ابو کو ماننا پڑا۔'' زحل نے بھی شرارتی انداز میں آنکھ دباتے ہوئے کہا۔

''مثلاً کیسے؟'' مریم نے بھنویں اچکا کر پوچھا۔

''میں نے ابو کو کہا کہ اگر وہ میری شادی نہیں کریں گے آغا سے تو میں گھر چھوڑ دوں گی اور کورٹ میرج کرلوں گی آغا سے۔'' زحل نے بڑے نارمل انداز میں کہا جبکہ دوسری طرف مریم کا حیرت سے منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

''تم نے واقعی ایسا کہا زحل؟'' مریم نے شدید حیرت سے پوچھا۔

''ہاں نہ میں نے کہہ دیا کیونکہ میں آغا کے علاوہ کسی اور سے شادی نہیں کرنا چاہتی، ہم دونوں بنے ہی ایک دوسرے کے لئے ہیں تم ہی تو کہتی تھی نہ یہ جملہ اکثر۔'' آخر میں زحل نے یہ بات کرتے مریم کا رخسار تھپتھپایا۔

''ہاں وہ تو ٹھیک ہے زحل لیکن۔'' مریم نے کہنا چاہا۔

''لیکن کیا یار پلیز اب کوئی فضول بات نہ کرنا میں آج بہت خوش ہوں۔'' زحل نے کلاس روم میں داخل ہوتے اپنا بیگ کرسی پر رکھتے ہوئے کہا جبکہ مریم دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔

''ٹھیک ہے زحل میں کچھ نہیں کہتی لیکن ہاں بس اتنا کہوں گی کہ مجھے لگتا ہے تم شاید غلط کررہی ہو یہ سب اللہ کو پسند نہیں ہے۔'' مریم نے آہستگی سے کہا، زحل نے اس کو ایک نظر دیکھا اور کچھ بولے بغیر کندھے اچکا کر رہ گئی، اس کو مریم سے زیادہ بحث نہیں کرنی تھی۔

☆☆☆

''آمنہ اس دن زحل نے بہت غلط رویہ رکھا آپ کے ساتھ مجھے بہت افسوس ہے اس کو ایسے نہیں کہنا چاہیے تھا۔'' مریم کے لہجے سے شرمندگی عیاں تھی، آمنہ اس وقت ڈیپارٹمنٹ کے گراؤنڈ میں بیٹھی سر طاہر کی اسائنمنٹ کو دیکھ رہی تھی، کیونکہ آج ان کے گروپ (جس میں حدید اور آغا تھے) نے اسائنمنٹ جمع کروانی تھی مریم آمنہ کو اکیلا بیٹھا دیکھ کر اس کے پاس آگئی ابھی زحل بھی نہیں آئی تھی۔

''کوئی بات نہیں مریم جو بات گزر گئی اس کو دہرانے کا کیا فائدہ میں وہ بات بھول چکی ہوں۔'' آمنہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''مریم تم یہاں کیا کر رہی ہو ادھر آؤ میرے ساتھ۔'' مریم کو پتہ ہی نہیں چلا کب زحل وہاں آئی اور زحل نے ناگواری سے آمنہ کی طرف دیکھا، مریم بھی اپنا بیگ اٹھا کر زحل کے ساتھ چل دی، پیچھے آمنہ محض سر ہلا کر رہ گئی۔

''تم اس کے پاس کیا کررہی تھی؟'' زحل نے ناگواری سے کہا۔

''تمہارے اس دن کے رویے کی معافی مانگنے گئی تھی۔'' مریم نے جواب دیا۔

''کیا؟ کوئی ضرورت نہیں اس سے معافی مانگنے کی میں نے جو کہا وہ ٹھیک کہا۔'' زحل اب بھی اپنی بات پر قائم تھی۔

''اچھا آج میں کلاس نہیں لوں گی میں آج آغا کے ساتھ شاپنگ پر جارہی ہوں آفٹر آل اگلے اتوار آغا کے گھر والے مجھے دیکھنے آرہے ہیں۔'' زحل نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''ویسے مجھے اپنی خوبصورتی پر کوئی شک نہیں ایسا ہو ہی نہیں سکتا وہ مجھے پسند نہ کریں۔'' زحل نے ازلی فخریہ لہجے میں کہا جس پر مریم مسکرادی اور دل سے اس کے لئے دعا کی۔

''تم نے آغا سے بات کی اس بارے

میں؟" مریم نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

"نہیں، آج ہم جا رہے ہیں نہ سب بتا دوں گی اس کو، میں دراصل اس کو سرپرائز دینا چاہتی ہوں تم دیکھنا وہ بہت خوش ہوگا۔" زحل نے شرارت سے کہا اور ہنس دی۔

"چلو ٹھیک ہے میری جان میری تو دعا ہے اللہ تم دونوں کو خوش رکھے۔" مریم نے سچے دل سے کہا جس پر زحل نے خوش ہو کر اس کو گلے سے لگا لیا، بعض اوقات انسان کیا سے کیا سوچتا ہے بڑے بڑے ارادے باندھ لیتا ہے اور تقدیر کہیں دور کھڑی اس پر ہنس رہی ہوتی ہے۔

☆☆☆

زحل جو کہ آغا کے کافی دیر منانے کے بعد کالج آنے پر آمادہ ہوئی تھی اس وقت کلاس میں بیٹھی سب لڑکے لڑکیوں کی باتیں سن رہی تھی، ابھی لیکچر شروع ہونے میں ذرا وقت تھا مریم بھی آج چھٹی پر تھی، زحل کا کلاس میں رویہ ایسا ہوتا کہ سب اس کو نک چڑھی بولتے تھے کلاس کے کئی لڑکے اس سے دوستی کرنا چاہتے تھے، لیکن وہ کسی کو زیادہ لفٹ نہیں دیتی تھی۔

کل زحل نے آغا کے ساتھ شاپنگ کرنی تھی لیکن آغا کو ضروری کام پڑ گیا وہ کالج نہ آسکا زحل کو بہت غصہ آیا جو کہ آغا کی ڈھیر ساری منتیں کرنے کے بعد ختم ہوا اور وہ بڑی مشکل سے آج کالج آنے پر آمادہ ہوئی، آج اس کو مجبوراً سارے لیکچرز لینے پڑنے تھے کیونکہ کل بھی وہ غصے میں گھر چلی گئی تھی عائزہ بیگم نے بہت پوچھا پر اس نے پورا دن اور رات اپنے کمرے کا دروازہ نہیں کھولا، افتخار صاحب نے تو زحل کو اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔

"زحل پلیز آپ میرے ساتھ چلیں۔" آمنہ ایک دم کلاس میں داخل ہوئی اور زحل کا ہاتھ پکڑ کر اس کو کھڑا کرنا چاہا۔

"تم...... تم پھر؟" زحل نے دبی دبی غصیلی آواز میں کہا کہ کہیں کلاس میں تماشہ نہ بن جائے۔

"پلیز زحل یہ وقت ان باتوں کا نہیں آپ کو میرے ساتھ چلنا ہوگا۔" زحل نے ایک دم اس کو عجیب نظروں سے دیکھا اور بیگ اٹھا کر اس کے پیچھے چل دی اپنی کلاس کے سامنے جا کر آمنہ رک گئی زحل نے اس کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا لیکن اگلے ہی پل اندر موجود حدید کے منہ سے اپنا نام سن کر اس کی توجہ آمنہ سے ہٹ گئی، کمرے کا دروازہ آدھا بند تھا اور وہ دونوں اس کی اوٹ میں تھیں۔

"یار آغا یہ تم کس خوشی میں زحل کے اتنے نخرے اٹھاتے ہو کہیں تمہیں بھی تو سچ میں......" حدید نے آنکھ دبا کر کہنا چاہا۔

"ہاں ہاں بولو آغا مجھے بھی وہی لگ رہا جو حدید کو لگ رہا ہے۔" عثمان نے بھی حدید کی بات کی تائید کی، عثمان بھی آغا اور حدید کا بہت اچھا دوست تھا وہ پچھلے ایک ماہ سے دوبئی گیا ہوا تھا کل ہی واپس آیا اور آج وہ کالج میں موجود تھا۔

"تم لوگ لگتا ہے پاگل ہو گئے ہو، ٹھیک ہے وہ ایک خوبصورت لڑکی ہے لیکن میرا محبت کرنے کا کوئی ارادہ نہیں تم لوگ جانتے ہو میں محبت کر چکا ہوں وہ الگ بات ہے کہ شادی کے بعد وہ محبت پانی کی طرح کہیں بہہ گئی، اب تو بس اس محبت سے جان چھڑانی ہے میرے پاس پیسے نہیں تھے تو سوچا کوئی امیر زادی پھنسا لو اور دیکھ لو مجھے زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی۔" آغا نے بات کے آخر میں قہقہہ لگایا۔ ساتھ ہی حدید اور عثمان بھی ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنسنے لگے۔

"تو یہ کل جو تم اس کی اتنی منتیں کر رہے تھے

وہ کیا تھا۔'' حدید نے شرارت سے پوچھا۔

''یار ابھی اس کے ساتھ بنا کر رکھنا میری مجبوری ہے ابھی میں نے اس سے پیسے بٹور نے ہیں۔'' آغا نے معصومیت سے کہا۔

''اچھا تو یہ کام تم کیسے کرو گے۔'' عثمان نے تجسس سے پوچھا۔

''وہ کب سے مرے پیچھے پڑی ہے کہ گھر والوں کو لے کر آؤ میرے رشتے کے لئے میں نے اس کو ابھی نہیں بتایا اپنی فیملی کے بارے میں کچھ اور اس بے وقوف کو دیکھو اس نے بھی مجھ سے نہیں پوچھا ایک دفعہ پوچھا تھا میں نے بڑی صفائی سے ٹال دیا تو میں اس کو یہ کہہ دوں گا کہ مجھے کچھ پیسے ادھار دو میں نے انگلینڈ جا کر امی ابو سے بات کرنی ہے وہ مجھے کبھی منع نہیں کرے گی، بس پھر میں وہاں گیا تو واپس نہیں آؤں گا کیونکہ اب میرا ارادہ وہاں جا کر کچھ بزنس سیٹ کرنے کا ہے، ماریہ کو میں جاتے ہی طلاق دے دوں گا، تم لوگوں کو تو پتہ ہے میں یہاں داخلہ لینے سے پہلے انگلینڈ گیا تھا وہاں پر مجھے ماریہ اچھی لگی میں نے اس سے شادی کر لی لیکن بعد میں مجھے اندازہ ہوا کہ وہ اسی ماحول کا حصہ ہے اور تم لوگوں کو تو پتہ ہے ہم خود جیسے بھی ہوں مگر بیوی ہمیشہ با کردار ہی چاہتے ہیں۔'' آغا نے بات کے آخر میں آنکھ دبا کر کہا، جس پر حدید اور عثمان ہنس پڑے۔

''اور جب میں نے شادی کی تو امی ابو نے بھی اس کو قبول نہیں کیا ابو نے تو مجھے گھر سے نکالنے کی بھی دھمکی دی تو بس میں مان گیا کہ میں اس کو طلاق دے دوں گا کیونکہ مجھے خود بھی اس کے ساتھ نہیں رہنا، پھر اس کے بعد ابو نے مجھے یہاں این سی اے میں ایڈمیشن دلوایا لیکن ابو نے مجھے یہ بھی کہا کہ خود سے پیسے جمع کر کے انگلینڈ جاؤ اور اپنی بیوی کو طلاق دے کر آؤ لہٰذا اب اس لئے ہاتھ پیر مار رہا ہوں میں، ماریہ کو طلاق دے کر امی ابو کی مرضی کی لڑکی سے شادی کر لوں گا پھر ہی وہ مجھے دوبارہ انگلینڈ جا کر اپنا بزنس سیٹ کرنے کی اجازت دیں گے۔ آغا نے مزید کہا جس پر حدید اور عثمان کا قہقہہ ابل پڑا، دونوں نے ہنستے ہنستے اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ لیا۔

''اُف یار! کتنا کمینہ ہے تو کیا دماغ پایا ہے تو نے میرے دوست دل کرتا ہے تمہیں اکیس توپوں کی سلامی دوں۔'' حدید نے ہنستے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا۔

''بس سیکھ لو تم لوگ بھی کچھ کر مجھ سے۔'' آغا نے کالر اکڑا کر کہا۔

''اور ہاں اس کا غرور بھی تو توڑنا ہے مجھے جب دیکھو اپنی تعریفیں کرتی رہتی، زحل یہ ہے بہت پیاری، زحل ایسی زحل ویسی تم خوش قسمت ہو، زحل افتخار نے تمہیں لفٹ کروائی۔'' آغا نے زحل کے لہجے کی نقل اتاری۔

''مان گئے یار تم کمینے ہونے کے ساتھ ساتھ بہت بڑے ایکٹر بھی ہو۔'' عثمان نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ مارا جس پر آغا نے وکٹری کا نشان بنایا۔

زحل سے اپنے قدموں پر کھڑے رہنا مشکل ہو گیا وہ لڑکھڑا گئی جس پر آمنہ نے فوراً آگے بڑھ کر اس کو تھام لیا تھوڑی دیر بعد زحل دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی جبکہ آمنہ باہر ہی کھڑی رہی۔

''زحل تم۔'' وہ تینوں زحل کو اپنے سامنے دیکھ کر حیران رہ گئے اس کا آنسوؤں سے تر چہرہ اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ ساری باتیں سن چکی ہے۔

''بہت شکریہ مسٹر آغا مجھے آئینہ دکھانے کا اور مجھے میری ہی نظروں میں گرانے کا، مریم اور

آمنہ جو کہتیں تھیں وہ ٹھیک تھا میں واقعی بہت غلط کر رہی تھی، لیکن خیر بہت بہت شکریہ۔'' زحل یہ کہہ کر وہاں رکی نہیں۔

''زحل میری بات......'' آغا نے کہنا چاہا، ان تینوں کے تو وہم و گماں میں بھی نہیں تھا یہ سب ہوگا، تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اب ان کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔

☆☆☆

''اُف یار اب بس بھی کرو اور کتنے آنسو بہاؤ گی۔'' آمنہ جو کہ زحل کے پیچھے ہی کیفے آ گئی تھی، کب سے اس کو چپ کروانے کی کوشش کر رہی تھی، لیکن اس کا رونا کم نہیں ہو رہا تھا۔

''ہوش کے ناخن لو زحل ہم کیفے میں ہی سب لوگ مڑ مڑ کر ہمیں دیکھ رہے ہیں۔'' اب کی بار آمنہ نے ذرا سختی سے کہا تو زحل کو احساس ہوا کہ یہاں رونا اپنا تماشا لگانے کے مترادف ہے لہٰذا وہ اپنے آنسو صاف کرنے لگی۔

''تمہیں پتہ ہے آمنہ یہ رونا اس بات کا نہیں کہ میرے خواب ٹوٹ گئے، یہ رونا تو اس بات کا ہے کہ میں کتنا غلط کر رہی تھی مجھے پہلے کیوں احساس نہیں ہوا کہ اللہ کی قائم کردہ حدود سے نکلنے کی کوشش کرو تو انجام اچھا نہیں ہوتا، میں نے آغا کے لئے سب کے دل دکھا کے یہاں تک کہ اپنے ماں باپ کا بھی۔'' زحل نے رندھی آواز میں کہا۔

''ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا تم اللہ کا جتنا شکر ادا کرو کم ہے اس نے تمہیں بڑے نقصان سے بچا لیا، اللہ سے معافی مانگ لو ماں باپ سے معافی مانگ لو، اللہ بڑا رحیم ہے اپنے بندوں کو معاف کر دیتا ہے کوئی سچے دل سے معافی مانگے تو سہی۔'' آمنہ نے اس کو امید کی کرن دکھائی، اس کا کندھا تھپتھپایا اور بیگ اٹھا کر وہاں سے چلی گئی اب اس کے پاس بھی کہنے کو زیادہ کچھ نہیں تھا وہ اپنا ظرف بہت بڑا کر کے دوبارہ زحل کے پاس آئی تھی۔

پیچھے بیٹھی زحل نے اپنے آنسو صاف کیے اور اس کو جاتا ہوا دیکھتی رہی جب تک کہ وہ نظروں سے غائب نہ ہوگئی۔

☆☆☆

''عائزہ زحل کہاں ہے، میں جب سے آیا ہوں اس کی آواز نہیں سنائی دی نہ ہی وہ مجھے نظر آ رہی ہے۔'' افتخار صاحب نے بے چینی سے کہا جو بھی تھا وہ ان کی اولاد تھی۔

''جب سے کالج سے آئی ہے بخار سے پھنک رہی ہے۔'' عائزہ بیگم نے بتایا۔

''کیا؟ اور تم نے مجھے بتایا ہی نہیں۔'' افتخار صاحب فوراً اس کے کمرے کی طرف دوڑے، زحل بیڈ پر بیٹھی آنسو بہانے میں معروف تھی۔

''پاپا پلیز مجھے معاف کر دیں میں نے بہت بدتمیزی کی آپکے ساتھ، میں اندھی ہو گئی تھی ہواؤں میں اڑنے لگی تھی، مجھے آئینہ دکھا دیا گیا ہے، مجھے زمین پر پٹخ دیا گیا ہے۔'' زحل نے جیسے ہی افتخار صاحب کو دیکھا ان کے گلے لگ کر رونے لگی اور معافی مانگنے لگی۔

''بس خاموش ہو جاؤ میری بیٹی بس اللہ کا شکر ہے کہ اس نے تمہیں کسی بڑے نقصان سے بچا لیا، اگر تمہیں کچھ ہو جاتا تو ہم کیا کرتے تم ہی ہماری اکلوتی اولاد ہو۔'' افتخار صاحب نے اس کے سر پر بوسہ دیا، عائزہ بیگم سائیڈ پر کھڑی آنسو بہاتی رہیں۔

''پاپا آپ جہاں کہیں گے میں وہاں شادی کرونگی بس آپ مجھے معاف کر دیں۔'' زحل نے روتے ہوئے کہا۔

''فکر نہ کرو میری جان ماں باپ اپنی اولاد

سے زیادہ ناراض نہیں رہتے۔'' افتخار صاحب زحل کو چپ کرواتے رہے انہیں اندازہ ہوگیا تھا کہ زحل پر آغا کی حقیقت کھل گئی ہے، تب ہی وہ یہ سب کہہ رہی تھی لیکن انہوں نے زحل کو زیادہ نہیں کریدا کیونکہ وہ پہلے ہی دکھی تھی۔

☆☆☆

کسی نے دھول کیا جھونکی آنکھوں میں
میں اب پہلے سے بہتر دیکھتا ہوں

''آمنہ پلیز تم بھی مجھے معاف کر دو، میں آج صرف تم سے معافی مانگنے آئی ہوں میں نے اس دن بہت زیادہ دل دکھایا تھا تمہارا۔''

زحل آج کالج صرف اس لئے آئی تھی کہ اس نے آمنہ سے معافی مانگنی تھی، مریم بھی بہت دکھی تھی زحل کی حالت دیکھ کر۔

''زحل اب بھول جاؤ وہ سب گزر گیا اور تم سوچتی ہوگی کہ مجھے تمہاری اتنی فکر کیوں ہوتی ہے، تو سنو میں آغا کے کچھ ایسے ہی خیالات اس دن بھی سن چکی تھی، اس لئے سوچا آگاہ کر دوں لیکن تم جذباتی ہوگئی اور میری بات نہیں سنی۔'' آمنہ نے آہستگی سے کہا۔

''ایک لڑکی کی عزت کا تماشا بن رہا تھا اور صرف میں ہی آگاہ تھی اس سب سے اس لئے مجھے ہی بتانا تھا تمہیں یہ سب اور اس دن قسمت اچھی تھی کہ میں نے اکٹھے بیٹھے تمہارے متعلق یاد کرتے دیکھا تو فوراً تمہیں لے آئی وہاں اور تمہیں بھی یقین ہوگیا کہ میں غلط نہیں تھی۔'' آمنہ نے مزید کہا۔

''میں بہت غلط کرنے جارہی تھی میں کس منہ سے اللہ کا شکر ادا کروں کہ اس نے مجھے سیدھی راہ دکھادی۔'' زحل نے پھر رونا شروع کر دیا اسی دوران مریم خاموش بیٹھی رہی اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا بولے۔

''میں نے ایک جگہ پڑھا تھا کہ نامحرم کی محبت ایک لڑکی کی زندگی میں طوفان بن کر آتی اور جب طوفان گزر جاتا ہے تو کچھ باقی نہیں رہتا اپنے ساتھ سب لے جاتا ہے۔'' آمنہ نے کہا۔

''ہم لڑکیاں کتنی بے وقوف ہوتی ہیں نہ ذرا جو کوئی پیار کا بول بول رہے ہم اسے ہی اپنا سب مان لیتیں اس کے لئے زمانے سے لڑنے کو تیار ہو جاتیں، اس کے لئے اپنے اللہ کو ناراض کر دیتیں اللہ کی قائم کردہ حدود کو توڑ دیتیں اسی کو اپنا خیر خواہ مان لیتیں اور جب ہمیں دھوکہ ملتا تو اپنے اللہ سے شکوے کرنے لگتیں ہیں کہ ہمارے ساتھ ایسا کیوں ہوا ہم یہ کیوں بھول جاتیں ہیں کہ اللہ نے ہمیں منع کر رکھا ہے ایسے سو کالڈ رشتے بنانے سے، ہماری محبت کا حق دار تو صرف ہمارا محرم ہوتا ہے لیکن ہم نامحرم سے محبت کر کے اپنے محرم کو بھی اپنی محبت سے دور کر دیتیں ہیں اپنے محرم کے لئے اپنے دل میں وہ جگہ نہیں بنا پاتیں کیونکہ ایک عورت صرف ایک دفعہ ہی محبت کرتی ہے۔'' زحل نے روتے ہوئے یہ سب کہا جس پر مریم اور آمنہ حیران رہ گئیں کہ وہ کس طرح کی باتیں کر رہی ہے مطلب ایک رات میں ہی زحل میں اتنا بدلاؤ آگیا اس کو درست اور غلط کا فرق معلوم ہوگیا اس کو پتہ لگ گیا کہ سیدھی راہ کیا ہے۔

''بس زحل تم نے جتنا رونا تھا رولیا، عورتوں کے جذبات کے ساتھ کھیلنے والوں کو بھی یہ یاد رکھنا چاہیے کہ مکافات عمل بھی کسی چیز کا نام ہے۔'' مریم نے جیسے زحل کو تسلی دی۔

''نہیں مریم مجھے کسی سے کوئی گلہ نہیں میں جس راہ پر چل نکلی تھی اس کا انجام ایسا ہی ہونا تھا۔'' زحل نے آہستگی سے کہا۔

''میں تمہارے لئے دعا گو ہوں زحل لیکن مایوس نہ ہو اللہ بڑا رحیم ہے وہ انسان پر اس کی

استطاعت کے مطابق بوجھ ڈالتا ہے۔" آمنہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کو تسلی دی، زحل آمنہ کو دیکھتی رہ گئی، وہ کبھی آمنہ کا یہ احسان نہیں بھول سکتی تھی کہ اس نے اسے سچ اور جھوٹ کا فرق بتایا اور اس کو معاف بھی کر دیا۔

"اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔" آمنہ یہ کہہ کر وہاں رکی نہیں۔

☆☆☆

"زحل بیٹا اریان آپ سے ملنا چاہ رہا ہے، آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں؟ وہ کہہ رہا ہے شادی سے پہلے ایک بار آپ سے مل کر بات کرنا چاہتا ہے۔" افتخار صاحب نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

ابھی کل ہی احمد صاحب اپنے بیٹے اریان کا زحل کے ساتھ رشتہ پکا کر کے گئے، افتخار صاحب اور عائزہ بیگم بہت زیادہ خوش تھے کیونکہ یہ ان دونوں کے دل کی خواہش تھی، احمد اور افتخار کافی پرانے دوست تھے لیکن احمد صاحب کیونکہ دوبئی میں سیٹل تھے اس لئے ان کا زیادہ آنا جانا نہیں تھا احمد صاحب کافی عرصے سے زحل کا رشتہ مانگ رہے تھے اور اب جا کر ان کو مثبت جواب ملا تھا لہٰذا وہ بہت خوش تھے آج کل اسی سلسلے میں وہ پاکستان آئے ہوئے تھے، فرخندہ بیگم اپنی ہونے والی بہو کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں تھیں کیونکہ وہ ایسی ہی خوبصورت بہو چاہتی تھیں۔

"جی پاپا ٹھیک ہے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" زحل نے اثبات میں سر ہلایا اور کہا۔

"تو جاؤ بیٹا وہ تمہارا انتظار کر رہا ہے نیچے۔" افتخار صاحب نے کہا۔

"ابھی۔" زحل نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں وہ آیا ہوا ہے احمد اور فرخندہ بھابھی بھی آئیں ہیں ان سے بھی مل لو جا کر۔" انہوں نے مزید کہا۔

"اوکے پاپا میں آتی ہوں۔" زحل دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے بولی۔

زحل نے خود کو سرتاپا بدل لیا تھا جس پر اس کے ماں باپ بہت خوش تھے۔

☆☆☆

"السلام علیکم!" زحل نے آہستگی سے سلام کیا اور مقابل کو دیکھا، کالے رنگ کی پینٹ اور سفید شرٹ کے اوپر ہم رنگ ٹائی لگائے وہ یقیناً بہت خوبصورت اور باوقار لگ رہا تھا، اس کے چہرے پر چھایا سکون ہر کوئی دیکھ سکتا تھا۔

"وعلیکم السلام!" اریان فوراً صوفے سے کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھیے۔" زحل نے کہا اور ساتھ ہی

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت
ڈالیے

ابن انشاء

اردو کی آخری کتاب .... ☆
خمار گندم .... ☆
دنیا گول ہے .... ☆
آوارہ گرد کی ڈائری .... ☆
ابن بطوطہ کے تعاقب میں .... ☆
چلتے ہو تو چین کو چلیے .... ☆
نگری نگری پھرا مسافر .... ☆

لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور
فون نمبرز 7321690-7310797

اریان دوبارہ بیٹھ گیا۔

''زحل میں چاہ رہا تھا ہم دونوں نئی زندگی کی شروعات کرنے جا رہے ہیں اس سے پہلے ایک بارل کر بات کر لی جائے۔'' اریان نے بغیر تمہید باندھے ہی کہا۔

''جی آپ نے ٹھیک سوچا میں بھی آپ کو سب کچھ بتا کر ہی زندگی کی شروعات کرنا چاہتی ہوں میں نہیں چاہتی کہ اس نئے رشتے سے پہلے میں کچھ بھی چھپاؤں۔'' زحل نے مضبوط لہجے میں کہا۔

''زحل میں جانتا ہوں سب۔'' اریان نے جیسے اس کی سماعتوں پر بم پھوڑا۔

''مجھے انکل نے سب کچھ بتا دیا تھا اور کہا تھا کہ اب بھی میں اگر آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں تو یہ زحل کی خوش قسمتی ہے۔'' اریان نے مسکرا کر کہا۔

''تو کیا آپ کو کسی بات پر کوئی اعتراض نہیں۔'' زحل نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں اعتراض والی کون سی بات ہے بھلا، آپ نے محبت ہی تو کی تھی، محبت کرنا کوئی جرم تو نہیں اور نہ میں محبت کرنے کے خلاف ہوں، لیکن جو آج کل محبت کے نام پر کھلواڑ کھیلا جاتا ہے میں اس کے سخت خلاف ہوں، محبت تو اللہ تعالیٰ کا ایک قیمتی اور خوبصورت تحفہ ہے لیکن پتہ نہیں کیوں لوگوں نے اس کو مذاق بنا دیا ہے۔'' اریان نے سنجیدگی سے کہا۔

''زحل دیکھیے میں کوئی بلند و بانگ وعدے نہیں کرتا لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ میں اپنی پوری کوشش کروں گا کہ محبت پر آپ کا اعتماد پھر بحال کر سکوں، میرے خیال میں ایک ٹوٹے بکھرے انسان کو مزید توڑنے کے بجائے اس کو محبت سے جوڑنا زیادہ اچھا ہے لیکن ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم ایک ٹوٹے ہوئے انسان کو مزید توڑ دیتے ہیں اور اگر غلطی سے کوئی لڑکی محبت کرے تو اس کو ساری زندگی کے لئے اس لڑکی کے لئے گالی بنا دیا جاتا ہے، اس سے جینے کا حق چھین لیا جاتا ہے۔''

''زحل میں کوشش کروں گا آپ کو خوش رکھوں آپ میری طرف سے بالکل پریشان مت ہوئیے گا، کیونکہ میں پوری دلی رضا مندی کے ساتھ اس رشتے کو نبھانے کے لئے تیار ہوں۔'' آخر میں اریان نے اس کو تسلی دی جبکہ دوسری طرف زحل اس شخص کی اچھائی پر محض آنسو بہا کر رہ گئی اس کے پاس تو شکریہ کہنے کے لئے بھی الفاظ نہیں تھے۔

''اریان میرا بھی وعدہ ہے میں بھی آپ کو مایوس نہیں کروں گی۔'' زحل نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

''بس زحل اب آپ نے مزید نہیں رونا، ایک ایسے انسان کے لئے کیا رونا کہ جس نے آپ کی پرواہ نہ کی آپ کی قدر نہ کی۔'' اریان کو اس کا رونا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

''میں اس انسان کے لئے نہیں میں اپنے گناہوں پر رو رہی ہوں اریان۔'' زحل نے کہا۔

''انسان کے گناہ کے مقابلے میں اللہ کی رحمت بہت بڑی ہے آپ اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہوں۔'' اریان نے اس کے سامنے مثبت پہلو رکھا، زحل اپنے آنسو صاف کر کے مسکرانے لگی۔

زحل نے دل ہی دل میں اپنے رب کا شکریہ ادا کیا کہ اللہ نے اس کو بروقت ہدایت کی راہ دکھائی ورنہ وہ اپنا بہت بڑا نقصان کرنے جا رہی تھی، اور بے شک اللہ جو کرتا ہے وہ اچھے کے لئے کرتا ہے۔

☆☆☆

حصار محبت

فوزیہ سرور

موسم نے گرم ردا اتار کر خوبصورت رنگوں سے مزین چادر اوڑھ لی تھی، بادنسیم نے ہر سو اپنے پر پھیلا دیئے تو ان پروں کے سنگ روئی کے اڑتے سفید گالے شاہ خاور کے ساتھ آنکھ مچولی کرنے لگے، بینا ٹیرس پر جوس کا بلوریں گلاس تھامے آسمان کی وسعتوں کو کھوجنے میں گم تھی، اس کے ذہن میں سوچوں کا اژدہام برپا تھا، بینا کے من میں اداسی کے موسم کا راج تھا، سوچوں کے ناگ اسے ڈس کر اذیت پہنچا رہے تھے، زوار شاہ نے اس کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ کیوں اس کے دل کو اپنی بے اعتنائی سے زخمی کیا؟ ڈرائیوے پر گاڑی رکنے کی آواز سے وہ سوچوں کے حصار میں باہر نکلی تو نگاہ گاڑی کا فرنٹ ڈور کھول کر نکلتے زوار شاہ پر جا ٹھہری، خوبصورت و دلکش پرسنالٹی کا مالک زوار شاہ بے پناہ خوبصورتی اور مردانہ وجاہت کا حامل تھا، بینا کے دل سے ٹیسیں اٹھنے لگیں، دوسری طرف سے دروازہ کھول کر باہر نکلتی مرینہ کو دیکھ کر بینا کی آنکھوں میں گویا مرچیں بھر گئیں، زوار شاہ نے ٹیرس پر کھڑی بینا پر سرسری سی نگاہ ڈالی اور دلکش مسکراہٹ لبوں پر سجائے مرینہ کی جانب متوجہ ہو گیا، جو نائٹ بیلو جینز، ریڈ لانگ شرٹ میں ملبوس، سلکی بالوں کی پونی ٹیل جھلاتی زوار شاہ کے قریب آئی، بینا کا دل جل کر خاک ہو گیا، لیکن اپنی عزت نفس سے بڑھ کر کچھ نہیں کے مصداق بینا نے ایک نگاہ بھی اکڑو خان پر ڈالنا گوارا نہ کی، اس کی بے نیازی کو زوار شاہ نے پھر شدت سے محسوس کیا، ہونہہ کہہ کر سر جھٹکا اور مرینہ کو لئے اندرونی حصے کی جانب بڑھ گیا یہ سب دیکھ کر بینا کا دل کرلانے لگا تھا، بینا کو وہ دن اپنی تمام تر تلخ یاد سمیت آج بھی تھا جب زاور شاہ پہلی مرتبہ مرینہ کو شاہ ہاؤس لایا تھا۔

☆☆☆

''السلام علیکم! ایوری باڈی۔'' زوار شاہ نے زور دار آواز میں وسیع و عریض سرسبز لان میں خوش گپیوں میں مگن نرم مخملی گھاس پر اوندھے سیدھے لیٹے کزنز کے گروپ کو سلام جھاڑا، اس گروپ میں اس کا اکلوتا بھائی حسن بھی ترچھا ہو کر لیٹا تھا، سب گاڑی کی آواز پر زوار شاہ کی جانب متوجہ ہوئے تھے، ان کے چہروں پر ہونق پن اور حیرانگی برس رہی تھی، زوار شاہ کے ساتھ کھڑی ماڈرن خوبصورت لڑکی کھڑی دیکھ کر وعلیکم السلام ان کے دانتوں تلے گویا پس کر رہ گیا، لڑکیوں کا ٹولہ الگ نگاہوں میں حیرت سموئے مرینہ کو دیکھ رہا تھا، مرینہ خان کو خود پر چڑیا گھر میں نئے آنے والے جانور کا گمان ہوا، بینا سب سے الگ تھلگ آرام دہ چیئر پر بیٹھی راجہ گدھ پڑھنے میں منہمک تھی، اس نے بھی سرسری نگاہ زوار شاہ کے ساتھ کھڑی مرینہ پر ڈالی اور دل میں چھن سے جیسے کچھ ٹوٹ گیا، مگر اپنے بے تحاشہ خوبصورت چہرے پر اندرونی کیفیت کو جھلکنے تک نہ دیا، یونہی تو زوار شاہ اسے بے حس اور بد دماغ نہیں کہتا تھا، یہ زوار شاہ کا خیال تھا، جو ابھی بھی بینا کی بے نیازی دیکھ کر مزید راسخ ہو گیا، لڑکیاں اور لڑکے ابھی تک ورطۂ حیرت میں غوطہ زن تھے، بی جان نے کب کسی کو اجازت دی ہے لڑکیوں سے دوستی کرنے کی کیا زوار شاہ بی جان کے طے کردہ اصول بھول گیا، کیونکہ ابھی بھی زوار شاہ نے مرینہ کو اپنی دوست کہہ کر متعارف کروایا تھا۔

''جاؤ مرینہ میری کزنز کے ساتھ انجوائے کرو۔'' اور خود وہیں پھسکڑا مار کر بیٹھ گیا، مرینہ لڑکیوں کی جانب بڑھ گئی، جن کے چہروں پر واضح نو لفٹ کا بورڈ چسپاں تھا، انہیں زوار شاہ کا اس لڑکی سے دوستی کرنا اور گھر لانا بری طرح

کھلا تھا، انہیں بینا کی فکر تھی ان سب کو علم تھا، بینا بہت حساس ہے، انہیں زوار شاہ کے ارادے نیک نہیں لگے تھے مرینہ نے گفتگو کرنے کی کوشش کی لیکن ہوں ہاں سے زیادہ جواب نہ پا کر چپ بیٹھی رہ گئی، جبکہ زوار شاہ خوب چہک رہا تھا اور بینا کا دل جلا رہا تھا یہ الگ بات بینا کے چہرے پر بے نیازی کے تاثرات ہنوز رقم تھے۔

”دوستی تھی تو گھر تک لانے کی کیا ضرورت تھی؟“ حسن نے ناگواری کا برملا اظہار کیا۔

”دوستی تو محض بہانا ہے، مقصد تو گھر والوں سے ملوانا تھا، مرینہ مجھے بحیثیت بیوی بہترین لگی۔“ آواز کو دانستہ بلند کرتے ہوئے زوار شاہ نے کنکھیوں سے بینا کو دیکھتے ہوئے اپنے ارادے آشکار کیے۔

”آہستہ بول گدھے، بینا سن لے گی۔“ حسن نے دبے دبے لہجے میں سرزنش کی۔

”تو سن لے، میری جانے بلا، اچھا ہے اس کے علم میں بات آجائے۔“ زوار شاہ کے جواب سے بینا کے دل میں جھکڑ چلنے لگے۔

”کیا اسے میری آنکھوں میں محبت کے روشن دیپ نظر نہیں آئے، محبت اظہار کی محتاج ہوتی ہے کیا؟“

بچپن سے وہ اس کا نام اپنے نام کے ساتھ سنتی آرہی تھی، محبت کا حصار اس کے وجود کے گرد کھنچ چکا تھا، زوار شاہ کا مرینہ کو گھر لا کر پسندیدگی کا اظہار، بینا کے پندار کو بری طرح ٹھیس پہنچی تھی، زوار شاہ کی باتوں سے بینا کے دل میں طوفان اٹھنے لگا، لیکن کمال ضبط تھا، خوبصورت چہرے پر پرسکون ندی کا ساکت طاری تھا، ریلنگ سے اس کی پالتو بلی نے چھلانگ لگائی تو بینا تلخ یاد سے باہر نکلی، دل بری طرح گھبرایا تو بی جان کی پرشفقت آغوش میں منہ چھپانے ان کے کمرے کی جانب چل دی۔

☆☆☆

”السلام علیکم! مما جان۔“ زوار شاہ نے لاؤنج میں داخل ہو کر صوفے پر براجمان سعدیہ بیگم کو سلام کیا، لاؤنج میں ان کے علاوہ کوئی ذی نفس نہ تھا۔

”وعلیکم السلام!“ سعدیہ بیگم نے محبت سے اپنے شاندار نور نظر کو دیکھا، لیکن زوار شاہ کے عقب سے نکل کر ساتھ کھڑی مرینہ کو دیکھ کر منہ کے زاویے بگڑ گئے۔

”السلام علیکم!“ مرینہ دھیمے لہجے میں مودبانہ بولی، سعدیہ بیگم نے کڑے تیوروں سے وعلیکم السلام کہا، مرینہ اپنی عزت افزائی پر یوں ظاہر کرتی جیسے یہ سب کسی اور کے ساتھ ہو رہا ہو، زوار شاہ جس مقصد کے لئے مرینہ کو گھر لاتا تھا وہ پورا ہوتا نظر نہیں آرہا تھا، دونوں سعدیہ بیگم کے عین سامنے صوفے پر فاصلہ رکھ کر بیٹھ گئے، سعدیہ بیگم نے کھولتے ہوئے چبھتی نگاہ دونوں پر ڈالی، عین اسی وقت بینا لاؤنج سے گزری، زوار شاہ نے ابھی بی جان سے مرینہ کی ملاقات نہ کروائی تھی، اسے قوی یقین تھا کسی نے بی جان سے ذکر تک نہ کیا ہوگا، بی جان زیادہ وقت اپنے کمرے میں گزارنا پسند کرتی تھیں، وہ تب ہی سب کے درمیان بیٹھتیں جب انہیں کوئی اہم فیصلہ کرنا ہوتا۔

”مما بی جان سو تو نہیں رہیں، مجھے ان سے بات کرنی ہے۔“ زوار شاہ نے سنجیدگی سے کہا۔

”یہ وقت ان کے سونے کا نہیں ہے، تم اچھی طرح جانتے ہو، یہ الگ بات ہے تم آج کل بہت کچھ بھولتے جا رہے ہو۔“ درشت لہجے میں کہتی وہ لاؤنج سے چلی گئیں، ساتھ ان کی زبان پر بڑبڑاہٹیں جاری تھیں۔

''اچھا ہے بی جان کے علم میں بھی لاڈلے پوتے کی کرتوت آئے، شہزادیوں جیسی حسین بینا کو چھوڑ کر کے دم چھلا بنائے پھر رہا ہے، سلجھی ہوئی خاموش طبع بینا ان کو بے حد پیاری تھی، بی جان خود ہی عقل ٹھکانے لگائیں گی صاحبزادے کی، ہمارے سمجھانے سے تو نہ سمجھے۔'' سعدیہ بیگم کی بڑبڑاہٹیں کمرے میں آ کر بھی عروج پر تھیں۔

بینا بی جان کے کمرے کے باہر کھڑی رہی، دل اتنا مضطرب تھا اسے یقین تھا وہ رو دے گی، بی جان کے سامنے سارا بھرم کھو دے گی، زوار شاہ اور مرینہ کو ساتھ بیٹھے دیکھ کر دل پر برچھیاں چل گئی تھیں، وہ واپس پلٹنے لگی تھی، جب زوار اور مرینہ آتے دکھائی دیے، بینا کی سانسیں رکنے لگیں، وہ برف بن گئی، لیکن چہرہ لاتعلقی اور بے نیازی کی تصویر بن گیا، زوار شاہ نے بینا پر نظر ڈالنا بھی گوارا نہ کی اور بی جان کے کمرے میں چلا گیا، مرینہ نے مسکراتی نگاہوں سے بینا کو دیکھا اور زوار کے پیچھے کمرے میں داخل ہوگئی، بی جان آرام دہ بستر پر تکیے کے ساتھ ٹیک لگائے تسبیح پڑھنے میں مشغول تھیں، زوار شاہ کو دیکھ کر محبت چہرے پر بکھر گئی، لیکن مرینہ کو دیکھ کر ان کے دل کو دھچکا لگا، کچھ بھی کہے بنا چہرے پر ملاحت سجائے دونوں کو بیٹھنے کا اشارہ کیا، زوار اور مرینہ منقش صوفے پر بیٹھے تھے، بی جان کی نظروں میں ناگواری کا تاثر ابھرا، زوار شاہ ان کا بے حد لاڈلا پوتا تھا، یہ اسی لاڈ پیار کا نتیجہ تھا جو زوار شاہ مرینہ کو ان کے سامنے لے آیا تھا۔

''بی جان مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔'' کارپٹ پر نظریں گاڑھے زوار شاہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''کیا بات اتنی ضروری تھی کہ تم سلام کرنا تک بھول گئے۔'' بی جان تسبیح رکھ کر طنزاً گویا ہوئیں۔

''اوہ سوری بی جان، پتا نہیں کیوں بھول گیا۔'' بی جان کو وہ بہت الجھا الجھا لگا۔

''یہ بچی کون ہے؟ اور اسے تم میرے پاس کیوں لائے ہو؟'' بی جان نے سرد لہجے میں استفسار کیا، انہیں زوار شاہ کا سلام نہ کرنا بدتہذیبی اور بدتمیزی لگا تھا۔

''یہ مرینہ ہے میری بہت اچھی دوست۔'' دوست کے لفظ پر بی جان کا چہرہ خطرناک حد تک پتھریلا ہوگیا، لیکن زوار شاہ بی جان کے تاثرات سے بے نیاز ایک کہہ گیا، بی جان کے کمرے کے دروازے کے پار کسی کا لہراتا آنچل اسے بولنے پر اکسانے لگا، اسے یہ موقع شاندار لگا، اپنا مقصد پانے کے لیے۔

''میں مرینہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' زوار شاہ نے بی جان کی سماعتوں میں دھماکا کیا، بی جان کا چہرہ غیض و غضب کی علامت بن گیا۔

''زوار شاہ اگر یہ جرأت تمہیں میرے لاڈ پیار نے دی ہے تو یہ تمہاری بھول ہے کہ میں تمہیں اپنی حکم عدولی کی اجازت دوں گی، بینا میں تمہیں ایسی کون سی برائیاں نظر آنے لگی ہیں جو تمہیں اتنا احمقانہ فیصلہ کرنا پڑا۔'' مرینہ ٹانگ پہ ٹانگ دھرے یوں بیٹھی تھی جیسے یہاں وہ موجود ہی نہ ہو، عجیب ناقابل فہم رویہ تھا اس کا، بینا جو زوار شاہ اور مرینہ کو بی جان کے کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر وہیں پتھر ہوگئی تھی، قدم تک نہ اٹھا پائی تھی، اس کا سارا وجود کان بن گیا۔

''بینا انتہائی خشک مزاج، اکھڑ، بد دماغ اور بے حس لڑکی ہے، لڑکی کی بجائے اسے پتھر کہنا زیادہ مناسب ہوگا، ناپ تول کر بولتی ہے، نہ جانے خود کو کیا سمجھتی ہے۔'' زوار شاہ نے بینا کے خلاف شکایات کا دفتر کھول دیا، بینا کے سر پر گویا

چھت آن گری، اس کا وجود ملبے تلے گویا دب گیا، زوار شاہ اس سے اتنا بدگمان تھا، اس کے گمان میں نہ تھا، خود زوار شاہ نے کب اسے بھی مخاطب کیا تھا۔

''ہمیشہ لئے دیے انداز اختیار کیے رکھے۔''

''وہ کیا کرتی وہ تو پہلے کم گو تھی۔'' اس کی بے نیازی سے خود میں مزید سمٹ گئی، اندر کمرے میں بی جان کا منہ حیرت کے باعث کھل گیا، زوار شاہ تو بھرا بیٹھا تھا، بی جان نے بینا کی آنکھوں میں زوار کے لئے محبت کی قندیلیں روشن ہوتے دیکھی تھیں۔

''یہ زوار کیا کہہ رہا تھا؟''

''بی جان آپ بینا سے پوچھ لیجئے وہ کیا چاہتی ہے؟''

''وہ جیسا کہے گی ویسا میں کروں گا، لیکن مجھے یقین ہے وہ انکار کر دے گی۔'' زوار شاہ نے بساط بچھا کر مہرہ سرکا دیا تھا، بی جان متوحش سی زوار شاہ کو دیکھنے لگیں، کچھ تھا جو ان دونوں کے بیچ بدگمانی کا باعث تھا۔

''ٹھیک ہے زوار شاہ میں بینا سے رائے لوں گی، جو وہ فیصلہ کرے گی تمہیں ماننا پڑے گا، اب تم جا سکتے ہو۔'' بی جان نے نروٹھے انداز میں پہلی بار زوار شاہ کو کمرے سے جانے کا حکم سنایا تو زوار شاہ کا دل ڈگمگا گیا لیکن اپنے مقصد کے حصول کے لئے وہ نظر انداز کر گیا، ان کے کمرے سے نکلنے سے پہلے ہی بینا بمشکل قدموں کو گھسیٹتی اپنے کمرے کی جانب چل دی، بدگمانی سے بھرے زوار شاہ کو وہ کیوں صفائیاں دے؟ کیوں اپنی محبت کا اظہار کر کے خود کو بے وقعت کرے۔

''وہ مرینہ سے شادی کرنا چاہتا ہے، اگر محبت کرتا تو اس حد تک کیوں آتا؟ میں اب خود انکار کروں گی زوار شاہ، بینا نے خود کا انا کی بلند فصیلوں میں مقید کر کے عزم مصمم کیا۔'' یہ فیصلہ کرتے اس کا دل کرچیوں میں بکھرا تھا لیکن اسے اپنی عزت نفس اور انا عزیز تھی، اندر کمرے میں بی جان دونوں کے جانے کے بعد الجھی ڈوروں میں الجھ سی گئیں، زوار شاہ نے انہیں پریشان کر دیا تھا، وہ تسبیح ہاتھ میں لے کر ذکر کرنے لگیں، انگلیاں تیزی سے تسبیح کے دانے گرانے لگیں، انہیں بینا سے کچھ نہیں پوچھنا تھا، اتوار کو انہیں بس اپنا حکم سنانا تھا، وہ زوار شاہ کے ساتھ بینا کے علاوہ کسی لڑکی کو برداشت نہیں کر سکتی تھیں، لیکن اتوار کے دن وہ ہو گیا جو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔

☆☆☆

بی جان کے تین بیٹے ظفر شاہ، مسعود شاہ اور طلاق شاہ تھے، ان کی بیٹی نہیں تھی، ظفر شاہ کے دو بیٹے زوار شاہ اور حسن شاہ تھے، مسعود شاہ کے دو بیٹے ارمغان اور عدنان تھے، ایک بیٹی نیہا تھی، طارق شاہ کی دو بیٹیاں ارمیلہ اور بینا اور ایک بیٹا بہزاد تھا، بی جان نے شوہر کی وفات کے بعد پورے خاندان کو اکائی کی طرح جوڑ رکھا تھا، بزنس مشترکہ تھا، بی جان بزنس کے معاملات کی خود جانچ پڑتال کرتی تھیں، گھر کے معاملات ان کے ہاتھ میں تھے، بیٹوں اور بہوؤں کی مجال نہ تھی ان کے حکم سے سرتابی کرے، تینوں بیٹوں کی شادیاں یکے بعد دیگرے کی تھیں، زوار شاہ ان کا بے حد لاڈلا تھا، پوتیوں میں بینا شاہ ان کی لاڈلی تھی، زوار شاہ بینا سے پانچ سال بڑا تھا، بی جان نے زوار شاہ اور بینا کی نسبت طے کی تو ساتھ ہی حسن کی نیہا کے ساتھ، ارمغان کی ارمیلہ کے ساتھ نسبت طے کر دی، عدنان اور بہزاد کے لئے لڑکی گھر میں دستیاب نہ تھی، وگرنہ وہ بھی پابند کر دیے جاتے، حسن اور ارمغان دونوں ہی بی جان

کے فیصلے سے خوش تھے، ارمیلہ اور نیہا سے ان کی نوک جھونک چلتی رہتی تھی، جو محبت اور پسندیدگی کی معطر خوشبو میں لپٹی ہوتی، بینا شاہ سب سے الگ طبیعت کی مالک تھی، انگلش میں ماسٹرز کے پیپرز دے کر آج کل فارغ تھی، چپکے چپکے زوار شاہ کو دیکھنا، سہانے سپنے سجانا، لیکن کبھی زوار شاہ کو مخاطب نہ کر سکی کہ انا کی دیوار حائل ہو جاتی تھی، کیونکہ زوار شاہ نے بھی کبھی اسے مخاطب کرنے کی کوشش نہ کی تھی، اب جبکہ بی جان ان کی شادی کا اعلان کرنے والی تھیں تو زوار شاہ نے نیا شوشہ چھوڑ دیا تھا جس نے پورے شاہ ہاؤس کے در و دیوار کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

☆☆☆

اتوار کے دن وسیع لاؤنج شاہ ہاؤس کے مکینوں سے آباد تھا، بی جان شان سے صوفے پر بیٹھی تھیں، بہوئیں اور بیٹے اردگرد صوفوں پر براجمان مودبانہ بیٹھے تھے، بی جان پوتے پوتیوں کو محبت پاش نظروں سے دیکھ رہی تھیں، کارپٹ پر خوش گپیوں میں مگن پوتے اور کچھ فاصلے پر پوتیاں اپنا الگ گروپ بنائے بیٹھی تھیں، زوار شاہ جانتا تھا آج فیصلے کی گھڑی ہے، بینا شاہ اپنے دل پر پاؤں رکھے بیٹھی تھی کیونکہ اسے آج بی جان کو اپنا فیصلہ سنانا تھا سعدیہ بیگم اور ساجدہ بیگم (بینا کی والدہ) دھیمے لہجے میں سرگوشیاں کر رہی تھیں، جب بی جان کی رعب دار آواز سن کر سیدھی ہو بیٹھیں۔

''آج میں ایک اہم فیصلہ سنانے لگی ہوں، مجھے یقین ہے کسی کو اعتراض نہ ہوگا۔'' اس سے پہلے کہ بی جان اپنا فیصلہ سناتیں، مخروطی انگلیوں کو مضطربانہ چٹخاتی بینا اٹھ کھڑی ہوئی، سب کی تحیر آمیز نگاہیں بینا کی جانب اٹھ گئیں، زوار شاہ نے بھی امید و بیم کی کیفیت میں گھر کر بینا کو دیکھا، بینا خوبصورت، شنگرفی لبوں کو قطار میں لگے ہموار چمکتے موتیوں تلے کچلتی کچھ کہنے کے لئے بے چین تھی، زوار شاہ کا دل دھڑکا۔

''بی جان!'' بینا نے دل پر پاؤں اور مضبوطی سے دھر دیا، بی جان کی نظریں سوال ہو گئیں۔

''مجھے زوار شاہ سے شادی نہیں کرنی، مجھے پلیز مجبور نہ کیجئے گا۔'' بی جان کی نگاہوں میں الجھن تیرنے لگی، انہیں بینا سے دوٹوک انکار کی ہرگز امید نہیں تھی، بینا کی بات سن کر سب کو گویا سانپ سونگھ گیا، سب کو امید تھی بی جان زوار شاہ کو ہرگز من مانی کرنے نہیں دیں گی، لیکن اب بینا کا انکار۔

''وجہ پوچھ سکتی ہوں۔'' بی جان کی بارعب آواز لاؤنج میں گونجی اور بازگشت بن کر بینا کی سماعتوں کو لرزانے لگی۔

''کیا وجہ بتاتی؟'' وہ زوار شاہ سے بے تحاشا محبت کرتی ہے لیکن ان چاہی بیوی بن کر اس پر مسلط نہیں ہو سکتی، اس کی ذات کا غرور جو زوار شاہ قدم قدم پر پامال کرتا، اسے ہرگز گوارا نہ تھا، وہ جانتی تھی بی جان کیا فیصلہ کریں گی، ان سے پہلے اسے اپنا فیصلہ سنانا تھا، جو وہ سنا کر اب سوالات کی زد میں آ چکی تھی۔

''میں نے وجہ پوچھی ہے، بینا شاہ۔'' بی جان نے بینا کی طویل خاموشی پر سرد انداز میں دوبارہ استفسار کیا، زوار شاہ کا چہرہ انوکھی کہانی سنا رہا تھا لیکن اس کی جانب کسی کی توجہ نہ تھی، سب کی توجہ کا مرکز بینا تھی۔

''پلیز بی جان، مجھے اس شادی کے لئے مجبور مت کریں۔'' مضبوط مودب لہجے میں کہتی وہ بنا اجازت لاؤنج سے نکل گئی، جو سراسر بدتمیزی گردانی تھی، بی جان کی پرسوچ نگاہوں نے

مجال نہ ہوگی سرتابی کروں۔'' بینا نے دل پتھر کر لیا۔

''تمہارا رشتہ میں عدنان سے طے کرتی ہوں۔'' عدنان سمیت سب انگشت بدنداں، زوار شاہ کو یوں لگا ریل اس کے وجود کے پرخچے اڑاتے گزر گئی ہو، یہ وہ کیا کر بیٹھا تھا، بینا کے گلے میں آنسوؤں کا گولہ پھنس گیا جو اس نے پیچھے دھکیل کر دل کو پھر کٹھور کر لیا، لیکن نظر نے دشمن جاں کو ضرور دیکھا جو سر نہوڑائے بیٹھا تھا۔

''اگلی اتوار زوار کا مرینہ سے نکاح، اس سے اگلی اتوار تمہارا عدنان سے نکاح ہوگا، آئندہ میں کسی کی زبان سے اپنے فیصلے کے خلاف ایک لفظ نہ سنوں۔'' بی جان نے اپنے لاڈلے پوتا پوتی کے لئے چڑھایا نرمی کا خول اتار کر پھر سخت خول چڑھا لیا، بظاہر چٹان ہی بینا کے اندر ٹوٹ پھوٹ کا عمل تیزی سے شروع ہو گیا۔

☆☆☆

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے جو ہیرا چھوڑ کر کوئلہ پکڑنے کے متمنی ہو۔'' ساجدہ بیگم بینا کے کمرے میں غصے سے کھولتی اِدھر اُدھر چکر کاٹتی بینا پر اپنا غصہ انڈیل رہی تھیں، بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگائے بینا نے خالی نگاہوں سے ماں کو دیکھا، دل میں شدید خواہش جاگی ماں کی گود میں سر رکھ کر سارا درد آنسوؤں کی صورت بہا ڈالے، لیکن وہ کب روئی تھی بھی، عدنان کو اس کا دل کیسے قبول کرے، اس کے دل میں تو زوار شاہ آباد تھا، اس کا دل نوحہ کناں تھا، کس جرم کی پاداش میں زوار شاہ نے اسے ٹھکرایا، صرف اس لئے کہ اس نے کبھی پہل نہ کی تھی، اس کے آگے پیچھے نہ پھری تھی، ان کی ٹیلی فونک گفتگو بھی نہ ہوئی تھی، لیکن وہ محبت کرتی تھی، زوار شاہ اس کی سانسوں میں بستا تھا، لیکن وہ کیوں اپنی عزت

شگفتہ شگفتہ رواں دواں

ابن انشا کے شعری مجموعے

چاند نگر
اس بستی کے اک کوچے میں

اپنے قریبی بک اسٹال یا براہ راست ہم سے طلب فرمائیں

لاہور اکیڈمی

پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون۔ 042-37310797, 042-37321690

لاؤنج کے شیشے سے پار دور تک اس کے لرزتے قدموں کا تعاقب کیا، بی جان کی اجازت کے بغیر کسی کو بولنے کا اذن نہ تھا، بہوئیں اور بیٹے اندر اندر اشتعال چھپائے خود کو پرسکون کر رہے تھے، زوار شاہ اور بینا نے رشتے کو مذاق بنا کر رکھ دیا تھا۔

بی جان نے لاؤنج میں موجود نفوس کے چہروں کے اتار چڑھاؤ کا بغور جائزہ لیا، پھر بولیں تو گویا زوار شاہ پر میزائل داغ دیا۔

''ہم آج ہی مرینہ کے گھر تمہارا رشتہ لے کر جائیں گے، اگلی اتوار تمہارا نکاح مرینہ کے ساتھ ہو جائے گا، مجھے اپنے فیصلوں کی بے قدری گوارا تو نہیں لیکن میں شادی جیسے نازک معاملے میں زبردستی کی قائل اب نہیں رہی ہوں۔'' زوار شاہ کو تو خوش ہونا چاہیے تھا اس کا مقصد پورا ہو گیا، لیکن اس کے چہرے کے تو سارے بلب ہی بجھ گئے تھے، لیکن کسی کو اس کے چہرے یا اس کی کوئی پرواہ نہ تھی۔

''بینا کو بلاؤ۔'' بی جان نے ارمیلہ کو آنکھ سے اٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے حکم صادر کیا، ارمیلہ جھٹ اٹھی اور کچھ ہی دیر بعد بینا کو لان سے برآمد کے بی جان کے سامنے لا بٹھایا۔

''تمہیں کوئی پسند ہے بینا۔'' بی جان کی سرد آواز کوڑا بن کر بینا کی سماعتوں پر برسی۔

''نہیں بی جان۔'' دل کرلایا۔

''محبت اس کے قریب ہی تو بیٹھی تھی مگر واہ ری انا، اگر میں کوئی تمہارے لئے پسند کر دوں تو تمہیں کوئی اعتراض تو نہ ہو گا، یہ نہ ہو کل کو پھر میرے فیصلے کی دھجیاں اڑا دو۔'' بی جان کا لہجہ طنز سے بھرپور تھا، بینا کو ڈھیر ساری شرمندگی نے آ گھیرا۔

''بی جان آپ جو فیصلہ کریں گی، میری نفس روتی اس شخص کے لئے جسے اس کی، اس کے دل کی مطلق پرواہ نہ تھی۔

''اب بت کیوں بن گئی ہو، کیوں بکواس کی بی جان کے سامنے اور والدین سے زیادہ سیانی ہو گئی ہے ماں تو تمہاری دشمن تھی نا جو منہ سے بھاپ بھی نہ نکالی اور کھٹ سے انکار کر دیا۔'' بینا کے پاس بولنے کے لئے لفظ پہلے بھی کم ہوتے تھے، اب تو بالکل کورا کاغذ بن گئی تھی، ساجدہ بیگم بول کر چل چل کر تھک کے بیڈ پر گرسی گئیں، ان کا طیش کسی طور کم نہ ہو رہا تھا۔

☆☆☆

''مرینہ! یہاں تو معاملہ ہی الٹ ہو گیا۔'' زوار شاہ کا لہجہ سلگتا ہوا تھا۔

''ابھی عشق کے امتحان اور بھی ہیں۔'' مرینہ کھلکھلا کر گنگنائی۔

''میری جان پر بنی ہے اور تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے۔'' وہ اچھا خاصا برا مان گیا۔

''ارے میں کیوں مذاق کرنے لگی، الٹا تمہاری مدد کی، اب تم ناراض ہونے لگے، کیا ضرورت تھی ڈرامہ کرنے کی، سیدھی طرح بینا کو کہہ دیتے، بینا میں تم سے عشق کرتا ہوں لیکن تمہارا خاموش انداز مجھے وہموں میں مبتلا کرتا ہے کہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں، تم بھی تو انا کے مارے تھے، خود کچھ منہ سے پھوٹے نہیں، تمہاری دوستی کی خاطر تمہارے گھر والوں کے رویے سہے ہیں میں نے، کہ تمہارا کام بن جائے۔'' مرینہ نے زوار شاہ کو آئینہ دکھایا، زوار شاہ اس وقت اپنے آفس میں ریوالونگ چیئر پر تپے تپے تاثرات چہرے پر سجائے بیٹھا تھا۔

''میرا خیال تھا مجھے تمہارے ساتھ دیکھ کر جیلسی ہو گی تو چہرہ ہی ظاہر کر دے گا، کچھ تو ظاہر کرے گی، لیکن وہ تو جیسے منتظر تھی، کچھ ایسا ہوا اور

رشتہ ٹوٹے۔'' زوار شاہ بدگمانی کی انتہاؤں پر تھا۔

''خیر مجھے تو ایسا نہیں لگا، بینا مجھے یقین ہے تم سے محبت کرتی ہے۔'' مرینہ کو یہی لگا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں ہے، اب تو مجھے بھی یقین آ گیا ہے، اپنے ممی ڈیڈی سے کہہ دینا، سختی سے انکار کر دیں بی جان کو، اب مجھے نہیں پتہ کیا ہو گا۔'' زوار شاہ پژمردگی سے بولا، بے بسی کے احساس تلے اس نے اپنی مٹھیاں اس شدت سے بھینچیں کہ اس کے ہاتھوں کی رگیں نمایاں ہو گئیں، اس کا پلان بینا شاہ نے اسی پر الٹ دیا تھا، مرینہ کو زوار شاہ کی حالت دیکھ کر پہلی بار تشویش ہوئی، وہ اس کا دوست تھا، وہ اسے پریشان نہیں دیکھ سکتی تھی، اسے کچھ کرنا تھا، زوار شاہ کے علم میں لائے بغیر، کیونکہ زوار شاہ کی انا جھکنا گوارا نہیں کرتی تھی، یہ وہ اچھی طرح جانتی تھی۔

☆☆☆

مرینہ بی جان کے کمرے میں صوفے پر بیٹھی، دھیرے دھیرے حقائق پر سے پردہ اٹھا رہی تھی، مرینہ نے جیسے بات ختم کی، بی جان کا چہرہ خوشی سے گلنار ہو گیا، دوانا کے مارے اپنی انا کے ہاتھوں اپنا دل اجاڑ دے تھے، بی جان کے دونوں لاڈلے تھے، وہ ایسا کیسے ہوتے دیتیں اسی وقت ماسوائے بینا کے سب کو بی جان نے کمرے میں طلب کر لیا، سب کو حقیقت سے آگاہ کیا گیا تو سب کے چہروں کی رونق لوٹ آئی۔

''شکر ہے میں قربانی کا بکرا بننے سے بچ گیا۔'' عدنان نے شکر کا کلمہ پڑھا، اب ان دونوں سڑیل مزاج بندوں کو ٹھیک کرنا تھا۔

''کیسے؟'' پلان بی جان کے ذہن میں تشکیل پا چکا تھا، وہ دھیرے دھیرے سب کو کچھ سمجھا رہی تھیں، بینا شاہ اور زوار شاہ بی جان کے کمرے میں پکنے والے کھچڑی سے یکسر لاعلم تھے، انہیں لاعلم ہی رکھنا تھا، مرینہ کے سر سے جیسے کوئی بوجھ اتر چکا تھا، چہرے پر مسکراہٹ سجائے وہ بھی سب کے ساتھ پلان کے متعلق مشورے دینے لگی۔

☆☆☆

پورا شاہ ہاؤس بقعہ نور بنا ہوا تھا، بی جان کے چہرے سے روشنیاں پھوٹ رہی تھیں، سعدیہ بیگم بار بار بینا کی بلائیں لیتی تھیں، سرخ کامدار لہنگے میں بینا شاہ کی دمکتی رنگت میں عجب سا حزن چھایا تھا، سب کے لبوں پر دبی دبی مسکراہٹ رقصاں تھی، زوار شاہ کا دل چاہا پھولوں سے سجے سٹیج کو آگ لگا دے، بڑی ہوئی شیو، ملگجا حلیہ، وہ مجنوں کا جانشین لگ رہا تھا، عدنان بھی بینا کے قریب جھولے پر بیٹھا خوب چہک رہا تھا اور زوار شاہ کا دل ہر بار شدت سے اس کا سر توڑنے کو چاہا، وہ اپنے ہی دام میں پھنسا تھا اس لئے چپ کر بکل اوڑھے معجزے کا منتظر تھا۔

''زوار شاہ بازار سے مسہری سجانے کے لئے گلاب کے پھول تو لا دو، میں چاہتی ہوں رخصتی بھی ابھی ہو جائے، گھر کی تو بات ہے۔''

زوار شاہ کا وجود زلزلے کی زد میں آ گیا لیکن بی جان کی حکم عدولی کیسے کرتا، اس کے جانے کے بعد بی جان نے لڑکوں کو کمرہ سجانے بھیج دیا، بینا شاہ ضبط کی طنابیں تھامے نڈھال ہونے لگی، بی جان عدنان کے ساتھ بیٹھی تھیں، جب بہزاد نے انہیں اشارہ کیا، بی جان کی چاروں طرف گھومتی نگاہوں کا مفہوم سمجھ کر سب الرٹ ہو گئے، بینا نگاہ جھکائے بیٹھی تھی، بی جان نے عدنان کو انگوٹھی پکڑائی اور مولوی صاحب سے نکاح پڑھنے کی استدعا کی، بینا کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا، ہر مرحلہ اس کی جان نکال رہا تھا، اس کے لبوں سے

بے ساختہ دعا نکلی۔

''یا اللہ یہ شادی نہ ہو۔'' ابھی دعا زیر لب جاری تھی، جب بہزاد کی گھبرائی ہوئی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''بی جان زوار شاہ کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے، لوگ اس کو زخمی حالت میں گھر لائے ہیں۔'' بی جان کے دل پر ہاتھ پڑا، سب کانپتے دلوں سے گیٹ کی جانب دوڑے، لیکن ایک حیرت انگیز منظر نے ان کے قدم جکڑ لیے، بینا شاہ کی رنگت اڑ چکی تھی، وہ دیوانہ وار اردگرد سے بے نیاز دوڑ رہی تھی، وہ زوار شاہ سے کتنی محبت کرتی ہے، وہ جانتی تھی، وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتی، اس نے اب جانا تھا، ان کی بلند فصلیں ڈھے گئی تھیں، یاد رہا تھا تو فقط محبت کا حصار جو اس کے گرد کھنچا ہوا تھا، گاڑی سے باہر نکلتے زوار نے حیرت آمیز پریشانی سے بینا کو اپنی طرف بھاگ کر آتے دیکھا تو وہیں جم گیا، بینا جو زوار شاہ کے زخمی ہونے کا سن کر حواسوں میں نہ رہی تھی، سب کچھ بھلا کر دوڑ پڑی تھی، پھولے سانسوں سے اب زوار شاہ کے عین سامنے کھڑی تھی، نگاہوں میں آنسوؤں کا سیلاب تھا۔

اچھی کتابیں پڑھنے کی عادت ڈالیے

ابن انشاء

اردو کی آخری کتاب .... ☆
خمار گندم .... ☆
دنیا گول ہے .... ☆
آوارہ گرد کی ڈائری.......... ☆
ابن بطوطہ کے تعاقب میں.......... ☆
چلتے ہو تو چین کو چلیے .... ☆
نگری نگری پھرا مسافر.......... ☆
لاہور اکیڈمی، چوک اردو بازار، لاہور
فون نمبرز 7321690-7310797

زوار شاہ کو صحیح سلامت سامنے دیکھ کر خوشی کے بے پایاں احساس تلے وہ خود پر قابو نہ رکھ سکی اور زوار شاہ کے کندھے پر سر رکھ کر رو پڑی، بینا شاہ کے رونے سے زوار شاہ نے بھی اپنی انا کو دور پھینکا اور مدھر سرگوشی بینا شاہ کی سماعتوں میں انڈیلی۔

''تمہارا رونا مجھے تکلیف دے رہا ہے، مجھے معاف کر دو، میں نے تمہارا دل دکھایا تھا۔'' بینا شاہ کے دل پر پھوار بن کر زوار شاہ کی سرگوشی برسی اور اس کو پرسکون کر گئی، سر اٹھا کر زوار شاہ کے خوبصورت چہرے کو دیکھا اور روتے روتے ہنس دی، بی جان اور باقی سب نے بھی سکون کا سانس لیا، دونوں سدھر چکے تھے، ان کا پلان سو فیصد کامیاب رہا تھا۔

لان میں لگے نفیس شامیانے کے اندر زوار شاہ اور بینا شاہ کے نکاح کی تقریب اب اختتام کے قریب تھی، خوبصورت شہزادہ بنا زوار شاہ نکاح کے بعد خوب چہک رہا تھا، بینا شاہ کے چہرے پر شرمگیں مسکراہٹ سجی تھی، ابھی کچھ ہی لمحوں بعد وہ زوار شاہ کے سنگ رخصت ہو جائے گی، اتنی تکلیف سہنے کے بعد بالآخر دونوں نے جان لیا تھا، محبت میں کھٹا میٹھا اظہار بہت ضروری ہے۔

''میں ہر روز تمہارے گرد اپنی محبت کا حصار کھینچا کروں گا۔'' زوار شاہ کی مدھم سرگوشی بینا کے دل میں پھول کلیاں سب ایک ساتھ کھلا کھلا گئی۔

☆☆☆

وہ لمحہ جاوراں

سندس جبیں

''آپ کو پتہ ہے میں نے اسے پہلی بار کہاں دیکھا؟ شاہین آباد پارک میں، جسے عرف عام ''چھینا باد پارک'' کہا جاتا ہے، میں اسے دیکھ کر بے حد حیران ہوا، اپنی پمپی (فلیٹ شوز) گھاس پر اتارے دونوں ٹانگیں بنچ پر رکھے وہ ہل ہل کر کوئی سبق یاد کر رہی تھی، اس حرکت کے ساتھ ساتھ اس کی پونی بھی حرکت کر رہی تھی، اونچی سی پونی میں جکڑے نیم گھنگھریالے بال جو ہر حرکت کے بعد آگے آتے پھر پیچھے پھر آگے، سفید براق یونیفارم پر سیاہ چادر لپیٹے جو کہ اس کے سر سے اتری ہوئی تھی، میں اس کا چہرہ کسی بھی قسم کی آرائش سے یکسر عاری تھا، آپ کو پتہ ہے میں اسے دیکھ کر حیران کیوں ہوا تھا، چلیں میں آپ کو بتاتا ہوں، صبح کے چھ بجے اگر آپ کسی پارک میں واک یا جاگنگ کے لئے جاتے ہو تو آپ کو وہاں تین قسم کے لوگ نظر آتے ہیں (۱) اپنی فٹنس کی کیئر کرنے والے، جو کہ خالصتاً صبح کی سیر کے ساتھ واک کا مزہ لینے کے لئے آتے ہیں، (۲) بوڑھے، مریض قسم کے لوگ، جو مجبوراً ڈاکٹر کی ہدایت پر آتے ہیں، (۳) نشئی، عادی شرابی لوگ، جن کی پناہ گاہ اس قسم کے پارک ہی ہوتے ہیں، ان تین اقسام کو دیکھتے دیکھتے اگر آپ کو کسی دن سترہ اٹھارہ سال کی کوئی لڑکی درختوں کے جھنڈ تلے رکھے بنچ پر بیٹھی نظر آئے، وہ بھی صبح ساڑھے چھ بجے تو آپ کا کیا حال ہو گا؟ ظاہر ہے سب سے پہلے آپ حیران ہوں گے جیسا کہ میں ہو گیا تھا۔''

''میں نہیں جانتا وہ سکول گرل تھی یا کالج گرل، اس کا بیگ سائیڈ پر پڑا ہوا تھا اس کے ساتھ ہی یونیفارم کا دوپٹہ بھی موجود تھا، سبز رنگ یا مونگیا رنگ کا یا شائد کاہی سبز رنگ کا، اصل میں، میں کلر بلائنڈ ہوں، مجھے کلرز کی شیڈز میں فرق کرنا نہیں آتا، خیر میں دوپٹے کی بات کر رہا تھا تو یہ ساری تیاری بتاتی تھی کہ وہ سکول (میں اسے سکول گرل ہی کہوں گا) جانے کے لئے پوری طرح تیار تھی، لیکن ساڑھے چھ بجے تو کوئی سکول نہیں لگتا اور جتنی فرصت سے وہ براجمان تھی اس کا انداز دیکھتے ہوئے لگتا تھا وہ گھنٹہ بھر سے پہلے اٹھے گی نہیں، تقریباً سبھی سکول آٹھ بجے سٹارٹ ہوتے ہیں تو پھر اتنی جلدی تیاری کا مقصد؟ بھئی آرام سے گھر بیٹھ کر سبق یاد کرے اور پورے ٹائم پر تیار ہو کر سکول جائے اور پھر پارک میں بیٹھنے اور وہ بھی فرصت میں بیٹھ کر ''پڑھنے'' کا آخر کیا مقصد ہو سکتا ہے؟ میں اس معمے کو حل کرنا چاہتا تھا بلکہ شائد کرتا بھی اگر میرے کالج کا ٹائم نہ ہو جاتا، اس لئے میں اس ٹاسک کو ''پھر کبھی سہی'' پر ڈال کر تیز تیز دوڑتا پارک سے نکل آیا۔''

''چلیں اب میں آپ کو اپنے بارے میں بتاتا ہوں، تب تک میرا گھر بھی آ جائے گا، میں سلمان احمد ہوں، بی کام پارٹ ون کا سٹوڈنٹ، میری ماں کہتی ہیں میں بہت مختلف ہوں اور میں کہتا ہوں میں مختلف نہیں بلکہ مشکل پسند ہوں، وہ کہتی ہیں میں ''آج کل'' کے لڑکوں جیسا نہیں، میں کہتا ہوں ''آج کا'' لڑکا تو ہوں، ہاں چند باتیں ایسی ہیں میری ذات میں جو سب کو چونکاتی ہیں، ان ''سب'' سے میری مراد پوری دنیا نہیں بلکہ میرے گھر کے افراد اور دوست احباب ہیں، میں سرد مزاج ہوں، غصہ نہیں کرتا، لڑکیوں میں دلچسپی نہیں لیتا، بلکہ اس معاملے میں اسی سالہ زاہد خشک سے بھی زیادہ خشک ہوں اور یہ بات سب سے زیادہ میرے دوستوں کے لئے تشویش ناک ہے، جب وہ سب اپنی فی میل فرینڈز یا کزنز کے تذکرے کرتے ہیں (مجھے لڑکیوں کو گرل فرینڈ پکارنا سخت برا لگتا ہے) تو مجھے سمجھ نہیں آتی وہ اتنے غور سے یا اتنی گہرائی میں جا کر لڑکیوں کو واچ کرتے کیسے ہیں؟ کوئی نیلی پیلی کالی آنکھوں

کا دیوانہ ہے تو کوئی سنہرے بالوں کا، کسی کو اپنی فرینڈ کی بلو آئی شیڈز پسند ہیں تو کسی کو وہ پنک لپ اسٹک میں قیامت لگتی ہے، میں حیران ہوتا ہوں کہ وہ لڑکیوں میں اتنی ''خوبصورتی'' کیسے ڈھونڈتے ہیں؟ میں نہیں کر سکتا، جیسے میں نے آپ کو اس پارک والی لڑکی کی ساری تفصیل بتائی ہے مگر یہ نہیں بتایا کہ وہ کتنی خوبصورت تھی کیونکہ مجھ میں خوبصورتی محسوس کرنے کی حس ہے ہی ہیں یہ لڑکیوں کا موضوع تو لمبا ہی چل نکلا ہے اور ماں کہتی ہیں اچھے بچے غلط باتیں نہیں کرتے اور پرسنلی میں خواتین کا بے حد احترام بھی کرتا ہوں سو کلوز دس ٹاپک، اب میرے کالج کا وقت ہو رہا ہے اور یہ میں گھر کے دروازے پر پہنچ چکا ہوں اس لئے جائے۔''

ہم پانچوں دوست اس وقت کیفے ٹیریا میں جمع تھے، ہم یعنی ابرار، آصف، ذیشان، ذوالقرنین اور میں سلمان اور ہر کوئی کچھ نہ کچھ کھا رہا تھا سوائے آصف کے، وہ ہم سب سے زیادہ پڑھاکو ہے، محنت تو بہت کرتا ہے مگر پتہ نہیں کیوں مارکس کے معاملے میں مار کھا جاتا ہے۔

''آصف! خدا کے لئے بس کر دے، یہ اکاؤنٹنگ تیرے پلے نہیں پڑ سکتی، لے یہ کھا۔'' یہ ذوالقرنین تھا، اصولی طور پر اس کا نک نیم ذوقی یا نین وغیرہ ہونا چاہیے مگر اس کا نک نیم نیناں ہے، ہے نا حیرت انگیز اور مزے کی بات، ہم سب اس کے لڑکیوں والے نام کا مزاق اڑاتے ہیں۔

نیناں نے برگر آصف کے ہاتھ میں دیا اور اس کے کتاب چھین کر ٹیبل کے نیچے رکھ دی، آصف بلبلا اٹھا۔

''کمینو! پچھلا ٹیسٹ بھی میں تم لوگوں کی وجہ سے مس کر چکا ہوں اور تم سب جانتے ہو کہ وہ سر قریشی میرا کتنا بڑا دشمن ہے، اس نے مجھے وارننگ دی ہے کہ اگر میں نے یہ ٹیسٹ اچھا نہ دیا تو وہ میری کمپلین کر دے گا۔'' آصف سارے ادب آداب بھلائے طیش سے کہہ رہا تھا۔

''تم میرے ساتھ بیٹھ جانا۔'' میں نے اسے تسلی دی، اس کا چہرہ چمک اٹھا۔

''سچ، تم کتنے اچھے ہو سلمان۔'' اس نے مجھ سے لپٹنے کی کوشش کی، میں نے اسے پیچھے دھکیل دیا۔

''تمیز سے بیٹھو۔'' سب کا قہقہہ گونج اٹھا۔

''تم کتنے Shy (شرمیلا) ہو سلمان۔'' ابرار مسکراہٹ روکتا ہوا بولا۔

''مجھے لگتا ہے ہم یہ حسرت لئے ہی اس دنیا میں سے گزر جائیں گے کہ سلمان احمد بھی کسی لڑکی کا ذکر اپنے دہن مبارک سے کریں۔'' یہ ذیشان عرف زی تھا۔

میں اثر لئے بغیر Lays کھانے میں مشغول رہا، مجھے پتہ تھا اب وہ سب مل کر میرے پیچھے پڑ جائیں گے، اس وقت انہیں ویسے بھی سورس آف انجوائے منٹ چاہیے تھا جو کہ میری صورت مل گیا تھا۔

جاگنگ کرنے کی عادت مجھے عفان بھائی نے ڈالی تھی، اپنے ساتھ وہ مجھے بھی گھسیٹ لیا کرتے تھے اس لئے آہستہ آہستہ یہ عادت پختہ ہوتی گئی اور اب تو اتنی پختہ ہو چکی تھی کہ میں صبح کا ناشتہ تو چھوڑ سکتا تھا جاگنگ نہیں، اس دن تو میں نے آپ کو صرف اپنے بارے میں بتایا تھا، آج آپ کو اپنی فیملی سے ملواتا ہوں، ہمارے گھر میں سب سے پہلے میرے بابا ہیں کاغذوں میں گھرے بے انتہا مصروف اور کم گو، ان کی آواز صرف اسی وقت سننے کو ملتی ہے جب انہیں چائے کی طلب ہو۔

اس کے بعد میری ماں ہیں، سب کی پسند کے کھانے بناتی، کپڑوں اور جوتوں کی فکر کرتیں انت گنت فکروں میں گھری، اس کے بعد میری بے حد پیاری اور اچھی بہنیں، عائشہ آپی اور فائزہ آپی دونوں شادی شدہ ہیں، اس کے بعد عفان بھائی اور پھر میں یعنی سلمان احمد۔

آج کل گھر میں عفان بھائی کی شادی کا موضوع چھڑا ہوا تھا نہایت اہتمام اور زور و شور سے لڑکی ڈھونڈی جا رہی تھی، عفان بھائی آتے جاتے امی جان کو چھیڑتے۔

''امی! سلمان کی بھی میرے ساتھ ہی کر دیں، خرچہ بچے گا۔''

''ہاں تیرے ساتھ کر دوں، ٹائی باندھنا آتی نہیں صاحب زادے کو بیوی خاک سنبھالے گا۔'' امی جل کر کہتیں۔

''بیوی کو ٹائی کون باندھتا ہے؟'' عفان بھائی بے اختیار ہنس دیئے۔

''اے ہاں۔'' وہ اپنے قہقہے پر قابو نہ پا سکیں، مجھے اس موضوع میں کوئی دلچسپی نہ تھی اس لئے میں خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

اگلے دن پارک میں، میں نے اسے پھر اسی بنچ پر سابقہ پوزیشن میں دیکھا اور پھر یہ معمول بنتا چلا گیا، جس روٹ پر میں جاگنگ کیا کرتا تھا وہ پارک کا سب سے طویل اور کم استعمال ہونے والا روٹ تھا، اس لئے میں نے کبھی اس کے اردگرد کسی کو نہیں دیکھا، لیکن چھ دن بعد میرا ضبط جواب دے گیا حالانکہ مجھے اپنے بارے میں لگتا تھا کہ میں بالکل بھی متجسس نہیں ہوں لیکن میرا خیال غلط تھا، چھٹے دن میں اس کے پاس چلا گیا۔

''السلام وعلیکم!'' اتنی خوش اخلاقی سے میں شائد ہی کسی سے مخاطب ہوا ہوں گا، اس نے بے حد حیرانی سے پلکیں اٹھا کر مجھے دیکھا۔

''میں سلمان ہوں یہاں جاگنگ کرنے کے لئے آتا ہوں، آپ کا نام جان سکتا ہوں؟'' میں نے بڑی شائستگی سے پوچھا، اس کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی۔

''دیکھیں مجھے غلط مت سمجھیں، میں روز آپ کو پڑھتے ہوئے دیکھتا ہوں، سوچا آج نام پوچھ لوں۔'' میں نے اس کے بدلتے تاثرات دیکھ کر جلدی سے وضاحت کی۔

''سارہ بلال۔'' اس نے کہہ کر سر واپس کتاب پر جھکا دیا۔

''شکریہ۔'' میں کہتے ہوئے واپس مڑا اور اپنے ٹریک پر آ گیا۔

اس دن کے بعد میں اس کے پاس سے گزرتے ہوئے اس سے سلام کر لیا کرتا جس کا وہ جواب بھی دے دیتی مگر اس سے زیادہ بات ہمارے درمیان کبھی نہ ہو سکی، مجھے لگتا تھا یہ شناسائی صرف سلام دعا تک ہی محدود رہے گی، مگر میرا یہ خیال بھی غلط نکلا، ایک صبح میں نے اسے بے حد پریشان اور مضطرب دیکھا، خلاف معمول اس کے ہاتھ میں کتاب بھی نہیں تھی، اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے لگتا تھا وہ ابھی رو پڑے گی، میں خود کو روک نہیں سکا۔

''السلام وعلیکم سارہ! کیا بات ہے آپ کچھ پریشان ہیں؟''

''وعلیکم السلام!'' وہ سر جھکا کر ہونٹ کاٹنے لگی۔

''آپ مجھے اپنی پریشانی بتا سکتی ہیں۔'' میرے ہمدردانہ انداز پر اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے، انسانیت کے ناطے میرے دل کو کچھ ہوا۔

''دیکھیں پلیز روئیں مت، مجھے بتائیں تو سہی بات کیا ہے؟'' میں نے اصرار سے استفسار کیا۔

''میں ایڈمیشن فیس لائی تھی، وہ گم ہو گئی ہے۔'' وہ بمشکل اپنے آنسو پر قابو پا کر بولی۔

''گم ہو گئی؟ کہاں؟ اور یہ کس چیز کا ایڈمیشن ہے؟'' میرے لہجے میں حیرت تھی۔

''ایگزمز کی ایڈمیشن فیس تھی، آج تو لاسٹ ڈیٹ ہے۔'' وہ کہتے ہوئے پھر سسک اٹھی۔

''لیکن گم کیسے ہو گئی؟'' میں جھلا گیا۔

''آج میری امی نے مجھ رکشے کا کرایہ اور فیس دی تھی، رکشے سے اترتے ہوئے میں نے انکل کو کرایہ دیا تھا اس کے بعد یہاں آکر دیکھا تو بیگ میں صرف دس کے دو نوٹ تھے، شاید وہ اسی وقت کہیں گر گئی تھی۔''

''کس کلاس کا ایڈمیشن ہے آپ کا؟'' میں نے تجسس سے پوچھا۔

''سیکنڈ ائیر کا۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی، مجھے جھٹکا لگا، حسب معمول میرا خیال غلط تھا کہ وہ سکول گرل ہو گی۔

''کتنے پیسے تھے؟''

''پانچ سو پچاس روپے۔''

''میں ٹریک سوٹ میں والٹ نہیں رکھتا، تم صرف پانچ منٹ رکو میں ابھی آیا۔'' میں کہہ کر تیز قدموں سے پارک سے نکلتا گیا، گھر میں داخل ہو کر میں نے بلند آواز میں سلام کی۔

''السلام وعلیکم امی!'' مجھے پتہ تھا وہ کچن میں ناشتہ بنا رہی ہوں گی، کمرے میں آکر میں نے والٹ اٹھایا، چیک کیا اور جیب میں ڈال کر پلٹ کر واپس آ گیا، وہ وہیں موجود تھی اور شدید پریشانی اس کے چہرے سے مترشح تھی، میں نے نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھائے۔

''یہ لو۔'' وہ شدید تذبذب کی کیفیت میں نظر آئی۔

''دیکھو تم مجھ سے چھوٹی ہو اس لئے میں تمہیں ''تم'' ہی کہوں گا، برا مت ماننا اور اگر تم نے یہ پیسے نہیں لئے تو فیس کہاں سے پے کرو گی؟ آج تو لاسٹ ڈیٹ ہے نا اور اس کے بعد تمہیں ڈبل فیس پے کرنی پڑے گی، اس لئے تم یہ رکھ لو۔'' میں نے اس تفصیل سے سمجھایا۔

''میں آپ کو واپس کر دوں گی۔'' یقین دہانی کراتا انداز مجھے ہنسی آ گئی۔

''بالکل اگر تم نے مجھے واپس نہ کئے تو میں تو کنگال ہو جاؤں گا ناں، پاگل لڑکی! پہلے فیس تو دے لو، واپسی بھی ہوتی رہے گی۔'' میں نے خوشگوار لہجے میں کہا، اس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آ گئی۔

''بنڈل آف تھینکس۔''

''اٹس او کے سارہ۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

''اب میں چلتا ہوں میرے کالج کا ٹائم ہو رہا ہے۔''

''اللہ حافظ۔'' میں کہتے ہوئے واپس پلٹ آیا۔

کالج میں سارا وقت میرا دل چاہتا رہا کہ اپنے دوستوں کو صبح کا واقعہ بتاؤں مگر میں جانتا تھا کہ وہ میرا اس طرح پیچھا لیں گے کہ میرے پاس پچھتانے کے سوا کوئی چارہ نہ رہے گا اور اس طرح میرا ناک میں دم کریں گے کہ اپنے پیروں پر خود کلہاڑی مارنے والی بات ہو گی۔

کالج واپسی پر لنچ کے دوران امی نے خوشخبری سنائی کہ بلاآخر انہیں عفان بھائی کے لئے نزا نام کی لڑکی پسند آ ہی گئی، ان کا ارادہ جلد شادی کرنے کا تھا، اگلے دن میں نے پھر اسے مقررہ جگہ پر دیکھا، میں نے دھیمے سے سلام کیا ارادہ آگے بڑھ جانے کا تھا مگر اس کی پکار پر رکنا پڑا۔

میں کچھ حیرت سے پلٹا، اس کے ہاتھ میں موجود ایک عدد کارڈ میری حیرت میں اضافے کا

نے بھی کمپیوٹر آف کیا اور گھر سے نکل پڑا لاؤنج سے آوازیں اٹھ رہی تھیں اور خوب ہنگامہ ہو رہا تھا چونکہ آج سنڈے تھا اور یہ ہنگامہ ہمیشہ سنڈے کو ہی برپا ہوتا تھا کیونکہ اس دن دونوں آپی صاحبان اپنے بال بچوں سمیت وارد ہوئی تھیں جس کی وجہ سے ہمارے گھر کی تنہائی میں نقب لگ جاتی، ورنہ باقی سارا ہفتہ وہی خاموشی، تنہائی اور سناٹا کہ گھر تو مکینوں سے آباد ہوتے ہیں، چار سال پہلے بابا جان کی ڈیتھ نے امی کو توڑ کر رکھ دیا تھا وہ بے حد معمولی باتوں سے رونے لگ جاتیں اور پھر انہیں چپ کرانا مشکل ہو جاتا، مستزاد تین سال پہلے عفان بھائی فزا بھابھی اور چاروں بچوں سمیت دوبئی سیٹ ہو چکے تھے، اب گھر میں صرف میں اور امی ہوتے تھے، ان گزشتہ سالوں میں امی نے بارہا مجھے شادی کے لئے منانے کی کوشش کی اگرچہ مجھے لڑکیوں میں دلچسپی نہیں تھی، مگر یہ بات اتنا خطرناک رخ اختیار کرے گی، میں نے یہ بھی نہ سوچا تھا، امی نے اور عائشہ آپی نے مجھے ڈھیروں لڑکیوں کی تصویریں دکھائیں مگر میری ناں ''ہاں'' میں نہ بدلی، میرا ایک ہی جواب۔

''میں شادی کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔''

میں شائد واقعی بہت روکھا اور سرد مزاج تھا، ان سالوں میں، میں نے ایم کام کے بعد ایم بی اے کیا اور پھر بینک کی زبردست جاب زندگی ہر طرح سے مکمل اور پرسکون تھی اگر جو یہ شادی کا ننانہ بجایا جائے۔

او ہو چلتے چلتے میں ایک بار پھر ''شاہین آباد پارک'' پہنچ گیا، سست قدموں سے واک کرتے ہوئے میری نظر اس ویران گوشے پر پڑی جس پر میں نے برسوں پہلے ''اس'' کو دیکھا تھا، اسے یعنی ''سارہ بلال'' کو۔

سارا بلال
خواب شد
گم شد

ایسا نہیں تھا کہ میں پھر اس روٹ پر نہ گیا، دس سال پہلے جب مجھے لگا کہ وہ مجھے ہرا دے گی میں اس سے بھاگ گیا، عجیب بے وقوفانہ سوچ تھی میری مگر صرف دو ماہ بعد ہی میں نے اسے ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی مگر افسوس وہ مجھے اس کے بعد کبھی نظر نہ آئی اور وہ مخصوص گوشہ یعنی درختوں کے جھنڈ میں پڑا وہ سفید بنچ ہمیشہ ویران ہی رہا۔

آج صبح امی جان کی طبیعت ناساز تھی اس لئے واپسی پر میں ان کے لئے دوائیں لیتا گیا، مجھے پتہ تھا وہ خود سے کبھی دوا نہ لیں گی، جیسے ہی میں نے بائیک روکی اور بیل دی مجھے احساس ہوا کہ گھر کے اندر غیر معمولی سی خاموشی تھی ورنہ عموماً امی اس وقت کھانا پکانے میں مصروف ہوتیں کچن سے مصالحے کی خوشبو اٹھ رہی ہوتی یا پھر پریشر کی سیٹی کی آواز پھیلی ہوتی مگر آج یہ دونوں نشانیاں ندارد، میں کچھ حیران پریشان سا اندر آیا اور پھر میری نظر کچن کے دروازے کے پاس گری ہوئی اپنی ماں پر پڑی اور میری جان جیسے نکل گئی۔

میں بے ساختہ ان کی طرف لپکا، وہ بے ہوش تھیں، اپنے بازوؤں میں ان کے ناتواں وجود کو بھرتے سے میرے اندر لعنت ملامت کے طوفان اٹھ رہے تھے، کچھ دیر بعد ہمارا فیملی ڈاکٹر جس کا گھر نزدیک ہی تھا وہ انہیں آ کر چیک کر گیا اور دوائیاں وغیرہ لکھنے کے ساتھ ہدایت نامہ بھی جاری کر دیا۔

''سلمان! یہ سب تنہائی، پریشانی اور ٹینشن کا نتیجہ ہے، ان کا خیال رکھو اور انہیں تنہا مت چھوڑو ورنہ مسئلہ سیریس بھی ہو سکتا ہے۔'' میں سر ہلا کر انہیں دروازے تک چھوڑ کر واپس آیا تو امی

ہوش میں آ چکی تھیں، انہوں نے خالی خالی نظروں سے میری سمت دیکھا، میرے اندر کرنٹ سا دوڑ گیا میں بے ساختہ ان سے لپٹ گیا۔

"امی جان! میری پیاری امی!" میں نے ان کے سر اور پیشانی کے بے شمار بوسے لے ڈالے۔

کتنے بے شمار خدشے، وہم اور خوف میرے اندر جمع تھے۔

"میں شادی کے لئے تیار ہوں، آپ کو جو لڑکی بھی پسند ہے، میں تیار ہوں۔" میں نے نم آنکھوں سے مسکرا کر انہیں دیکھا، ان کے چہرے پر بے یقینی اور حیرت درج تھی، مگر بابا جان کو کھونے کے بعد مجھ میں اتنا حوصلہ نہ تھا کہ اپنی جان سے عزیز ماں کو کوئی تکلیف دوں اگرچہ نادانستگی میں اب تک میں یہی کرتا رہا تھا، مگر اب نہیں۔

اگلی صبح بہت خنک اور سہانی تھی یہ وسط اکتوبر کے دن تھے، رات کو موسم سرد ہوتا جبکہ دن کو گرم، میں حسب معمول پارک میں اپنے مخصوص روٹ پر تھا اور اس مخصوص "گوشے" سے گزرتے ہوئے مجھے بری طرح بریک لگے، مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا، وہ میرے سامنے تھی، ہاں وہ وہاں تھی، اپنے مخصوص انداز میں دونوں پیر بنچ پر رکھے وہ وہاں تھی۔

سارہ بلال
دریافت شد

میں بے تابی سے اس کی طرف لپکا، مجھے دیکھ کر اس کے چہرے پر حیرت جم گئی۔

"سارہ! کیسی ہو؟ کہاں تھیں اتنا عرصہ؟" میں نے سوالات کی بوچھاڑ کر دی، وہ یک ٹک مجھے دیکھتی رہی پھر اس نے مسکرانے کی کوشش کی مگر وہ ناکام ہو گئی۔

"سارہ! تم ٹھیک ہو ناں۔" میں ٹھٹکا۔

"ہوں۔" مدھم سی ہوں کے بعد اس نے اپنا سر اپنے گھٹنوں پر رکھ لیا، میں حیرت زدہ رہ گیا، پھر کچھ فاصلہ رکھ کر اس کے ساتھ بنچ پر بیٹھ گیا۔

"سارہ! تم مجھے اپنی پریشانی بتا سکتی ہو۔" میرے لہجے میں برسوں بعد وہی اپنائیت جاگی تھی۔

وہ اسی طرح گھٹنوں پر سر دھرے مجھے دیکھتی رہی، یہاں تک کہ اس کی آنکھوں میں نمی چمک اٹھی۔

"دس سال پہلے جس سارہ بلال سے آپ ملے تھے وہ نوعمر تو تھی مگر ذمہ داریوں کا ایک کوہ گراں اس کے ناتواں کندھوں پر تھا اور آج جو سارہ بلال آپ کے سامنے ہے وہ ان ذمہ داریوں اور مشکلات کو بخوبی نمٹا چکی ہے، اس لئے آج میں کسی پریشانی میں مبتلا نہیں۔" وہ آنکھیں موندے جیسے کسی خواب کے زیر اثر بول رہی تھی، میں پھر دنگ رہ گیا۔

"کون سی ذمہ داریاں؟" میں نے پوچھا۔

"مجھ سے چھوٹے دو بھائیوں اور ایک بہن کی ذمہ داری، آج ایک بھائی کویت میں ہے دوسرا آرمی میں، بہن شادی کے بعد اپنے گھر کی ہوئی، میں اور میری امی جان اکیلی ہوتی ہیں۔"

"تم نے شادی نہیں کی؟" میں نے بے قراری سے پوچھا۔

"میں ایک پرائیویٹ کالج میں انگلش کی لیکچرار ہوں، لوگ آتے ہیں پسند بھی کر جاتے ہیں مگر انہیں شادی "سارہ بلال" سے نہیں کرنی بلکہ اس لیکچرار سے کرنی ہے جس کی تنخواہ پندرہ بیس ہزار ہے جس میں ان کے بے روزگار بیٹے

عیش کر سکیں۔'' اس کا لہجہ ہنوز پرسکون تھا، مجھے جھٹکے پہ جھٹکا لگ رہا تھا۔

''تم آج یہاں اتنے عرصے بعد کیسے؟''

''ہم نے یہاں نزدیک گھر لے لیا ہے۔''

وہ سیدھی ہو کر بیٹھ چکی تھی میں نے غور سے اس کا جائزہ لیا، وہ سفید اور زرد کنٹراس کے سوٹ میں ملبوس سفید سینڈل پہنے ہوئے تھی، سوٹ کا ہم رنگ دوپٹہ بڑے سلیقے سے اوڑھا ہوا تھا، میں چند لمحے اسے دیکھتا رہا اور مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ میرے اندر ''خوبصورتی محسوس'' کرنے کی حس پوری طرح بیدار ہو گئی ہے، وہ میرے حواس پر چھانے لگی، میں بول اٹھا، شائد اس تاثر کو مٹانے کے لئے۔

''اور تمہارے بھائی؟''

''وہ اپنی زندگیوں میں معروف ہیں۔''

''اور والد؟''

''ان کے میرے بچپن میں ڈیتھ ہو گئی تھی۔''

اب میرے پاس سوال بھی ختم ہو چکے تھے، ''آپ کیسے ہیں؟ کیا کر رہے ہیں آج کل؟'' بالآخر اسے میرا خیال آ ہی گیا۔

''میں ٹھیک ہوں، ایک بینک میں جاب کر رہا ہوں۔''

''شادی کرلی؟'' بے تاثر لہجہ۔

''نہیں۔'' وہ بڑے بھرپور طریقے سے چونکی۔

''کیوں؟''

''تمہارے جیسی کوئی ملی نہیں۔'' اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

''کک...... کیا مطلب؟''

''میری بنو گی سارہ؟'' میرے لہجے میں اتنی شدت، اتنی گہرائی تھی کہ اس کی پلکیں عارضوں پہ جھک گئیں۔

''بولو ناں سارہ!'' میری بے تابی عیاں ہونے لگی۔

''پارک کی عقبی گلی میں دائیں ہاتھ دوسرا دروازہ ہمارا ہے۔'' وہ کہہ کر رکی نہیں، بھاگتی ہوئی پارک سے نکل گئی، وہ ایک لمحہ، جس میں اس کے مسکراہٹ تھی، پھر سے ہمارے درمیان لوٹ آیا اس کی ''ہاں'' کے بعد پارک کی وہ خنک صبح کچھ اور بھی سہانی ہو گئی، میرے اندر ایک ناقابل بیان خوشی رقصاں تھی، بہت خوشگوار موڈ میں، میں نے گھر داخل ہو کر امی جان کو سلام کیا اور خود تیار ہونے چل دیا، ناشتے کی ٹیبل پر وہ مجھ سے کہنے لگیں۔

''آج عائشہ کو فون کروں گی وہ فائزہ کو لے کر آئے اور مل بیٹھ کر کوئی لڑکی پسند کریں۔'' ان کی خوشی چہرے سے ظاہر تھی۔

''یعنی آپ کے ذہن میں کوئی لڑکی نہیں ہے۔'' میں نے چائے کپ میں انڈیلتے ہوئے کہا۔

''اے کہاں؟ میں تو امید ہی چھوڑ بیٹھی تھی تمہاری شادی کی۔'' انہوں نے افسوس کرتے ہوئے کہا۔

''اور اگر لڑکی میں بتا دوں تو......؟'' میں نے بڑے مگن سے انداز میں کہا، وہ ساکت رہ گئیں میں نے سر اٹھا کر ان کا حیرت زدہ چہرہ دیکھا اور ہنس دیا۔

''آیئے آپ کو شروع سے سب کچھ بتاؤں، آپ کو پتہ ہے میں نے اسے پہلی بار کہاں دیکھا......'' میں آہستہ آہستہ سب کچھ بتاتا گیا ان کے چہرے کا رنگ بار بار بدل رہا تھا آخر میں، میں کہہ رہا تھا۔

''مجھے اس سے کوئی طوفانی قسم کی محبت نہیں ہے امی جان! میں آپ کی پسند سے شادی کر لیتا اور زندگی بھی گزار لیتا، لیکن جب میں آج اس

سے ملا تو جانا کہ یہ دل تو ہمیشہ سے اس لمحہ جاوداں میں قید ہے جس میں، میں تھا وہ تھی اور اس کی خوبصورت مسکراہٹ اور میں ہمیشہ وہ خوشی محسوس کرنا چاہتا ہوں جو مجھے اس کو مسکراتے دیکھ کر ملتی ہے۔"

......

اور آج ٹھیک ایک ماہ بعد میری سارہ سے شادی ہے، بات فائنل ہو چکی ہے، عفان بھائی بھی شادی پر آئیں گے، اماں کے ساتھ فائزہ اور عائشہ آپی کو بھی سارہ بے حد پسند آئی ہے، اماں نے انہیں مصلحتاً یہ نہیں بتایا کہ "وہ میری پسند ہے" اب مصلحت کیا ہے؟ میں نہیں جانتا۔

میں نے سارہ سے جاب چھوڑنے کی فرمائش کی تھی جو کہ اس نے مان لی، اب وہ گھر میں نیک بچیوں کی طرح شادی کی تیاری میں مصروف ہے۔

"آج مجھے آفس میں گلابی کارڈ موصول ہوا جس پر بنا اکلوتا پھول اور (Thanks for your kindness)۔" بہت خوبصورتی سے درج تھا۔

وہ ایک لمحہ
وہ ایک لمحہ، جاوداں
جس میں، میں تھا
اور تو تھی
اور تیری مسکراہٹ تھی
آج صدیاں گزرنے کے بعد بھی
وہ لمحہ
تیرے میرے بیچ ٹھہرا ہے
میں خود کو اس طلسم سے آزاد کرانا چاہوں بھی
تو آزاد ہو نہیں سکتا
یہ لمحہ
ازل سے ابد تک تیرے میرے بیچ ہے
اور رہے گا۔

☆☆☆

شگفتہ شگفتہ رواں دواں

ابنِ انشا کے سفر نامے

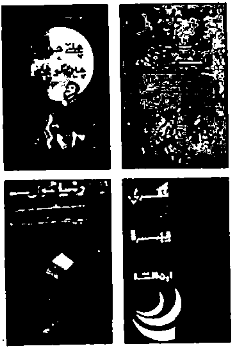

آج ہی اپنے قریبی بک اسٹال یا براہ راست ہم سے طلب فرمائیں

لاہور اکیڈمی

پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ اردو بازار لاہور
فون: 042-37310797, 042-37321690

حاصل مطالعہ

تحریم محمود

القرآن

○ اور ہم نے ایک آڑ ان کے سامنے کر دی اور ایک آڑ ان کے پیچھے کر دی جس سے ہم نے (ہر طرف سے) ان کو (پردوں سے) گھیر دیا، سو وہ نہیں دیکھ سکتے اور ان کے حق میں آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا دونوں برابر ہیں، یہ ایمان نہ لائیں گے۔ (سورہ یٰسین ۹، ۱۰)

○ اور ان دونوں کے باغ کثیر شاخوں والے ہوں گے سوائے جن و انس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔ (سورہ رحمٰن ۴۸، ۴۹)

○ یہ مقرب لوگ آرام کے باغوں میں ہوں گے ان کا ایک بڑا گروہ تو اگلے لوگوں میں ہو گا اور تھوڑے سے پچھلے لوگوں میں ہوں گے وہ لوگ سونے کے تاروں سے بنے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔ (سورہ الواقعہ ۱۲ تا ۱۶)

سعدیہ جبار، ملتان

حضور اکرم ﷺ کی پسند

من پسند چیز دیکھ کر الحمدللہ رب العالمین فرماتے، تکیہ، تیل، خوشبو، دودھ اگر کوئی پیش کرتا تو قبول فرماتے۔

سفید رنگ کا لباس آپ کو بہت محبوب تھا اور سبز رنگ کا لباس بھی پسند فرماتے۔

مشک اور عود کی خوشبو کی زیادہ پسند فرماتے۔

سفر کے لئے جمعرات کا دن پسند فرماتے۔

عشاء سے پہلے نہیں سوتے تھے۔

زندگی کے اوقات تین حصوں میں تقسیم کرتے تھے، ایک حصہ اللہ کی عبادت کے لئے، دوسرا گھر والوں کے لئے، معاشرتی حقوق کے لئے جن میں ہنسنا بولنا بھی تھا اور تیسرا اپنے نفس کی راحت کے لئے۔

آنسہ ممتاز، رحیم یار خان

فاتح عالم

ارسطو کے ہاں مختلف شہزادے زیر تعلیم تھے ایک روز ایک شہزادے سے ارسطو نے سوال کیا۔

''اگر تمہیں بادشاہت ملی تو میری تعلیمی خدمات کا کیا صلہ دو گے؟''

''میں تمام تر مہمات سلطنت میں آپ کے مشورے کو مقدم رکھوں گا۔'' یہی سوال ارسطو نے دوسرے شہزادے سے کیا، اس نے جواب دیا۔

''میں آپ کو برابر کا شریک رکھوں گا۔''

جب سکندر کی باری آئی تو اس نے عرض کیا۔

''مجھ سے اس بارے میں کچھ نہ پوچھا جائے کیونکہ اس کا فاعل حقیقی میں نہیں بلکہ خدائے برتر ہو گا۔'' ارسطو اس جواب سے بہت خوش ہوا اور کہا۔

''تیری اس دانائی کا جواب سب پر سبقت لے گیا اور مجھے تیرے اس جواب سے تیرے فاتح عالم ہونے کی خوشبو آتی ہے۔''

فریال امین، ٹوبہ ٹیک سنگھ

اٹل سچائی

☆ آخرت میں جنت اس کے حصے میں آئے گی جو دعوار پارسائی کرنے کے بجائے عمل کرتا ہے اور عمل میں جان پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

☆ تواضع سر بلندی بڑھاتی ہے اور تکبر انسان کو خاک میں ملا دیتا ہے۔

☆ سرکش گھوڑا سر کے بل گر جاتا ہے اس لئے بلندی کی ضرورت ہو تو بلندی کا دعوا کرنا چاہیے۔

☆ جو شخص دنیا کی موج و مستی میں مشغول ہو اس سے دین کا راستہ پوچھ کر خود کو گناہ گار نہیں کرنا چاہیے۔

☆ اگر آپ کو مقام حاصل کرنا ہے تو اپنے سوا کسی کو حقیر نہ سمجھیں۔

☆ اگر آپ کو مخلوق خوش خلق اور نیک طبع کہتی ہے تو اس سے زیادہ اونچے مقام کی توقع نہیں کرنا چاہیے۔

☆ جو لوگ آپ جیسے لوگوں کو حقیر سمجھتے ہیں آپ کبھی اسے عزت دینے کو تیار نہیں ہوتے، اسی طرح اگر آپ کسی کو حقیر سمجھیں اور اس بات کے متمنی ہوں کہ دوسرا آپ کی عزت کرے عبث ہے

نازیہ کمال، حیدرآباد

کرن

اپنے لفظوں کی حفاظت کیجئے، کیونکہ لفظ آپ کی عادت بن جاتے ہیں، اپنی عادتوں کی حفاظت کریں، کیونکہ عادتیں آپ کا عمل بن جاتی ہیں، اپنے عملوں کی حفاظت کریں کیونکہ آپ کے عمل ہی آپ کی شخصیت بناتے ہیں۔

مریم رباب، خانیوال

حکایات سعدی

ایک دیہاتی کو میں نے بصرہ کے جوہری بازار میں دیکھا، اس نے بتایا کہ وہ ایک دن جنگل میں راستہ بھول گیا تھا اور میرے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں تھی اپنی موت کا یقین ہو گیا کہ اچانک میں نے ایک تھیلی پائی جو موتیوں سے بھری ہوئی تھی میں ہرگز اس خوشی کو نہیں بھول سکتا کہ میں سمجھا اس میں بھنے ہوئے گندم ہیں پھر میں اس ناامیدی کو نہیں بھول سکتا جب مجھے معلوم ہوا کہ اس تھیلی میں موتی ہیں۔

ام خدیجہ، شاہدرہ لاہور

تمہارے لئے

وہی موسم ہے
بارش کی ہلکی
پیڑوں میں چھن چھن گونجتی ہے
ہری شاخیں ہرے پھول کے زیور پہن کر
تصور میں کسی کے مسکراتی ہیں
ہوا کی اوڑھنی کا رنگ پھر ہلکا گلابی ہے
شناسا باغ کو جاتا ہوا خوشبو بھرا رستہ
طلوع ماہ کی ساعت تمہاری منتظر ہے
نیک تمناؤں کے ہمراہ
نیا سال مبارک ہو

ثناء حیدر، سرگودھا

کچھ لوگ

☆ کچھ لوگ گھروں کی طرح ہوتے ہیں وہ چاہے ہم سے کتنی بھی دور کیوں نہ ہوں دل ان کی روح میں سمٹ جانے کے لئے بے چین رہتا ہے۔

☆ کچھ لوگ گلابوں کی طرح ہوتے ہیں ان کا نام لیتے ہی ہمارے اردگرد خوشبو پھیل جاتی ہے۔

☆ کچھ لوگ ستاروں کی طرح ہوتے ہیں جو دور سے چمکتے ہیں مگر ہمارے ہاتھ نہیں آتے۔

☆ کچھ لوگ گھٹاؤں کی طرح ہوتے ہیں جو دوسروں پر اس طرح برستے ہیں کہ زندگی کی سخت دھوپ نرم چھاؤں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

☆ کچھ لوگ نگاہ کی طرح ہوتے ہیں وہ ساتھ ہوں تو اندھیروں میں بھی راستے مل جاتے ہیں۔

درثمن، میاں چنوں

سوچ ریزے

○ شہر، دکھ اور محبتیں ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں کبھی پرانے نہیں ہوتے ہمیشہ نئے ہی لگتے ہیں۔

○ پھول زخموں، یادوں، موسموں، رنگوں اور منظروں کو پرانا نہیں ہونے دیتے۔

○ کبھی غور کریں تو کتنی عجیب بات کا پتہ چلے کہ بڑے سارے عذابوں، سارے اجاڑ اور ویرانوں کا تعلق پانیوں سے ہوتا ہے پانی جو بظاہر زندگی ہے اس میں کتنی موت چھپی ہوئی ہے ایسے ہی تو دکھوں اور خوشیوں کی انتہا پر آنکھیں پانیوں سے نہیں بھر آتیں۔

○ ہر کوئی الفاظ کو اپنی سمجھ کے مطابق ڈھال لیتا ہے اس لئے ہر انسان کا نظریہ دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔

○ منفرد لوگوں کو ہمیشہ مار سہنی پڑتی ہے طعنوں کی یا تنہائی کی۔

○ پتھروں سے واسطہ پڑے تا پتھر دلوں سے زندگی کا سفر رکتا نہیں۔

○ دیواریں صرف کمروں کی نہیں ہوتیں، دل کے گرد بھی ہوتی ہیں کبھی خواب کئی خیال انہیں میں قید رہ جاتے ہیں۔

○ اعتبار کی مالا کو کبھی ٹوٹنے نہ دو، اس انمول مالا کے موتی بکھر جائیں تو تلاش کے باوجود ملتے نہیں۔

○ انسان کی شخصیت کا سب سے مضبوط حوالہ اس کا کردار اور عمل ہے۔

آسیہ وحید، لاہور

دعا

میں نے دعا مانگی
زمین کی سلامتی کی
اس پر رزق کی فراوانی کی
درختوں کی پناہ گاہیں آباد ہونے کی
ہجرت کر جانے والے پرندوں کی واپسی کی
لیکن ان سب دعاؤں سے پہلے
میں نے دعا مانگی
زمین کی رہائی کی

جویریہ ناصر، گلبرگ لاہور

واہم

علاقے کے بازار میں ایک خاتون نے اپنے سابق پڑوسی کی دس بارہ سالہ بچی کو سودا خریدتے دیکھا تو شفقت سے اس کا حال چال پوچھنے کے بعد دریافت کیا۔

''اور تمہارے امی ابو کیسے ہیں؟''

''امی تو ٹھیک ہیں لیکن ابو بیمار ہیں۔'' بچی نے بتایا۔

''ارے بیٹا، وہ بیمار ویمار کچھ نہیں ہیں، تمہارے ابو کو وہم ہو گیا ہے کہ وہ بیمار ہیں۔'' خاتون نے بڑے یقین سے کہا۔

کچھ عرصے بعد اسی بازار میں خاتون کی ملاقات بچی سے ہوئی تو انہوں نے ایک بار پھر بچوں کے والدین کی خیریت دریافت کی۔

''امی تو ٹھیک ہیں۔'' بچی نے دھیمی آواز میں سنجیدگی سے جواب دیا۔

''لیکن ابو کو وہم ہو گیا تھا کہ وہ مر چکے ہیں، کل ان کا چالیسواں تھا۔''

☆ ☆ ☆

بیاض

تسنیم طاہر

سعدیہ عمر ---- سرگودھا
ہر شام نئے خواب اس پہ کاڑھیں گے
ہمارے ہاتھ اگر تیری شال آ جائے
اِن ہی دنوں وہ میرے ساتھ چائے پیتا تھا
کہیں سے کاش میرا پچھلا سال آ جائے

....

موسم تھا بے قرار تمہیں سوچتے رہے
کل رات بار بار تمہیں سوچتے رہے
بارش ہوئی تو گھر کے دریچے سے لگ کر ہم
چپ چاپ سوگوار تمہیں سوچتے رہے

....

خود اپنی ذات اسیر عذاب رکھتے ہیں
ہمارے عہد کے انسان خواب رکھتے ہیں
یہ تاجران محبت بھی خوش گماں ہیں بہت
گناہ کر کے امید ثواب رکھتے ہیں
آسیہ وحیدر ---- لاہور
بہت منتظر ہیں اگلے برس کے
وہ لوٹ آئے گا اگلے برس کیا

....

ناصر مجھے چھیڑیں گے بہت چاندنی اور پھول
آیا نہ میرا دوست اگر اب کے برس بھی

....

اب کے برس کچھ ایسی تدبیر کرتے ہیں
مل کے اک شہر محبت تعمیر کرتے ہیں
خزاں کی اجاڑ شامیں نہ آئیں اگلے برس
اس بہار رت کو زنجیر کرتے ہیں
جویریہ ناصر ---- گلبرگ لاہور

خوشی تم کو ملے ہر دم تمہارا حال اچھا ہو
تمہارے واسطے اللہ کرے یہ سال اچھا ہو

....

نہ جانے کیا ہوا ہے سال بھر میں
دیا روشن کہ مدھم ہو گیا ہے
ہمیں معلوم ہے اتنا کہ اک سال
ہماری عمر سے کم ہو گیا ہے

....

وہ وقت بھی دیکھا تقدیر کی گھڑیوں نے
لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی
اُم ایمن ---- گوجرانوالہ
نیا ہے سال خوشی یوں منائیں اب کے برس
کہ گیت امن کا سب مل کے گائیں اب کے برس
کرو کچھ اب کے بہاروں کا ایسا استقبال
بہاریں آئیں تو آ کر نہ جائیں اب کے برس

....

جس کو معلوم نہیں منزل مقصود اپنی
کتنا بے کار ہے اس شخص کا چلتے رہنا
ہم نئے خواب بنیں گے نئے منظر لے کر
نئے سورج سے کہو روز نکلتے رہنا

....

یہ خنک رت ، یہ نئے سال کا پہلا لمحہ
دل یہ کہتا ہے کو موسم اب کوئی یاد آئے
ہم نے ماضی کی سخاوت پہ جو پل بھر سوچا
دکھ بھی کیا کیا ہمیں ، یادوں کے سبب یاد آئے
عابدہ سعید ---- گجرات
نجانے کیسے نئی رتوں میں پرانی یادوں کی ناؤ ڈوبی

نظر کے دریا میں آنے والا ابال کتنا عجیب سا ہے
ہتھیلیوں پہ رکھے چراغوں کو بجھایا ہوا نے پہلے
اداس موسم میں بے بسی کا یہ سال کتنا عجیب سا ہے

....

وہ جس سے رہا آج تک آواز کا رشتہ
بھیجے میری سوچوں کو اب الفاظ کا رشتہ
ملنے سے گریزاں ہے نہ ملنے پہ خفا بھی
دم توڑتی چاہت ہے یہ کس انداز کا رشتہ

میرے مولا نے مجھ کو چاہتوں کی سلطنت دی ہے
مگر پہلی محبت کا خسارہ ساتھ رہتا ہے
سفر میں عین ممکن ہے میں خود کو چھوڑ دوں لیکن
دعائیں کرنے والوں کا سہارا ساتھ رہتا ہے
رمشہ ظفر ---- بہاول پور
اس کی آنکھوں میں کوئی دکھ بسا ہے شاید
یا مجھے خود ہی وہم سا ہوا ہے شاید
میں نے پوچھا کہ بھول گئے ہو تم بھی
پونچھ کر آنسو مجھے اس نے کہا ہے شاید

....

خدا کے خوف سے ڈرتا ہوں لیکن یاد رکھ
بات جب حد سے بڑھی رسمیں اٹھا دی جائیں گی

....

آہ بن کے سانسوں سے نکل آؤں گا
اور روکے گا تو آنکھوں سے نکل آؤں گا
بھول جانا مجھے اتنا آسان نہیں جاناں
باتوں باتوں میں ہی باتوں سے نکل آؤں گا
عاصمہ سرور ---- دہاڑی
تجھ سے منسوب ہوئے تو یہ حسرت ہی رہی
ہم کبھی اپنے حوالے سے پکارے جاتے

....

جہاں بھی جانا تو آنکھوں میں خواب بھر لانا
یہ کیا کہ دل کو ہمیشہ اداس کر لانا
میں برف رتوں میں جلا تو اس نے کہا
پلٹ کے آنا تو کشتی میں دھوپ بھر لانا

....

رابطہ پیڑ سے کٹ جاتا ہے جس وقت خفی
خشک پتے کو تو جھونکے کا بھی ڈر رہتا ہے
رابعہ ارشد ---- فیصل آباد
یاد بھی اس کی یہ کہتے ہوئے دل سے نکلی
ایسی اجڑی ہوئی بستی میں بھلا کیا رہنا

....

کبھی کبھی یہ سب اپنا خیال لگتا ہے
وہ میرا ہے یا نہیں الجھا سوال لگتا ہے
میں وفا کر کے بھی گمنامیوں میں ہوں
وہ بے وفا ہے مگر بے مثال لگتا ہے

....

ہم یہی پوچھتے پھرتے ہیں زمانے بھر سے
جن کی تقدیر بگڑتی ہے وہ کیا کرتے ہیں
مسرت مصباح ---- لاڑکانہ
کبھی ہم بھیگتے ہیں چاہتوں کی تیز بارش میں
کبھی برسوں نہیں ملتے کسی ہلکی سی رنجش میں
تم ہی میں دیوتاؤں کی خوبو نہ تھی ورنہ
کمی نہ تھی کوئی میرے انداز پرستش میں

....

یونہی ختم ہجر کا باب ہو نئے سال میں
کوئی خواب ہی تیرا خواب ہو نئے سال میں
کبھی یوں بھی ہو کسی شب کو تو مجھے آ ملے
گئے رتجگوں کا حساب ہو نئے سال میں
سعدیہ جبار ---- ملتان
ممکنہ فیصلوں میں ایک ہجر کا فیصلہ بھی تھا
میں نے تو ایک بات کی اور اس نے کمال کر دیا
میرے لبوں پہ مہر تھی پر میرے شیشہ رو نے تو
شہر کے شہر کو میرا واقف حال کر دیا

....

یہ سنگریزے عداوتوں کے، وہ آبگینے سخاوتوں کے
دل مسافر قبول کر لے، ملا جو کچھ جہاں سے
تو ہم نفس ہے، نہ ہم سفر ہے، کسے خبر کہ تو کدھر ہے
میں دستکیں دے کے پوچھ بیٹھا مکیں مکیں سے مکاں مکاں سے
آنسہ ممتاز ---- رحیم یار خان
اس نسل کا ذہن کٹ رہا ہے
اگلوں نے کٹائے تھے فقط سر

…………

کیا برا ہے کہ میں اقرار محبت کر لوں
لوگ ویسے بھی تو کہتے ہیں گناہ گار مجھے

…………

وحشت جاں پہ عذاب مدت تھی نہ رگ جا گئے نہ پھول آئے
بہار وادی سے جتنے پنچھی ادھر کو آئے ملول آئے
وہ ساری خوشیاں جو سب نے چاہیں اٹھا کے اپنی جھولی میں رکھ لیں
ہمارے حصے میں عذر آئے جواز آئے اصول آئے
فریال امین ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ
کون رہتا تھا نہ جانے اس جا
خواہشیں نقش ہیں دیواروں پہ

…………

یہ نہ ہو شہر میں کہ تنہائی کے مجرم ٹھہرو
دل ملیں یا نہ ملیں ہاتھ ملاتے رہنا
میں ہمیشہ کی طرح سچی ہی کہوں گا عارف
تم ہمیشہ کی طرح زہر پلاتے رہنا

…………

ہمارے عجز کو سمجھا نہیں گیا محسن
ہم آزما کے اب اپنی انا دیکھتے ہیں
نازیہ کمال ---- حیدر آباد
حسن کی خوشبو سے مہکتی تھی پگھلتی ہوئی آگ
پھول ایسے بھی تو موسم سفاک میں تھے

…………

سال کی پہلی کرن کے ساتھ پھر جاگا ہے دل
پھر میری وہی طلب اس کے برس مل جائے تو

…………

اب سیل بلا چاہے گزر جائے جدھر سے
میں گھر ہی بناتا نہیں طوفان کے ڈر سے
مریم رباب ---- خانیوال
ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے تو ہیں چرچا نہیں ہوتا

…………

اس زندگی میں اتنی فراغت کسے نصیب
اتنا نہ یاد آ کہ تجھے بھول جائیں ہم

…………

محبت کے لئے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پہ گایا نہیں جاتا
اُم خدیجہ ---- شاہدرہ لاہور
میں کھلی ہوئی اک سچائی مجھے جاننے والے جانتے ہیں
میں نے کن لوگوں سے نفرت کی اور کن لوگوں کو پیار دیا

…………

ہمیں بجھانے کو اندر کا حبس کافی ہے
ہم مزاجوں کا احسان کم اٹھاتے ہیں

…………

علم نے کرب اضطراب دیا
کس قدر پرسکون تھی نادانی
فرح عامر ---- جہلم
اندھیروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے والو
اجالوں کا پس نظر بڑا تاریک ہوتا ہے

…………

یوں ہی تو شاخ سے پتے گرا نہیں کرتے
بچھڑ کے لوگ زیادہ جیا نہیں کرتے

…………

میرے لہو میں کھلے ہیں تیرے ہجر کے پھول
کب آئے ان پہ تیرا موسم وفا دیکھیں

☆☆☆

رنگ حنا

بلقیس بھٹی

قابل غور

لوگوں کا سرمایہ ہضم کر کے غائب ہو جانے والی ایک انویسٹمنٹ کمپنی کا مالک جب پکڑا گیا تو اسے عدالت میں پیش کیا گیا، جج صاحب نے غصے سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''تمہیں شرم نہیں آتی جن لوگوں نے تم پر اعتماد کیا، تم نے ان ہی کا پیسہ کھا کر بھاگ گئے؟''

''سر! آپ خود سوچیں جو لوگ آپ پر اعتماد نہ کرتے ہوں، ان کا پیسہ آپ کیسے کھا سکتے ہیں؟''

کمپنی کے مالک نے معصومیت سے سوال کیا۔

عابدہ سعید، گجرات

عجلت

ایک ہوٹل کے قریب ایک صاحب نے ہاتھ دے کر ٹیکسی روکی اور پچھلی سیٹ پر ڈھیر ہو گئے، نشے سے لڑکھڑاتی آواز میں انہوں نے ڈرائیور کو حکم دیا۔

''اس ہوٹل کے چاروں طرف سو چکر لگاؤ۔''

ڈرائیور کچھ پریشان ہوا لیکن جب ان صاحب نے اسے ہزار کا نوٹ تھمایا تو اس نے ہوٹل کے گرد چکر لگانے شروع کر دیے۔

ساٹھویں چکر پر پچھلی سیٹ پر نیم دراز ان صاحب نے گردن اونچی کی اور خمار زدہ لہجے میں ڈرائیور سے مخاطب ہوئے۔

''میاں! ذرا اسپیڈ بڑھاؤ میں جلدی میں ہوں۔''

فرح عامر، جہلم

ماسٹر صاحب

ہمارے ماسٹر صاحب بڑے خونخوار قسم کے آدمی تھے، یوں تو بیچلر آف آرٹس تھے لیکن بعد میں پتہ چلا کہ شادی شدہ اور کئی بچوں کے باپ ہیں، وہ ان حضرات میں سے تھے جو آپ سے سوال پوچھیں گے، آپ کی طرف سے خود ہی جواب دیں گے اور پھر آپ کو ڈانٹیں گے بھی کہ جواب غلط تھا، ان کے نوکر کی زبانی معلوم ہوا کہ انہیں نیند میں بولنے اور چلنے پھرنے کی بیماری تھی اور وہ سوتے ہوئے پیدل چلا کرتے تھے، حالانکہ ان کے پاس ایک تانگہ تھا اور ایک سائیکل۔

انہیں کھیل کود کا شوق بھی تھا لیکن فقط اتنا کہ ریفری بن کر خوش ہو لیا کرتے، ایک مرتبہ وہ فٹ بال کے میچ میں ریفری تھے کہ یک لخت جوش میں آ گئے اور گیند لے کر خود گول کر دیا، روفی کے ابا ہمیشہ ان سے کہا کرتے تھے کہ۔

''ماسٹر صاحب! آپ اس علاقے میں فٹ بال کے نمبر دو کھلاڑی ہیں۔''

ایک روز ماسٹر صاحب نے ان سے پوچھا کہ۔

''نمبر ایک کھلاڑی کون ہے۔'' وہ بولے۔

''پتہ نہیں۔''

رابعہ قاسم، سکھر

موقع غنیمت

مجید لاہوری اور رشید اختر ندوی دونوں بھاری بھرکم تھے، ایک مرتبہ دونوں ایک سائیکل رکشا پر سوار ہو کر کہیں جا رہے تھے، رکشا والا کمزور سا آدمی تھا، پسینے میں شرابور بڑی دشواری سے سواری کھینچ رہا تھا، راستے میں مجید لاہوری کو پان کھانے کی خواہش ہوئی تو وہ رکشا رکوا کر اترے اور پان کی دکان کی طرف بڑھے، اتفاق سے رشید اختر ندوی کو ایک شناسا مل گئے اور وہ بھی رکشا سے اتر کر سڑک پر ان سے باتیں کرنے لگے۔

رکشے والا جو غیر معمولی مشقت سے نیم جان ہو رہا تھا، اس موقع غنیمت جان کر خالی رکشا لے کر بھاگ کھڑا ہوا، مجید صاحب نے اسے بھاگتے دیکھا تو چیخ کر بولے۔

''او میاں رکشے والے، کہاں بھاگے جا رہے ہو؟ اپنے پیسے تو لیتے جاؤ۔''

''شکریہ صاحب جی! زندگی باقی رہی تو کسی اور سے کما لوں گا۔'' رکشے والے نے ہانپتے ہوئے کہا اور بھاگتا چلا گیا۔

نعیم امین، کراچی

علم

عدالت میں ایک بڑے اور مشہور وکیل نے اپنے مخالف وکیل کی طرف حقارت سے دیکھا کیونکہ وہ نو آموز اور گمنام تھا، پھر بڑے وکیل نے حقارت بھرے لہجے میں کہا۔

''تم ہو کون؟''

''سر میں وکیل ہوں۔'' نو آموز اور ناتجربہ کار وکیل نے مودبانہ لہجے میں جواب دیا۔

''تم جیسے وکیل میں جیب میں لئے پھرتا ہوں۔'' بڑے وکیل نے بدستور حقارت سے کہا۔

''اس کا مطلب ہے کہ آپ کے دماغ میں قانونی علم نہیں ہو گا، تبھی آپ جیب میں لئے پھرتے ہیں۔'' نو آموز وکیل نے نرمی اور شائستگی سے کہا۔

ہما رائے، کراچی

گفٹ پیکج

ایک دن سردار جی ایک دکان میں خریداری کر رہے تھے کہ تیل کا ڈبہ اٹھا کر دکان دار سے بولے۔

''اس تیل کے ساتھ میرا مفت گفٹ کدھر ہے؟''

دکان دار نے کہا۔

''اس کے ساتھ کوئی گفٹ نہیں ہے بھائی صاحب!''

سردار جی منہ بسور کر بولے۔

''اوئے اس پر لکھا ہے کولیسٹرول فری۔''

نبیہ آصف، قصور

عشق کہیں جسے

ایک شخص نے بس میں اپنے قریب بیٹھے ہوئے مایوس اور افسردہ شخص کو دیکھ کر باتوں باتوں میں کہا۔

''مجھے لگتا ہے کہ جیسے آپ نے زندگی میں عشق کیا اور ناکام ہو گئے۔''

وہ صاحب جھلا کر بولے۔

''میں نے زندگی میں ایک ہی بار عشق کیا تھا اور بدقسمتی سے کامیاب بھی ہو گیا۔''

ثمینہ رفیق، کورنگی کراچی

زور گفتار

گل صاحب نے ایک دن موڈ میں آ کر کہا۔

''میری بیوی اتنی پڑھی لکھی ہے کہ وہ کسی

بھی موضوع پر گھنٹہ بھر بات چیت کر سکتی ہے۔"

جواب میں اقبال میمن نے کہا۔

"اس میں حیرت کی کیا بات ہے، یہی کام ان پڑھ عورت بھی کر لیتی ہے اور اس کے لئے موضوع کی بھی شرط نہیں ہوتی۔"

فرح ظفر، بہاول پور

تیز رفتاری

ایک خاتون نے ٹریفک سارجنٹ کو اپنی تیز رفتاری کی وجہ بتاتے ہوئے کہا۔

"میری گاڑی کے بریک خراب ہو گئے ہیں، اس لئے میں چاہتی ہوں کہ کسی حادثے کے بغیر گھر پہنچ جاؤں۔"

عاصمہ سرور، وہاڑی

جواب

ایک رنگروٹ کو آفیسر کی بے عزتی کرنے کے جرم میں کورٹ مارشل کے لئے پیش ہونا پڑا۔

"جواب دو۔" کمانڈنگ آفیسر نے سخت لہجے میں باز پرس کی۔

"تم نے اپنے آفیسر کو الو کا پٹھا کیوں کہا؟"

رنگروٹ نے جواب دیا۔

"آفیسر نے مجھ سے پوچھا تھا کہ میں اسے کیا سمجھتا ہوں۔"

رابعہ ارشد، فیصل آباد

معصومیت

ننھے جمی کا اسکول کا پہلا دن تھا، چھٹی کے وقت سب بچے گھر جانے کے لئے گاڑیوں میں بیٹھ چکے تھے لیکن جمی وین میں بیٹھنے کے لئے تیار نہ تھا۔

"کیا تم گھر نہیں جاؤ گے؟" ٹیچر نے حیرت سے پوچھا۔

"ممی کہہ رہی تھیں، اب مجھے کم از کم دس بارہ سال اسکول میں گزارنے پڑیں گے۔" جمی نے نہایت معصومیت سے جواب دیا۔

مسرت مصباح، لاڑکانہ

انتظار

ایک خوبصورت سیلز گرل نے ایک گھر کے دروازے پہ دستک دی، صاحب خانہ باہر آئے تو سیلز گرل نے پوچھا۔

"کیا آپ کی بیگم گھر پر ہیں؟"

صاحب نے جواب دیا۔

"نہیں! لیکن آپ اندر آ کر ان کا انتظار کر سکتی ہیں، وہ ایک ہفتے کے لئے میکے گئی ہوئی ہیں۔"

نعیمہ راؤ، ملتان

کھانا

میاں بیوی نے شادی کی پہلی سالگرہ پر ضیافت کا اہتمام کیا، بیوی نے بڑے چاؤ سے اپنے ہاتھ سے کھانے تیار کیئے۔

مہمان جمع تھے، خوش گپیوں اور مشروبات وغیرہ کا دور چل رہا تھا، ایک دوسرے کو لطیفے سنائے جا رہے تھے، قہقہے گونج رہے تھے۔

شوہر نے بیوی سے دریافت کیا۔

"کیا خیال ہے بیگم! مہمانوں کو کچھ دیر اور لطف اندوز ہونے دیا جائے یا کھانا لگوایا جائے۔"

آنسہ ممتاز، رحیم یار خان

☆☆☆

حنا کی محفل

عین غین

سعدیہ جبار ---- ملتان

س: خواب میں ٹاٹ کا پیوند کب لگتا ہے؟

ج: جب خواب پھٹ جائے۔

س: دور کے ڈھول سہانے کیوں ہوتے ہیں؟

ج: اس لئے کہ قریب کے ڈھول کان پھاڑتے ہیں۔

س: سر کڑاہی میں کب ہوتا ہے؟

ج: جب پانچوں انگلیاں گھی میں ہوں۔

آنسہ ممتاز ---- رحیم یار خان

س: میں جس کو پانا چاہوں اسے پا نہ سکوں؟

ج: تو جس کو پا سکتے ہو اسے پالو۔

س: اس کے سوا سوچیں تو کیا سوچیں؟

ج: کوئی اچھی بات سوچ لو۔

س: شعر کا جواب دیں۔

کہتے ہیں ہر چیز مل جاتی ہے دعا سے
ہم نے روز مانگا تجھے اپنے خدا سے

ج: شعر کا جواب شعر میں حاضر ہے۔

میری تنہا سفری میرا مقدر تھی فراز
ورنہ اس شہر تمنا سے تو دنیا گزری

فریال امین ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ

س: اپنے دکھوں کا کس سے شکوہ کروں بتاؤ؟

ج: کسی ہمراز سے۔

س: عین غین جی خوشحال سے تم بھی لگتے ہو آخر کیوں؟

ج: کیا تم کنگال کرنا چاہتی ہو۔

س: اس نے کہا ''یہ دل آپ کا ہوا'' کیا یہ سچ ہے؟

ج: وہ تو فلم کا نام پڑھ رہا تھا اور تم......؟

س: میں نے کہا کیا ارادے ہیں تمہارے عین غین جی؟

ج: ارادے......؟ ابھی میں نے اپنا ارادہ ظاہر کب کیا ہے۔

س: عین غین جی کیا کھانا پسند کریں گے؟

ج: جو تم پکا سکو گی۔

نازیہ کمال ---- حیدر آباد

س: عین غین جی نیا سال مبارک ہو؟

ج: شکریہ دعا کریں کہ نیا سال ہمارے لئے خوشیوں کی سوغات لے کر آئے۔

س: ہمیں آنے والے سال سے کیا کیا توقعات وابستہ کرنی ہوں گی؟

ج: توقعات ہمیشہ اچھی ہونی چاہئیں۔

س: زندگی کی کوئی ایسی تمنا ہے جو پوری نہ ہوئی ہو؟

ج: میرے پاس جو کچھ بھی ہے میں اسی پر شاکر اور قانع ہوں۔

س: اگر سب انسان الگ ہوتے تو......؟

ج: تو کوئی کسی کی دل شکنی نہ کرتا۔

مریم رباب ---- خانیوال

س: وہ کون تھا جو چپکے سے آ کر چلا گیا؟

ج: خیال۔

س: بچے بہت تنگ کرتے ہیں، کیا کروں؟

ج: ٹافیاں اور چاکلیٹ اپنے پاس رکھا کرو۔

س: آپ کی زندگی کا بور لمحہ؟

ج: جب کوئی بے تکا سوال سامنے آتا ہے۔

س: دل کہتا ہے میری بات مانو، میں کہتی ہوں تو، تو پاگل ہے؟

ج: کبھی کبھی بچوں کی بات بھی مان لینی چاہیے۔

اُم حدیجہ ---- شاہدرہ لاہور

س: عین غین جی نئے سال کے استقبال کے لئے کیا کر رہے ہیں آپ؟

ج: ہم اپنے ملک کی بہتری کے لئے کام کر رہے ہیں اور انشاءاللہ کرتے رہیں گے۔

س: سوچ کر بتایئے کہ شیشہ نازک ہوتا ہے یا دل؟

ج: نازک تو دونوں ہی ہوتے ہیں کیونکہ شاعری میں عام طور پر دل کو شیشے سے تشبیہ دی جاتی ہے۔

س: میں نے سوچا کہ آپ کو نئے سال کی مبارک باد دے ہی دوں؟

ج: دو لفظوں کے لئے اتنی کنجوسی اچھی نہیں ہوتی۔

س: نئے سال کا کارڈ نہیں بھیجا مجھے؟

ج: خود تو دو لفظوں پر ٹرخا رہی ہو اور مجھ سے کارڈ چاہتی ہو۔

س: سچی دوستی کی پہچان بتایئے؟

ج: تمہارے سوالوں سے ہی پتہ چلا کہ جھوٹی دوستی کیا ہوتی ہے۔

فرح عامر ---- جہلم

س: عین غین جی کیا نئے سال کی مبارکباد دے دوں؟

ج: نہیں اپنے پاس ہی رکھولو تا کہ کہیں اور کام آ جائے۔

س: آپ بڑے وہ ہیں؟

ج: وہ کا رشتہ بہت نازک ہوتا ہے خیال رہے۔

س: میرا خیال ہے آپ جو بنتے ہیں وہ نہیں ہیں؟

ج: آپ بھی وہ نہیں ہیں جو بنتی ہیں۔

فائزہ قاسم ---- سکھر

س: سچ سچ بتایئے آپ اس وقت کیا کر رہے ہیں؟

ج: حنا کی محفل میں براجمان ہوں۔

س: محبت کا کون سا روپ خوبصورت ہوتا ہے؟

ج: محبت ہر روپ میں بھلی لگتی ہے۔

س: اگر کاغذ کے پھولوں سے خوشبو آنے لگے تو؟

ج: شہد کی مکھی کیا کرے گی بیچاری۔

س: آپ نے کبھی عشق کیا ہے؟

ج: کب نہیں کیا؟

نعیم امین ---- کراچی

س: اللہ آپ کو نئے سال میں ترقی نصیب کرے اور آپ محفل سے نکل کر ایڈیٹر بن جائیں؟

ج: کیوں میری چھٹی کرانے کا ارادہ ہے۔

س: سوال کرنے کو جی چاہتا ہے، مگر کچھ سوجھتا ہی نہیں؟

ج: آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے۔

س: ہم سوال کچھ کرتے ہیں آپ جواب کچھ دیتے ہیں؟

ج: اگر پڑھنا نہ آتا ہو تو کسی سے پڑھوالیا کریں۔

س: میں کون ہوں ذرا بوجھو تو؟

ج: تم وہی ہو جو تم ہو۔

ہما رائے ---- کراچی

س: دنیا میں دو ہی تو خوبصورت ہیں ایک میں اور بس۔

ج: نہیں ابھی دنیا میں آپ جیسے خوش فہم بہت ہیں۔

س: مایوسی اگر گناہ ہے تو لوگ یہ گناہ کیوں کرتے ہیں؟

ج: گناہ کرنا بندے کی فطرت میں شامل ہے۔

☆☆☆

میری ڈائری سے

صائمہ محمود

نازیہ کمال: کی ڈائری سے ایک نظم
''بھیگی جنوری پھر لوٹ آئی ہے''

وہی گلیاں وہی کوچے وہی سردی کا موسم ہے
اسی انداز سے اپنا نظام زیست برہم ہے
یہ حسن اتفاق ایسا کہ نکھری چاندنی بھی ہے
وہی ہے بھیڑ سوچوں کی، وہی تنہائیاں پھر سے
مسافر اجنبی اور دشت کی تنہائیاں پھر سے
مجھے یاد ہے کچھ سال پہلے کا یہ قصہ ہے
وہی لمحہ تو ویرانے کا اک آباد حصہ ہے
وہ زندہ رات کی تنہائی میں سرگوشیاں کی تھیں
کسی کی نرم گفتاری نے دل کو لوریاں دی تھیں
کسی نے میری تنہائی کا سارا کرب بانٹا تھا
کسی نے رات کی چنری میں روشن چاند ٹانکا تھا
چمکتے جگنوؤں کا سیل اک بخشا تھا راتوں کو
دھڑکتا سا نیا عنوان دیا تھا میرے خوابوں کو
میرے شعروں میں وہ الہام کی صورت میں اترا تھا
معانی بن کے جو لفظوں میں پہلی بار دھڑکا تھا
وہ جس کے ہونے سے زندگی نغمہ سرائی ہے
اسے کہنا کہ بھیگی جنوری پھر لوٹ آئی ہے۔

PAKISTANIPOINT

مریم رباب: کی ڈائری سے ایک غزل

آگے حریم غم سے کوئی راستہ نہ تھا
اچھا ہوا کہ ساتھ کسی کو لیا نہ تھا
دامان چاک چاک گلوں کو بہا نہ تھا
دل کا جو رنگ تھا وہ نظر سے چھپا نہ تھا
رنگ شفق کی دھوپ کھلی تھی قدم قدم
مقتل میں صبح و شام کا منظر جدا نہ تھا
کیا بوجھ تھا کہ جس کو اٹھائے ہوئے تھے لوگ
مڑ کر کسی سمت کوئی دیکھتا نہ تھا
کچھ اتنی روشنی میں تھے چہروں کے آئینے
دل اس کو ڈھونڈتا تھا جسے جانتا نہ تھا
کچھ لوگ شرما سار خدا جانے کیوں ہوئے
اپنے سوا ہمیں تو کسی سے گلہ نہ تھا
ہر اک قدم تھا نئے موسموں کے ساتھ
وہ جو صنم تراش تھا بت پوجتا نہ تھا
جس در سے دل کو ذوق عبادت عطا ہوا
اس آستان شوق پہ سجدہ روا نہ تھا
آندھی میں برگد کی زباں سے ادا ہوا
وہ راز جو کسی سے ابھی تک کہا نہ تھا

اُم خدیجہ: کی ڈائری سے ایک نظم

اب کے برس کچھ ایسا کرنا
اپنے گزرے بارہ ماہ کے
دکھ سکھ کا اندازہ کرنا
بسری یادیں تازہ کرنا
سادہ سا اک کاغذ لے کر
بھولے بسرے پل لکھ لینا
پھر اس بیتے اک اک پل کو
اک اک موڑ کا احاطہ کرنا
سارے دوست اکٹھے کرنا
ساری شامیں حاضر کرنا
ساری شامیں پاس بلانا
اور علاوہ ان کے دیکھو
سارے موسم دھیان میں رکھنا
اک اک یاد گمان میں رکھنا

پھر محتاط قیاس لگانا
گر تو خوشیاں بڑھ جاتی ہیں
تو پھر تم کو میری طرف سے
آنے والا سال مبارک
اور اگر غم بڑھ جائیں تو
مت بے کار تکلف کرنا
دیکھو پھر تم ایسا کرنا
میری خوشیاں تم لے لینا
مجھ کو اپنے غم دے دینا
اب کے برس کچھ ایسا کرنا

فرح عامر: کی ڈائری سے ایک نظم
''اب کے برس''
اے عمر رواں
آ پاس میرے
اک راز کی بات بتانی ہے
اک درد کی ٹیس سی دل میں ہے
اے عمر رواں
آ پاس میرے
یہ نیم شبی کی خاموشی
یہ نیند کی پلکیں بوجھل سی
یہ پردہ دل
یہ زہر نظر
اک خوف ساذہن و دل پر ہے
تنہائی میری چپکے سے کہے
اے عمر رواں آ پاس میرے
تجھ سے فقط کہنا ہے مجھے
اک شخص سے ملنا ہے مجھ کو
ملنے کی گھڑی جو ٹھہری ہے
دو چار صدی یا اب کے برس
اے عمر رواں
آ پاس میرے، آ پاس میرے

رابعہ قاسم: کی ڈائری سے ایک غزل
اک رہ گزر پہ خود کو تماشا کیئے ہوئے
بیٹھا ہے دل غبار کو رستہ کیے ہوئے
جیسے ہجوم خلق خدا اس کے ساتھ ہے
پھرتا ہے سارے شہر کو تنہا کیے ہوئے
چلا اس سے مانگتے ہیں دل ناتواں کی خیر
اک عمر ہو گئی ہے تقاضا کیے ہوئے
تو ہے، نہیں ہے، کون یہ سوچے، مگر میں ہوں
محفل کو تیری یاد میں برپا کیے ہوئے
بیٹھا ہے عشق مسند انکار پر سلیم
ترک رسوم و ترک تمنا کیے ہوئے

نعیم امین: کی ڈائری سے ایک نظم
مگر اک ستارہ مہرباں
کئی چاند دھند میں کھو گئے
کئی جاگ جاگ کے سو گئے
مگر اک ستارہ مہرباں
جو گواہ تھا
سر شام سے دم صبح تک
کسی وصل رنگ سی رات کا
کسی بے کنار سے لطف کا
کسی مشکبار سی بات کا
مرے ساتھ تھا
مرے ساتھ تھا

ہمارائے: کی ڈائری سے ایک غزل
یہ معجزہ بھی کسی کی دعا کا لگتا ہے
یہ شہر اب بھی اسی بے وفا کا لگتا ہے
یہ تیرے میرے چراغوں کی ضد جہاں سے چلی
وہیں کہیں سے علاقہ ہوا کا لگتا ہے
دل ان کے ساتھ مگر تیغ اور شخص کے ساتھ
یہ سلسلہ بھی کچھ اہل ریا کا لگتا ہے
نئی گرہ، نئے ناخن، نئے مزاج کے قرض
مگر یہ پیچ بہت ابتدا کا لگتا ہے
کہاں میں اور کہاں فیضان نغمہ و آہنگ

ہم خوابوں کے بیوپاری تھے پر
اس میں ہوا نقصان بڑا
کچھ بخت میں ڈھیروں کالک تھی
کچھ اب کے غضب کا کال پڑا
کچھ راکھ لئے جھولی میں
اور سر پہ سیاہو کار کھڑا!
جب دھرتی صحرا صحرا تھی
ہم دریا دریا روئے تھے
جب ہاتھ کی ریکھائیں چپ تھیں
اور سر سنگیت میں کھوئے تھے
تب ہم نے جیون کھیتی میں
کچھ خواب انوکھے بوئے تھے
کچھ خواب سجل مسکانوں کے
کچھ بول بہت دیوانوں کے
کچھ الفاظ جنہیں معانی نہ ملے
کچھ گیت شکستہ جانوں کے
کچھ پر پاگل پروانوں کے

فائزہ قاسم: کی ڈائری سے ایک غزل

پھر وہی میں ہوں وہی درد کا صحرا یارو
تم بے بچھڑا ہوں تو دکھ پائے ہیں کیا کیا یارو
پیاس اتنی ہے کہ آنکھوں میں بیاباں چمکیں
دھوپ ایسی ہے کہ جیسے کوئی دریا یارو
یاد کرتی ہیں تمہیں آبلہ پائی کی رتیں
کس بیاباں میں ہو میرے تنہا یارو
تم تو نزدیک رگ جاں سے تھے تمہیں کیا کہنا
میں نے دشمن کو بھی دشمن نہیں سمجھا یارو
آسماں گرد میں گم ہے کہ گھٹا چھائی ہے
کچھ بتاؤ کہ میرا شہر ہے پیاسا یارو
کیا کہوں کہ وہ گل ہے کہ شبنم غزل ہے کہ غزال
تم نے دیکھا ہی نہیں اس کا سراپا یارو
اس کے ہونٹوں کے تبسم میں تھی خوشبو غم کی
ہم نے محسن کو بہت دیر میں سمجھا یارو

فریال امین: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

''دعا''

تم مجھے بہت عزیز ہو
سوچتا ہوں خدا سے
تمہارے لئے کیا مانگوں
دولت وشہرت علم واقبال مندی
خوشی وکامرانی
شادنامی محبت یا شادی عشق
سکون جاں یا بے تابی روح
کون سی دعا مانگوں، اچھا سنو!
میں تمہارے لئے
سب سے اچھی دعا مانگتا ہوں
کہ عجب نہیں میرا خدا تمہیں بھی
قلب مطمئن عطا کر دے

نعیم امین: کی ڈائری سے ایک نظم

اک دن
تم نے مجھ سے کہا تھا
دھوپ کڑی ہے
اپنا سایا ساتھ ہی رکھنا
وقت کے ترکش میں جو تیر تھے کھل کر برسے ہیں
زرد ہوا کے پتھریلے جھونکوں سے
جسم کا پنچھی گھائل ہے
دھوپ کا جنگل، پیاس کا دریا
ایسے میں آنسو کی اک اک بوند کا
انساں ترسے ہیں
تم نے مجھ سے کہا تھا
سمے کی پہچان بھی رکھنا
میرے دل میں جھانک کے دیکھو
دیکھو ساتوں رنگ کا پھول کھلا ہے
وہ لمحہ جو میرا تھا وہ میرا ہے
وہ وقت کے پیکاں بے شک تن پر آن لگے
دیکھو اس لمحے سے کتنا گہرا رشتہ ہے

کرشمہ سب درد سمت نوا کا لگتا ہے
نبیہ آصف: کی ڈائری سے ایک نظم
''بشارت''

سنو!
یہ خوشبوئیں اعلان کرتی ہیں
کسی کے لوٹ آنے کا
تو پھر لفظوں میں کیسے لکھ سکیں گے
اس کی آمد کی کہانی کو
وفا کی حکمرانی کو
محبت کی دعائیں مانگتی شب نے
نئے اک سرخرو دن کے سہانے خواب دیکھے ہیں
یہ کیسا خوشنما احساس ہے
کہ آئندہ برسوں میں
ہر اک موسم، ہر اک دن کی دھنک کرنوں کو
ہم اک ساتھ برتیں گے
سنو! یہ خوشبوئیں اعلان کرتی ہیں
ثمینہ رفیق: کی ڈائری سے ایک نظم
''آس''

میں نے اب کے سال بھی سبز رتوں کا پہلا پھول
اک تیری خاطر شاخ شجر سے توڑ کے
اپنی زرد کتاب میں لا رکھا ہے
کوئی نہ جانے
کبھی کوئی آوارہ بھولا بھٹکا بادل
عمر کے ترسے پیاسے دشت کی
پل میں پیاس بجھا جاتا ہے
کوئی نہ جانے
بعض اوقات ایک بھولی بسری ہوئی یاد بھی
ایسے پوری ہو جاتی ہے
جیسے غیر آباد جزیرے
رستہ بھول کے آنے والے لوگوں سے بس جاتے
ہیں
ثناء حیدر: کی ڈائری سے ایک غزل

کئی بار اس کا دامن بھر دیا حسن دو عالم سے
مگر دل ہے کہ اس کی خانہ ویرانی نہیں جاتی
کئی بار اس کی خاطر ذرے ذرے کا جگر چیرا
مگر یہ چشم حیراں جس کی حیرانی نہیں جاتی
نہیں جاتی متاع لعل و گہر کی گراں یابی
متاع غیرت و ایماں کی ارزانی نہیں جاتی
مری چشم تن آساں کو بصیرت مل گئی جب سے
بہت جانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی
سرخ رو سے ناز کجکلاہی چھن بھی جاتی ہے
کلاہ خسروی سے بوئے سلطانی نہیں جاتی
بجز دیوانگی واں اور چارہ ہی کہو کیا ہے
جہاں عقل و خرد کی ایک بھی مانی نہیں جاتی
درگمن: کی ڈائری سے ایک نظم
اے دوستو! یہ نیا سال مبارک ہو تمہیں
عین ممکن ہے کہ کھوئی ہوئی منزل مل جائے
اور کمزور سفینوں کو بھی ساحل مل جائے
شاید اس سال ہی کچھ چین دلوں کو ہو نصیب
شاید اس سال تمہیں زیست کا حاصل مل جائے
صبح کے بھولے ہوئے شام کو شاید گھر آئیں
اپنے غم خانوں میں چپ چاپ ہی خوشیاں در
آئیں
شاید اس سال جو سوچا تھا وہ پورا ہو جائے
شاید اس سال تمہاری بھی مرادیں بر آئیں
شاید اس سال شکستہ ہوں مصائب کی سلیں
شاید اس سال ہی صحراؤں میں کچھ پھول کھلیں
راہ ہستی کے دوراہے پہ اچانک اک دن
شاید اس سال ہی کچھ بچھڑے ہوئے آن ملیں
دل میں ہم سب کے محبت ہو کدورت نہ رہے
اور انسان کو انسان سے نفرت نہ رہے
شاید اس سال کوئی ایسی ہوا چل جائے
رنج و غم، آفت و آلام کی کثرت نہ رہے

☆☆☆

حنا کا دستر خوان

افراح طارق

چکن اینڈ کارن سوپ

اشیاء

چکن لیگ پیس	دو عدد (صاف کرکے دھولیں)
مکھن	چوتھائی کپ
تیل	دو چائے کے چمچے
میدہ	ایک کھانے کا چمچہ
پیاز	ایک عدد (چھوٹے سائز کی)
مرغی کی یخنی	ڈھائی کپ
شملہ مرچ	ایک عدد (چھوٹے سائز کی) (بیج نکال کر باریک چوپ کرلیں)
ٹماٹر	دو عدد (بڑے سائز کے) (چھلکا اتار کر باریک چوپ کرلیں)
ٹماٹر پیسٹ	دو چائے کے چمچے
مکئی کے دانے	ایک کپ (ابلے ہوئے)
اوریگانو پاؤڈر	ایک چٹکی
دھنیا پاؤڈر	چوتھائی چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
سیاہ مرچ پاؤڈر	حسب ضرورت
ہرا دھنیا	حسب پسند (چوپ کیا ہوا)

ترکیب

سوس پین میں تیل اور مکھن ڈال کر گرم کریں اور اس میں پیاز ڈال کر فرائی کرلیں، اس کے بعد اس میں چکن پیس ڈال کر چمچہ چلائی اور گوشت کی رنگت گولڈن براؤن ہو جانے تک فرائی کریں، میدہ ڈال کر چمچہ چلائیں اور دو منٹ تک فرائی کریں، فرائی کرنے کے بعد مرغی کی یخنی ڈال کر ایک مرتبہ ابالیں، اس کے بعد ڈھکن ڈھک کر ہلکی آنچ پر پانچ منٹ تک پکائیں، شملہ مرچ، ٹماٹر، ٹماٹو پیسٹ، مکئی کے دانے اور یگانو پاؤڈر، دھنیا پاؤڈر، نمک اور سیاہ مرچ پاؤڈر شامل کرکے چمچہ چلائیں اور ڈھکن ڈھک کر مزید بیس منٹ تک پکائیں، گوشت جب اچھی طرح گل جائے تو اسے سوس پین سے نکال کر ہڈی الگ کرکے باریک ریشے کرلیں اور اسے سوس پین میں ڈال کر آمیزے کے ساتھ مکس کریں، ڈھکن ڈھک کر دھیمی آنچ پر تین منٹ تک پکائیں، مزے دار چکن کارن سوپ تیار ہے، سرونگ باول میں نکال کر ہرا دھنیا سے گارنش کرکے سرو کریں۔

چکن پی نٹس اینڈ چلی سوپ

اشیاء

مرغی	آدھا کلو (بون لیس کیوبز میں کاٹ لیں)
ادرک (باریک کی ہوئی)	ایک چائے کا چمچہ
سرکہ	ایک چائے کا چمچہ
سویا ساس	ایک کھانے کا چمچہ
ثابت لال مرچ	دس بارہ عدد
مونگ پھلی	آدھا کپ
تیل	آدھا کپ
پیاز	ایک عدد
شملہ مرچ	ایک عدد
مرغی کی یخنی	ڈیڑھ کپ
چلی سوس	ایک چائے کا چمچہ
کارن فلور	ایک کھانے کا چمچہ

(دو کھانے کے چمچے پانی ملا کر آمیز بنالیں)	
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

مرغی کے گوشت میں سرکہ، سویا ساس اور نمک لگا کر تیس منٹ تک کے لئے رکھ دیں، ایک سوس پین میں تیل گرم کر کے مونگ پھلی فرائی کر لیں اور پلیٹ میں نکال لیں۔

اس کے بعد اسی تیل میں پیاز ڈال کر فرائی کریں اور اس میں ادرک، مرغی کا گوشت ڈال کر فرائی کریں، گولڈن ہو جائے تو یخنی، چلی ساس، لال مرچ ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں، جب مرغی کا گوشت گل جائے تو کارن فلور کا آمیزہ ڈال دیں، ساتھ ہی شملہ مرچ اور فرائی کی ہوئی مونگ پھلی ڈال کر مسلسل چمچہ چلاتی رہیں، گاڑھا ہو جائے تو سرونگ ڈش میں نکال لیں۔

مونگ پھلی سے گارنش کر کے نوڈلز یا فرائیڈ رائس کے ساتھ سرو کریں۔

ہاٹ اینڈ ساور سوپ

اشیاء

مرغی کی ہڈیاں	دو کلو
مرغی	ایک کلو
(ابال کر ریشے کر لیں)	
جھینگے	ڈیڑھ کلو
(ابال کر چوپ کر لیں)	
چینی	ایک سو پچاس گرام
نمک	حسب ذائقہ
چائنیز نمک	چار چائے کے چمچے
سفید مرچ پاؤڈر	دو کھانے کے چمچے
نارنجی یا سرخ رنگ	ایک چٹکی
مشروم (سلائس کیے ہوئے)	ایک سو پچاس گرام
بند گوبھی	آدھا کلو
(باریک کاٹ لیں)	
گاجر	آدھا کلو
(قاشیں کاٹ لیں)	
چلی ساس	ایک کپ
لیموں کا رس	ایک کپ
سرکہ	آدھا کپ
کارن فلور	ڈیڑھ کپ
ہری پیاز	ایک عدد
(سلائس کاٹ لیں)	
گوبھی	تین کھانے کے چمچے
انڈے (پھینٹ لیں)	دس عدد

ترکیب

سوپ بنانے کی تیاری میں اہم مرحلہ مرغی کی یخنی بنانے کا ہے، یخنی پانچ گھنٹوں میں تیار ہو گی، اس کے لئے ایک برتن میں سات کپ پانی ڈالیں اور ہڈیاں ڈال کر یخنی تیار کرنے کے لئے رکھ دیں، پانچ گھنٹے تک پکنے دیں، اس کے بعد ہڈیاں الگ کر کے یخنی چھان لیں، اس میں نمک، چائنیز نمک، چینی، چلی ساس، سفید مرچ پاؤڈر اور سرکہ ڈال کر دیں، پندرہ منٹ تک پکائیں، ایک پیالے مین کارن فلور میں پانی شامل کر کے اچھی طرح مکس کر لیں، کچھ دیر بعد مشروم، گاجر، بند گوبھی، مرغی، جھینگے اور پھینٹے ہوئے انڈے آہستہ آہستہ سوپ میں شامل کر کے چمچہ چلائیں اور چولہا بجھا دیں، مزے دار ہاٹ اینڈ ساور سوپ تیار ہے، سرونگ باؤل میں نکال کر بند گوبھی اور ہری پیاز کے سلائسز سے گارنش کر کے چلی گارلک سوس کے ساتھ سرو کریں۔

اسپائسی ویجی ٹیبل سوپ

اشیاء

پیاز	ایک عدد
شلجم	ایک عدد
(چھوٹے سائز کا)۔	

کدو	پچاس گرام
آلو	ایک عدد
مکھن	دو کھانے کے چمچے
ادرک پیسٹ	آدھا چائے کا چمچہ
دار چینی پاؤڈر	چوتھائی چائے کا چمچہ
ہری پیاز چوپ کی ہوئی	ایک کھانے کا چمچہ
سبزی کی یخنی	چار کپ
بادام (ہوائیاں کٹی ہوئی)	دو کھانے کے چمچے
تازی لال مرچ	ایک عدد
شکر	ایک چائے کا چمچہ
کوکونٹ کریم	آدھا کپ
نمک	حسب ذائقہ
سیاہ مرچ پاؤڈر	حسب ضرورت
ہرا دھنیا (گارنش کے لئے)	حسب ضرورت

ترکیب

پیاز کو چوپ کر لیں، شلجم کدو اور آلو کو چھیل کر درمیانے سائز کے ٹکڑے کاٹ لیں، سوس پین میں مکھن گرم کریں اور اس میں پیاز ڈال کر چار پانچ منٹ تک فرائی کریں، اس کے بعد اس میں شلجم، کدو اور آلو ڈال کر تین چار منٹ تک فرائی کریں، اس میں ادرک، دار چینی پاؤڈر، ہری مرچ، نمک اور سیاہ مرچ پاؤڈر ڈال کر مکس کریں اور ہلکی آنچ پر دس منٹ تک پکائیں، اسی دوران مسلسل چمچہ چلاتی جائیں، سبزی کی یخنی، بادام، لال مرچ اور شکر ڈال کر چمچہ چلائیں اور ڈھکن ڈھک کر ہلکی آنچ پر پکائیں، سبزیوں کے نرم ہونے پر اس میں کوکونٹ کریم شامل کریں، مزے دار اسپائس ویجی ٹیبل سوپ سرونگ باؤل میں نکالیں اور ہرا دھنیا سے گارنش کر کے سرد کریں۔

کولڈ چکن سلاد

اشیاء

چکن (بغیر ہڈی کے) (ابال کر چھوٹے ٹکڑے کر لیں)	دو بڑے ٹکڑے
آلو (ابال کر چھوٹے ٹکڑے کر لیں)	تین عدد
گاجر	تین عدد
مٹر (ابلے ہوئے)	ایک پیالی
سیب	دو عدد
پائن ایپل سلائسز	چار عدد
چھلے بادام بھنے ہوئے	تین چار عدد
کشمش	دس دانے
تازہ کریم	ایک پیالی
سفید مرچ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
نمک ،	حسب ذائقہ
چینی	آدھا کھانے کا چمچہ
میدہ	تین کھانے کے چمچے
دودھ	تین پیالی
سفید مرچ (پسی ہوئی)	ایک چائے کا چمچہ
مکھن	آدھا کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

چھوٹی دیگچی میں مکھن ڈال کر ہلکا گرم کریں پھر میدہ ڈال کر بھون لیں، دیگچی نیچے اتار لیں، پانچ منٹ بعد دودھ ڈالیں، لکڑی کے چمچے سے ہلاتے رہیں پھر دیگچی کو چولہے پر رکھ دیں، جب گاڑھی ہو جائے تو چولہا بند کر دیں، تھوڑی دیر بعد سفید مرچ اور نمک ڈال دیں، وائٹ ساس تیار ہے، بڑے پیالے میں تمام سبزی اور چینی ملا کر ٹھنڈا ہونے پر فریج میں رکھ دیں، کشمش سے گارنش کریں۔

☆☆☆

ایسنس کے قطرے ملا کر کسٹرڈ کی طرح پکا لیں، (گٹھلیاں نہ پڑنے پائیں)

ٹھنڈا ہونے کے لئے رکھ دیں، بعد ازاں لیموں کے چھلکے نکال لیں اور اسفنج کیک پر ڈال دیں، ٹھنڈا کر کے کریم اور دیگر لوازمات سے سجا دیں، بیک کرنے کے بعد ٹھنڈا ہونے کے لئے سجا کر رکھ دیں، ٹھنڈا ہونے پر جام اور آئسنگ شوگر سے ڈیکوریٹ کر دیں۔

چکن ود جیلی

اشیاء

بون لیس چکن	ایک کپ
مکھن یا مارجرین	آدھا کپ
آلو	دو درمیانے سائز کے کٹے ہوئے
ہری پیاز	ایک عدد
مٹر (ابلی ہوئی)	چار اونس
مشروم (سالم)	چھ عدد
مرغی کی یخنی	ایک کپ
ہرے دھنیے کی پتیاں	دو چمچہ
میدہ	ایک چمچہ
کریم	آدھا کپ
لہسن (باریک کٹا ہوا)	آدھا چمچہ
گاجریں (ابال کر چکور کاٹ لیں)	دو عدد
مسٹرڈ پاؤڈر	آدھا چمچہ
نمک، کالی مرچ	حسب ذائقہ

ترکیب

مکھن کو بھاری پیندے والی پتیلی میں ڈال کر گرم کر لیں، اس میں لہسن اور چکن ڈال دیں، ہلکی آنچ پر براؤن ہونے تک پکائیں، پھر اس میں مشروم اور پیاز ڈال کر ایک سے دو منٹ تک پکائیں پھر اس میں میدہ ڈال کر دو سے تین منٹ تک فرائی کریں، پھر اس میں آہستہ آہستہ مرغی کی یخنی اور کریم ڈال کر پکائیں، اس کے بعد اس میں ابلے ہوئے آلو، گاجر اور مٹر ڈال کر چند منٹ کے لئے دم دیں، برتن کو چولہے پر سے ہٹا لیں آخر میں اوپر سے ہرا دھنیا باریک کتر کر ڈالیں اور گرم گرم پیش کریں۔

بھیڑ کا گوشت انڈے کے ساتھ

اشیاء

بھیڑ کا گوشت	اٹھ گرام کے دو ٹکڑے
سفید بینگن، کٹے ہوئے	دو عدد
تیل	پچیس گرام
لہسن (کٹا ہوا)	تیس گرام
گرم مصالحہ	تین گرام
لال مرچ پاؤڈر	دو گرام
ہلدی پاؤڈر	ایک گرام
دہی	دس گرام
لیموں کا جوس	ایک عدد
ہرا دھنیا	آدھی گڈی
پیاز (تلی ہوئی)	دس گرام
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب

گوشت کو لہسن، دہی، نمک اور لیموں کے جوس میں ملا لیں، اوون کو 225 ڈگری سینٹی گریڈ پر گرم کر لیں، پھر اس میں ملایا ہوا گوشت ڈالیں، اس میں لال مرچ پاؤڈر، گرم مصالحہ، ہرا دھنیا اور تلی ہوئی پیاز شامل کر کے اس وقت تک پکائیں جب تک گوشت نرم نہ ہو جائے، دوسری طرف گول کٹے ہوئے بینگنوں میں نمک اور ہلدی پاؤڈر لگا کر گولڈن ہونے تک گرل کر لیں، ڈش کو مہمانوں کے سامنے پیش کرنے کے لئے پلیٹ کے درمیان گوشت رکھیں اور اس کے سائیڈوں میں بینگن رکھ دیں اس کے اوپر سے گوشت کا رس اور ٹھنڈی دہی ڈال دیں۔

☆☆☆

کس قیامت کے یہ نامے

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

آپ کے خطوط اور ان کے جوابات کے ساتھ حاضر ہیں آپ سب کی صحت وسلامتی کی دعاؤں کے ساتھ۔

اللہ تعالیٰ آپ سب کو اور ہمارے پیارے وطن کو اپنی حفظ وامان میں رکھے آمین۔

نئی امیدوں نئی خواہشوں اور نئے خوابوں کے ساتھ ایک اور سال دستک دے رہا ہے

طلوع وغروب ہوتے روز وشب میں کوئی جدت نہ سہی تب بھی ہر گزرتے لمحے کے ساتھ تبدیلی کا عمل لازم اور امید زندگی کے ساتھ باندھے رکھتی ہے، نئے سال کی آمد کے ساتھ ارادوں خواہشوں اور خوابوں کا سلسلہ بھی چل نکلتا ہے، امن، انصاف اور خوشحالی کے خواب، ایک ایسی دنیا کا خواب جہاں طاقت کی نہیں انصاف کی حکمرانی ہو جہاں سب کو سر اٹھا کر جینے کا حق حاصل ہو، ان خوابوں کی تعبیر کے لئے انسان صدیوں سے سرگرداں ہے تمام پیغمبر ہادی انسانیت کی فلاح کے لئے ہی دنیا میں بھیجے گئے تمام مفکر، فلسفی اس کی جستجو اور کھوج میں غور وفکر کرتے رہے مگر افسوس کے خلاؤں کو تسخیر کرنے والا انسان دھرتی پر رہنے کا سلیقہ نہ سیکھ سکا۔

گئے سال کو دیکھتے ہیں تو بے انتہا مایوسیوں کے ساتھ کہیں کہیں ایسے چراغ بھی نظر آتے ہیں جن سے اندھیروں میں روشنی کی کرن دکھائی دیتی ہے اور امید بندھاتی ہے کہ شاید ان کی روشنی میں جہالت اور غربت کے اندھیرے دور ہوسکیں۔

آنے والے وقت کی بہتری کے لئے پوری خوش امیدی کے ساتھ دعا گو ہیں۔

کہ آنے والے سال میں آپ سب کو دلی خوشیاں نصیب ہوں اور یہ سال ہم سب کے لئے امن برکت اور خوشحالی کا پیغام لے کر آئے آمین۔

اپنی دعاؤں میں یاد رکھئے گا۔

اپنا بہت سا خیال رکھئے گا اور ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں آپ کا خیال رکھتے ہیں آیئے آپ کے خطوط کی محفل میں جانے سے پہلے حسب توفیق درود پاک، کلمہ طیبہ اور استغفار کا ورد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس ورد کی وساطت سے ہم سب کو آخرت میں سرخرو کرے آمین یا رب العالمین۔

یہ پہلا خط ہمیں بشریٰ خانم حیدر آباد سندھ سے موصول ہوا ہے وہ لکھتی ہیں۔

اس مرتبہ حنا سات دسمبر کو ملا ٹائٹل پسند نہیں آیا اور توقع کے مطابق ہماری تحریروں کا کہیں نام ونشان نہیں تھا، خیر ہم کون سا ہمت ہارنے والے تھے دوبارہ حاضر خدمت ہیں سب سے پہلے حمد و نعت اور پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں پڑھیں جزاک اللہ۔

انشاء نامہ میں ''گرجا گھر کا دربان'' پڑھ کر ہنستے ہنستے رہ گئے، آگے بڑھے اور ام مریم کی تحریر میں کھو گئے، جی بات ہو رہی ہے ''دل گزیدہ'' کی بہت زبردست مریم آپی اس ماہ کی قسط بے حد جاندار تھی، ہر کردار کے ساتھ آپ نے انصاف

کیا، آپ کے ناول کا ہر کردار ہی اہم ہے کس کس کی تعریف کی جائے۔

''اے مژدہ محبت'' حمیرا نوشین کا مکمل ناول بہت اچھا لکھا حمیرا آپ نے شروع سے لے کر آخر تک آپ کی پلاٹ پر گرفت رہی، افراح کا کردار بے حد جاندار تھا، ام ایمان کا مکمل ناول ''مجھے گھر بنانا ہے'' بھی پسندیدگی کے گراف پر پورا اترا، ام ایمان نے آج کے سب سے اہم مسئلے پر قلم اٹھایا، ماؤں کے جب بیٹے جوان ہو جاتے ہیں تو وہ انہیں ایک ایسا جیک سمجھتی ہیں جس میں رقم کا تعین وہ اپنی مرضی سے کرنا چاہتی ہے اور پھر اس سلسلے میں گھر گھر جا کر کھانا پینا اور لڑکیوں کو ریجیکٹ کر کے چلے آنا، ہمارا وطیرہ بن گیا ہے، نہ جانے کب ہم اس لعنت سے چھٹکارا پائیں گے قدر جیسی لڑکی بلاشبہ جہنم کو جنت میں بدل دیتی ہے۔

''پربت کے اس پار کہیں'' نایاب جیلانی کا سلسلے وار ناول اب کچھ رک سا گیا واقعات آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے کو جا رہے ہیں، گھر کے اتنے سخت ماحول میں ہیام کی دیدہ دلیری خاصی حیرت کے باعث ہے، نشرہ کا کردار اچھا مگر اس پر کچھ توجہ کی ضرورت ہے۔

سباس گل کی طویل تحریر ''میری زندگی ہے نغمہ'' کا پہلا حصہ تو اچھا ہے، میں دوسرا پڑھ کر ہی رائے دیں گے، ناولٹ میں یہ اس ماہ بشریٰ سیال تو نظر نہ آئیں مگر ان کے بہنوئی کے وفات کی خبر نظر آگئی، بے حد افسوس ہوا بشریٰ اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی بہن کو ہمت اور حوصلہ دیں اور اس مشکل گھڑی میں اللہ تعالیٰ کی مدد آپ کے ساتھ ہو اور اللہ پاک آپ کے بہنوئی کی مغفرت فرما کر جنت میں اعلیٰ مقام سے نوازے آمین۔

تحسین اختر ارے واہ جی واہ، ست بسم اللہ جی آیاں نوں، تحسین جی مگر بڑی دیر کر دی مہربان آتے آتے، آپ تو ایک طویل عرصے بعد حنا کے صفحات پر سے رونق بکھیرنے آئی ہے خیریت تو تھی نا۔

''شہر دل کے راستے'' کے نام بھی شاعرانہ اور کہانی بھی جاندار بلکہ یقیناً آگے چل کر یہ مزید دلچسپ ہوتی جائے گی، تحسین جی حنا میں ہم آپ کو دوبارہ سے خوش آمدید کہتے ہیں، صدف آصف کی تحریر ''نامہ بہار'' کا بھی قابل توجہ رہی، افسانوں میں فرح طاہر اور فصیحہ آصف دونوں کی تحریریں اچھی لگی تمثیلہ زاہد اس بار کوئی خاص تاثر نہ چھوڑ سکیں۔

مستقل سلسلے ہمیشہ کی طرح دلچسپ رہے آپی نئے سال پر کوئی نیا سلسلہ شروع کیجئے گا۔

بشریٰ خانم خوش آمدید حنا کو پسند کرنے کا شکریہ، آپ کی تعریف وتنقید ان سطور کے ذریعے مصنفین کو پہنچائی جا رہی ہے اس سے پہلے ہمیں آپ کی تحریریں نہیں ملیں ورنہ ضرور شائع ہوتی اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا شکریہ۔

منتہ رمشہ: فیصل آباد سے لکھتی ہیں۔

سب سے پہلے حنا کی رنگ برنگی محفل میں ویلکم کرنے کا شکریہ ''پربت کے اس پار کہیں'' اس بار کی قسط بہت فنٹاسٹک تھی، ہیام اور نشرہ کی اسٹوری اچھی جا رہی ہے، امام اور رحمت کی جوڑی بھی اچھی لگی، شاہنواز غائب تھا اور جہاندار اور نیل بر کے درمیان یہ گلالئی کہاں سے آگئی آپی؟

امام کا آپریشن کامیاب ہوگا انشاء اللہ۔

''دل گزیدہ'' میں ام مریم آپی آپ نے حمدان اور قدر کا نکاح کروا دیا لیکن اب شانزے کے ساتھ حمدان کی شادی ہرگز مت کروائیے گا، سلیمان صاحب کو اب مون مت لکھا کریں ان کے بیٹے ایزد یا کسی اور کو لکھنا شروع کر دیں۔

حمیرا نوشین کا مکمل ناول ''اے مژدہ محبت'' فنٹاسٹک تھا، شمریز اور افراح کا کردار بہت اچھا تھا، تحسین اختر کا ناولٹ ''شہر دل کے راستے'' آغاز اچھا ہے، دیکھتے ہیں انجام کیسا ہوتا ہے۔

منتہ رمشہ دسمبر کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ، ام مریم تک آپ کی تجاویز پہنچا رہے ہیں آئندہ بھی آپ کی محبتوں کے منتظر رہیں گے شکریہ

رابعہ انعم: ۔سرگودھا سے لکھتی ہیں۔

دسمبر کا شمارہ اس مرتبہ بے حد لیٹ ملا، سرورق کوئی خاص نہیں تھا تاہم از کم دسمبر کے حوالے سے بالکل بھی پسند نہیں آیا، ''باتیں ہماریاں'' کے بعد ''حمد و نعت'' اور ''پیارے نبی کی پیاری باتوں'' سے استفسادہ حاصل کیا، آگے بڑھے اور ابن انشاء کے کالم میں پہنچے، ان کے مزاح کا تو ایک عالم قائل ہے، تعریف کیا کی جائے، سلسلے وار ناول ''دل گزیدہ'' کی اس ماہ کی قسط بہترین تھی، ام مریم کہانی کے تمام کرداروں کو بڑی خوبصورتی سے آگے بڑھا رہی ہیں، ''نامہ بہار'' صدف آصف کا ناولٹ کچھ خاص نہیں تھا جبکہ تحسین اختر کے ناولٹ کی پہلی قسط ہی بے حد جاندار تھی یقیناً یہ آگے چل کر قارئین کی توجہ اپنی طرف مبذول کروا لے گا، حمیرا نوشین کا ''اے مژدہ محبت'' مصنفہ نے بلاوجہ تحریر کو اتنا کھینچا اب ایسی بھی محبت کیا کہ شوہر اس کو مار پیٹ کے گھر سے نکال دیتا ہے اور جب دوسری عورت اس کو چھوڑ دیتی ہے تو افراح اتنے دھکے کھانے اور شمریز کے ذلیل کرنے کے باوجود دوبارہ پلٹ آئی ہے، افسانے میں کچھ حقیقت تو ہونی چاہیے حمیرا جی، ام ایمان قاضی کی تحریر بے حد جاندار تھی، شروع اینڈ تک بڑے خوبصورت انداز میں ام ایمان نے تحریر کو مکمل کیا، ہماری طرف سے اتنی اچھی تحریر پر مبارک باد، سباس گل کے ناول ''میری زندگی ہے نغمہ'' کا پہلا حصہ پسند آیا، دوسرا حصہ پڑھ کر رائے دیں گے، ''پربت کے اس پار کہیں'' ہیام اور نشرہ کی نوک جھونک مزے کی لگی، نیل بر کا گلالئی کے پاس جانا کچھ کھٹک رہا ہے پہلی ہی ملاقات میں گلالئی کا اپنے بارے میں سب کچھ نیل بر کو بتا دینا، بات حیرت کی ہے، خیر آگے چل کر دیکھتے ہیں، نایاب جیلانی کی زنبیل کیا کیا راز چھپے ہیں، تمثیلہ زاہد کا افسانہ بس گزارہ ہی تھا، فصیحہ آصف کی تحریر پسند آئی، فرح طاہر نے بھی اچھی کوشش کی، مستقل سلسلوں میں حاصل مطالعہ میں سعدیہ جبار، آنسہ ممتاز، مسز نکہت غفار کا انتخاب لاجواب تھا، بیاض میں ہر ایک کا ذوق اچھا تھا اس طرح ڈائری میں ام خدیجہ، ہما رائے اور نبیہ آصف کی ڈائری کے اوراق بے حد پسند آئے، رنگ حنا میں فرح عامر اور نعیم امین کے انتخاب نے لبوں پر مسکراہٹ بکھیر دی، حنا کا دستر خوان ہمیشہ کی طرح لاجواب تھا، ''کس قیامت کے یہ نامے'' میں فوزیہ آپی کی محبتوں کو دیکھتے ہوئے ہم نے بھی کاغذ اور قلم اٹھایا اور اس محفل میں چلے آئے اس امید کے ساتھ کہ آپ ہمیں بھی خوش آمدید کہیں گی۔

رابعہ انعم اس محفل میں خوش آمدید، دسمبر کے شمارے کے لئے آپ کی پسندیدگی کا شکریہ، سرورق اس ماہ آپ کو پسند نہیں آیا معذرت آئندہ خیال رکھیں گے، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا، ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

☆☆☆

بقیہ سروے

سدرہ اعجاز---------(فیصل آباد)

گیا سال بہت کچھ دے کر گیا خوشیاں مسکراہٹیں اور تجربات الحمدللہ کوئی پچھتاوا مقدر نہیں بنا۔ 2017 ایک بدل دینے والا خوبصورت سال تھا اس نے میرے اندر ایک خوبصورت سی توانائی بھر دی۔ یہ سال ایک خوبصورت احساس دے کر گیا کچھ کر دیکھانے کا احساس خوابوں کو حقیقت میں بدل دینے کا احساس۔ زندگی کا ایک اور حسین ترین سال تمام ہوا۔

1- مجھے دنیا کا ہر کام کرنے کا شوق ہے۔، میں چاہتی ہوں کہ مجھے دنیا کا ہر کام کرنا آتا ہو۔ اس لئے ہر وقت کچھ نہ کچھ نیا کرنے میں لگی رہتی ہوں۔ موڈ کے حساب سے جو دل میں آئے کر لیتی ہوں۔ اکثر میں کینوس کو رنگوں سے بھرتی رہتی ہوں، مجھے رنگ بہت پسند ہیں رنگ جو زندگی میں مسکراہٹیں اور خوشبوئیں بکھیر کر ہر احساس کو رنگین بنا دیتے ہیں۔

2- ہاں جی واقعی ایسے کچھ لوگ ہوتے ہیں پر سچ بتاؤں تو آج تک کتابی دنیا کے علاوہ میرا عملی زندگی میں کسی ایسے کردار سے سامنا نہیں ہوا۔ میں نے رئیل لائف میں ایسا کوئی کردار نہیں دیکھا آپ کے اس سوال کے جواب میں میرے پاس ذات مصطفیٰ پاک ﷺ کی پاک ہستی ہے جن کی ذات پاک پر ہم آنکھیں بند کر کے یقین کرتے ہیں الحمدللہ میں ان کی سیرت پاک کو پڑھ کر زندگی گزارنے کے اصول سیکھتی ہوں۔

3- جی بالکل 2017 کے آغاز میں خود سے کئی وعدے کئے سب سے پہلا وعدہ اب سے تمام سمیسٹر میں ساتھ ساتھ پڑھنے کا تھا۔ ہاہاہا، جو کبھی بھی پورا نہیں ہوسکا تا۔ دوسرا وعدہ خود کی پہچان بنانے کا تھا، خود کو نکھارنے کا تھا الحمدللہ یہ وعدہ کچھ کچھ پورا کیا اس سال اللہ پاک آئیندہ زندگی میں بھی اس طرح مدد فرمائے (آمین)

4- میں سکول کی سٹوڈنٹ تھی جب میں نے پہلی بار حنا پڑھا اور الحمدللہ میں اب یونیورسٹی کی طالبہ ہوں۔ میرا اور حنا کا ساتھ 2011 سے ہے مجھے شروع ہی سے ناول پڑھنے کا کریز رہا ہے اور حنا سے مجھے دلی عقیدت ہے۔ میری شدید خواہش ہے کہ میں حنا کا حصہ بنوں اور اللہ کا شکر ہے کہ میں اس کا حصہ ہوں۔ آپ کا ادارہ واقعی قابل تعریف ہے ہر چیز پرفیکٹ اللہ پاک آپ کے ادارے کو دن دگنی رات چگنی ترقی عطا فرمائے اور آپ خوب خوب شہرت اور عزت حاصل کریں۔ (آمین)

حیا بخاری---------ڈیرہ اسمعیل خان

حنا کے پیارے قارئین کو نیا سال مبارک۔ زندگی عجیب تر ہے لوگ اسے پہاڑ کہتے ہیں جیسے اوپر کی طرف چڑھائی مشکل ہوتی ہے ویسے ہی زندگی کو مشکل ترین گردانا جاتا ہے لیکن کبھی کبھی لگتا ہے کہ واقعی زندگی پہاڑ کی مانند ہے لیکن سفر اونچائی کی بجائے زمین کی طرف ہے ایک بار چلنا شروع کر دو بھاگتے جاؤ گے رکنا مشکل ہے اور آج کل تو واقعی پتا نہیں چلتا ایک سال الوداع ہوتا ہے تو دوسرا بانہیں کھولے کھڑا ہوتا ہے اب آتے ہیں سروے کے سوالوں کی طرف۔

1- اس سال بہت کچھ ملا اور کچھ کھویا بھی لیکن سب سے بڑی خوشی یہ ملی کہ میں نے دوبارہ لکھنا شروع کر دیا۔

2- فارغ وقت میں بہترین مشغلہ پودوں کے ساتھ وقت بتانا ہے۔ پھر ڈائری لکھنا ہے ہر ہر لمحہ اوراق میں بکھیرنا بہت پسند ہے لکھنا روح کو سکون پہنچاتا ہے۔ میں کبھی کسی وقت پریشان ہوں یا اُداس اس عالم میں لکھنے لگوں تب بھی درد کم لگنے لگتا ہے اتنی خوشی دیتا ہے لفظوں کی مالا پرونا

3- میری امی، انہوں نے اس قدر مشکل زندگی گذاری ہے لیکن میں نے انہیں ہمیشہ مسکراتے دیکھا ہے جب کہ ان کی آنکھوں میں مجھے پریشانی نظر آ بھی رہی ہوتی ہے میں جب یہ بات کہتی ہوں تو وہ بہت حیران ہو کر کہتی ہیں ابھی سے نظریں پڑھ لیتی ہو بچے یہ تو اچھی بات نہیں۔ ان کو دیکھ کر مجھے ہر مشکل وقت کا سامنا کرنا آیا ہے۔

4- عہد و پیاں میں کبھی نہیں کرتی کیونکہ اگر ادھورا رہ جائے تو کسک سی رہتی ہے ہاں مگر یہ سوچ لیتی ہوں کہ اللہ نے چاہا تو کچھ نہ اچھا اس برس ضرور جمع کروں گی خاص طور پر اوروں کی مسکراہٹ، جو یقین کریں بنا مول مل جاتی ہے۔

5-حنا کو پڑھتے ہوئے کافی عرصہ ہو گیا ہاں لکھنے کا وقت کم ہے اب جب دوبارہ سپیڈ پکڑی ہے قلم نے تو حنا کے ساتھ یہ تعلق مزید گہرا کرنے کا ارادہ ہے۔ تجویز یہی ہے کہ حنا میں پرانے مصنفین جو کسی نہ کسی طرح حنا سے وابستہ ہیں اُن کے ادبی افسانے شائع کرنے کا سلسلہ شروع ہو یہ اُن مصنفین کو سکھانے کا اچھا دبستاں ثابت ہوگا جو کہ صرف اپنی سوچ سے لکھتی ہیں اُن کے پاس کچھ تو ادب پڑھنے کو ہے اور نہ اپنی چار دیواری سے باہر کچھ جاننے کو، ان سے قلم میں نکھار لانے اور اسے وسیع کرنے میں حنا بہترین کردار ادا کر سکتا ہے۔

صبا جاوید ------------------ بہاولپور

سب سے پہلے حنا کے پیارے قارئین، مصنفین، اور تمام سٹاف اسپیشل فوزیہ آپی کو پیار بھر سلام ۔سب کو نئے سال کی نیک تمنائیں۔ خدائے لم یزل ہر ایک کو دلی اطمینان اور خوشیاں نصیب فرمائے (آمین) اب بڑھتے ہیں حنا کے سروے کی جانب جس میں شرکت کے لئے فوزیہ آپی کچھ اس محبت سے کہتی ہیں کہ انکار کی گنجائش ہی کہاں۔ فوزیہ آپی کی محبتوں کے مقروض ہیں ہم تو۔

1-گزشتہ برس مارچ 2017 میں میری دادو اللہ کو پیاری ہو گئیں (اللہ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے) دنے کر تو پتا نہیں البتہ آپی کی جدائی کے ٹھیک چھ ماہ بعد دادو کا چلے جانا پے در پے ہمارے حوصلے کی آزمائش کے سوا کچھ نہ تھا جس کا اظہار اداسی کی صورت اب بھی در و بام سے چھلکتا ہے معذرت کے ساتھ میرا مقصد آپ کو اداس یا بور کرنا نہیں تھا۔ اچھی بات یہ ہوئی کہ گزشتہ برس میری زبردست جاب لگ گئی جس کے لئے اللہ پاک کا شکر ادا کرتی ہوں۔

2-فارغ وقت کی بات کی جائے تو فارغ وقت میسر کہاں؟ آج کل تو فارغ وقت میں خوب سونے کو ترجیح دیتی ہوں اس سے قبل کچھ لکھنے لکھانے اور پڑھنے پڑھانے کا شغل تھا اور اس سے بھی پہلے کی بات کی جائے تو سر پر کلنگ کا بھوت سوار تھا اس کے علاوہ کچھ خاص لوگ ہیں جن سے بات کر کے خوشی اور سکون محسوس کرتی ہوں۔ جس شخصیت نے متاثر کیا وہ میری آپی مرحومہ ہیں جن کی وفات کو محض ایک سال اور تین ماہ بیتے ہیں جن کو مرحومہ لکھتے ہوئے میرا قلم کئی بار کانپا اور آنکھیں بارہا چھلکیں۔ ان کی ثابت قدمی استقامت قابل تحسین ہے۔ جن کی خوبیاں میں آپ کو بارہا بیان کر چکی ہوں اگر کسی کی یادداشت میں محفوظ ہوں تو۔۔۔!

3-اس کے علاوہ اپنے والد محترم میں اس میں ضرور کرنا چاہوں گی جتنی حساسیت ان میں پائی جاتی ہے میں نے آج تک کسی مرد میں نہیں دیکھی جتنا رشتوں کا احترام اور ان کی نزاکت کو سمجھنے والے پاپا ہیں اتنا احترام ایک مرد کی حیثیت سے میں نے کسی اور میں نہیں پایا۔ مہمان نوازی، خوش اخلاقی اور کھلے دل سے خرچ کرنا ان پر ختم ہے۔ اس کے علاوہ بھی وہ کئی پہلوؤں سے مجھ کو متاثر کرتے ہیں میں دعا کرتی ہوں کہ ہر عورت کو بحیثیت شوہر ایسی ہی عادات والا شخص ملے یقیناً زندگی آسان ہو جائے گی۔

4-2017 میں کئی عہد خود سے باندھے تھے جو تقریباً تمام ہی نامکمل ہیں ان میں سے ایک چند اقساط پر مشتمل ناولٹ لکھنا سر فہرست تھا لیکن تمام عہد ہی نامکمل رہے وجہ یہ ہے کہ ان کے آغاز کے کچھ ہی میں نے کئی اور کام شروع کر لیے جو پلاننگ میں شامل نہیں تھے تو بس نامکمل اور ادھورا پن ہی ہے فی الحال۔۔۔

5-پانچواں سوال جو مجھے بے حد دلچسپ لگا اور جس کا جواب لکھتے ہوئے میرا دل چاہ رہا ہے کہ آنکھیں بند کروں اور پندرہ یا بیس سال۔۔۔ خیر زندگی نے وفا کی تو وہ وقت بھی ضرور آئے گا انشاءاللہ بہرحال حقیقت میں بات کی جائے تو میرا اور حنا کا ساتھ ساڑھے پانچ سال پرانا ہے اس مدت میں کہیں تھوڑا بہت ہمارا بھی حنا میں Contribution رہا ہے۔ حنا نے بہت سے نئے اور عمدہ لکھاری متعارف کروائے بہت سے ذہنوں کو سنوارا، جینے کے ہر ہنر سکھائے۔ بہت سے لوگوں کی پرسنل زندگی میں پروموشن ہوئی (ان کو دل کی گہرائیوں

سے مبارک باد)

تمام پڑھنے والے اپنا بے حد خیال رکھیے گا اپنے آس پاس کے لوگوں کی خوشیوں کا خیال رکھیے اور ہو سکے تو مجھے اپنی دعاوں میں یاد رکھیے گا۔

درثمن بلال ---------------- سرگودھا

سب سے پہلے تو حنا کے تمام قارئین، مصنفین اور اراکین کو دل کی گہرائیوں سے نیا سال مبارک۔ اس دعا کے ساتھ نیا سال ہم سب کے لئے خوشیوں کا پیام بن کر آئے ہم سب کو اور ہمارے پیارے ملک کو ناگہانی آفات، حادثات اور پریشانیوں سے بچائے (آمین)

فوزیہ تم سوالوں کے جواب دینے کے لئے اس محبت سے کہتی ہو کہ جواب دینے ہی پڑتے ہیں۔ میں اپنے اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کروں کم ہے کہ گزشتہ سال میرے لئے بہترین رہا۔ میری دو کتابیں مارکیٹ میں آئیں ایک مدت کے بعد دلی خوشی محسوس ہوئی۔

1- اللہ کا شکر ہے کوئی ملال نہیں ہوا خوبصورت احساس جن رشتوں کو دیکھ کر ہوتا ہے جو رشتے ایک نعمت کی طرح لگتے ہیں اُن میں میرے والد، میرے شوہر بلال آصف میری پیاری بیٹیاں ہانیا، وانیا اور میری پیاری بہن صدف ضیاء ہیں یہ وہ خوبصورت رشتے ہیں جو مجھے گرنے نہیں دیتے۔ حوصلہ بن کر میری ہمت بڑھاتے ہیں۔

2- ڈیئر فوزیہ! شادی اور بچوں کے بعد فارغ وقت ملتا ہی کب ہے؟ میں تو ترس جاتی ہوں فارغ وقت کے لئے۔ ایک ہاؤس وائف مصنفہ ہوں۔ گھر کو مینٹین رکھنا، کھانا بنانا، بچوں کو دیکھنا، مہمان داری اور جس دن گھر کا کام کرنے ماسی نہ آئے اُس دن خود ماسی بن کے کام کرنے کے بعد ایک لمحہ بھی نہیں ملتا۔ اس کے باوجود لکھنا میرا جنون، میرا عشق اور میرا پسندیدہ مشغلہ ہے جس کے لئے میں اپنی نیند کو قربانی دینے کے لئے بھی تیار رہتی ہوں۔ اور یہی چیز مجھے سب سے زیادہ خوشی دیتی ہے اور جس دن میری پرانی میڈ نسرین آئی ہو میرے پاس تو گھر کی کوئی پریشانی نہیں ہوتی اُن دنوں میرا لکھنے کا کوئی موڈ نہ ہو تو میں کوئی اچھی کتاب پڑھتی ہوں یا پھر ارجیت سنگھ۔ عاطف اسلم اور ارمان ملک کے خوبصورت سونگز سننا پسند کرتی ہوں۔

3- بہت کم رشتے آپ کو حوصلہ دیتے ہیں۔ بہت کم لوگ مشکلات میں آپ کا ساتھ دیتے ہیں اور زیادہ تر میں نے ہمیشہ خود کو خود ہی حوصلہ دیا آجکل کے دور میں کوئی کسی کو حوصلہ بھی نہیں دیتا

میری امی کی وفات کے بعد بہت سے عزیز رشتوں نے جس طرح رنگ بدلا۔ میری محبتوں اور خلوص کو اُن رشتوں نے جس طرح بے مول کیا ایسے میں زندگی کے اتار چڑھاؤ کا میں نے تنہا مقابلہ کیا اور کر رہی ہوں ہر رشتے میں ماں کی محبت ڈھونڈی مگر سب نے مجھے باور کرایا کہ ماں صرف ایک ہی ہوتی ہے۔ اور وہ چلی جائے تو اس کی محبت کسی اور رشتے میں نہیں ملتی۔

4- 2017 کے آغاز میں میں نے خود سے کیا عہد و پیماں کیے۔ سب سے پہلے تو میں یہ کوشش کرتی ہوں کہ اچھی انسان بنوں۔ اچھی مومن عورت کہلاؤں۔ میری یہ کوشش مجھے ہمیشہ میرے رب کے قریب کرتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ عہد کرتی ہوں کہ اس سال بہت سارا لکھوں گی مگر ایسا سوچنے کے باوجود نہیں کر پاتی گزشتہ سال بس ایک ہی طویل ناول مکمل کر پائی۔ باقی کے دو تین پراجیکٹ فائلوں میں ادھورے ہی رہ گئے۔

5- میرا اور حنا کا دس سال پرانا رشتہ ہے جو کہ مجھے دل و جان سے عزیز ہے فوزیہ نے حنا کو بہتر سے بہتر بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اس لئے تجویز دینے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

صوفیہ کوثر ---------------- راولپنڈی

1- نیا سال کیا دے کر گیا، کوئی ملال، کوئی خوشی، کوئی خوبصورت احساس گئے سال نے ملا جلا احساس دیا ملال اس بات کا ہے کہ میں نویں دسویں کے امتحان پچھلے سال دیتی مگر نہ دے پائی۔ اب انشا اللہ اس سال دوں گی جہاں تک بات ہے خوشی کی تو میں حنا کے آفس گئی وہاں جانا اچھا لگا لاہور جانا، بری امام جانا اچھا لگا ان سب

جگہوں پر جانے کی بہت خوشی ہوئی۔ جہاں تک بات ہے کردار اور شخصیت کی تو مجھے نمرہ احمد کے ناول عالم کی ہیروین کا کردار بہت اچھا لگا۔ اور حنا میں سلسلے وار ناول پربت کے اس پار کہیں میں پیام اور نشرہ کی سٹوری اچھی لگی شاہو اور ثمینہ کا کپل بھی اچھا ہے۔

2۔ 2017 کے شروع میں خود سے بہت سے عہد و پیماں کیے کچھ پایہ تکمیل تک پہنچے تو کچھ ابھی ادھورے ہیں۔

3۔ میرا اور حنا کا ساتھ اتنا ہی پرانا ہے جب سے میں نے پڑھنا شروع کیا حنا ہی پڑھا ہے فارغ وقت میں میری تفریح اور مشغلہ یہی ہے کہ مجھے ناول، افسانے پڑھنے کا بے حد شوق ہے اور میرے فارغ وقت میں حنا میرا بہترین ساتھی ہوتا ہے۔ یا پھر فارغ اوقات میں میوزک سننا اچھا لگتا ہے۔

4۔ رائے یا تجویز یہ ہے کہ ہر ماہ جو لوگ آپ کو اپنی تحریریں بھیجتے ہیں وہ آپ بھلے شائع نہ کریں مگر ان کے نام ضرور شائع کیا کریں۔

ریحانہ آفتاب ----------- کراچی

1۔ الحمدللہ! گیا سال بہت سی کامیابی ساتھ لے کر آیا۔۔۔ تحریری حوالے سے 2017 بہترین سال رہا۔۔۔ پچیس سے زائد تخلیقات مختلف جرائد کا حصہ بنیں۔۔۔ جنہیں بے حد پزیرائی ملی خاص طور پہ اپریل 2017 کے حجاب ڈائجسٹ میں "کج مینوں مرن دا شوق وی سی" نومبر 2017 کرن ڈائجسٹ میں "مجھے جینے کا حق دو" کو جتنی پسندیدگی حاصل ہوئی اس نے بے انتہا خوشی دی۔۔۔ جنوری 2017 میں لاہور کی سرزمین سے بیسٹ اسٹوری رائٹر کا ایوارڈ وصول کرنا میرے لیے ناقابل فراموش واقعہ ہے۔۔۔ فروری 2017 سے پہلا سلسلہ وار ناول "عشق کی داستاں جدا ہے میری" شروع ہوا جو بفضل اللہ بہت خوبی سے چل رہا ہے اور بے حد پسند کیا جا رہا ہے۔۔۔ اسی سال دوسرا سلسلے وار ناول "عشق دی بازی" لکھنے کا شرف بھی حاصل ہوا۔۔۔ اور وہ رواں سال سے شروع ہونے جا رہا ہے۔۔۔ ان شاء اللہ

دسمبر جاتے جاتے میری پہلی کتاب "میری پیا" کا تحفہ ساتھ لے کر آیا۔۔۔ جس پہ رب العزت کی بے حد شکر گزار ہوں۔۔۔ مجموعی طور پر یہ سال کامیابی کا سال رہا۔۔۔ ماشاء اللہ

دعا ہے آنے والا سال مزید کامیابیاں لے کر آئے۔ آمین یا رب العالمین فارغ وقت میں اب صرف فیس بک کو ہی اہمیت حاصل ہے جہاں بہت کچھ جھوٹ ہے لیکن سیکھنے کو بھی بہت ملا۔۔۔ وہ علم جو کتابیں، نصیحتیں نہیں

اچھی کتابیں
پڑھنے کی عادت ڈالیں

ابن انشاء

- اردو کی آخری کتاب .... ☼
- خمارِ گندم .... ☼
- دنیا گول ہے .... ☼
- آوارہ گرد کی ڈائری .... ☼
- ابن بطوطہ کے تعاقب میں .... ☼
- چلتے ہو تو چین کو چلیے .... ☼
- نگری نگری پھرا مسافر .... ☼

لاهور اکیڈمی
چوک اردو بازار لاہور
فون: 042-37321690, 3710797

سکھاتی وہ انسانی رویے سکھا دیتے ہیں۔۔ بہت سے بڑے لوگوں کو بے حد چھوٹا پایا۔۔ بہت سی منافقین سے واسطہ رہا۔۔ جنہیں آستین کا سانپ کہنا بجا ہوگا۔۔ بہت سے حاسد بھی بے نقاب ہوئے کہ ”آپ ذرا کامیابی کی سیڑھی چڑھنا تو شروع کریں لوگ آپ کے پیر پکڑنے آجائیں گے۔۔ ارے دبانے کے لیے نہیں، کھینچنے کے لیے۔۔“ میں نے یہ قول بھی اسی سال رقم کیا جب منافقین سے واسطہ پڑا۔۔

کیا چیز خوشی دیتی ہے؟؟؟ بھرپور محبت، اپنے پن کا احساس بے حد خوشی دیتا ہے۔۔ ہر جذبے میں جب تک گرم جوشی نا ہو وہ احساس اپنی موت آپ مرجاتا ہے۔

3: ریحانہ آفتاب۔۔ یہ وہ بندی ہے جو کسی بھی مقام پر مجھے جھکنے نہیں دیتی۔۔ کبھی ٹوٹنے نہیں دیتی۔۔ چھوٹی سی زندگی میں بیشتر ایسے مقام آئے جب لگا محبت، احساس، وفا، خلوص، اپنا پن سب کا ساتھ چھوٹ گیا۔۔ لیکن میرے اندر جو ریحانہ آفتاب سانس لیتی ہے اس نے مجھے کسی راہ گزر پہ بکھرنے نہیں دیا۔۔۔ وہ میرا حوصلہ ہے۔۔ میری بقا ہے۔۔ مجھے کبھی کسی کے سہارے کی ضرورت نہیں پڑی۔۔

ہمیشہ میرے اندر کی ریحانہ آفتاب نے کہا ”میں ہوں نا“ میں اپنے اندر کی ہستی سے متاثر ہوں، جو مجھے اتنا جانتی ہے، جتنا مجھے دنیا میں کوئی نہیں جانتا۔ جو بہت مضبوط ہے، بہت الگ راہ چنتی ہے اور تاریخ رقم کردیتی ہے۔

4: 2017 میں خود سے کوئی عہد و پیماں نہیں کیے تھے۔۔ بس ٹوٹے ہوئے تحریری سفر کو رواں کرنا تھا لیکن اللہ رب العزت نے اس سے کہیں زیادہ نواز دیا۔۔

آنے والے سال میں کچھ عہد کرنے کو دل ہے کہ گزشتہ سال کو مشعل راہ بناؤں۔۔ مزید کامیابیاں اور خوب ساری محنت۔۔ جب آپ چاپلوس نا ہوں تو آپ کے لیے راہیں دشوار بنادی جاتی ہیں۔ وہی میرے ساتھ ہے لیکن۔۔ ہمیں بھی دیکھنا ہے کون ظالم کہاں تک ہے

5: حنا اور میرا ساتھ شاید بچپن کی آنکھ مچولی جیسا ہے۔۔ جب اسکول گوئنگ تھی تب تمام شمارے لیا کرتی تھی۔ لیکن پاکٹ منی اجازت کب دیتی تھی کہ اتنے سارے پرچے خریدتی۔۔ سو حنا کے ساتھ تھوڑا سوتیلوں کا سا سلوک روا رکھا۔۔۔ یعنی کم کم (معذرت کے ساتھ) لیکن گزشتہ پچھلے کئی ماہ سے حنا پہ خاص نظر کرم ہے جس کا سہرا فوزیہ جی کو جاتا ہے ان کے خلوص اور میٹھے لہجے نے ہی اتنا متاثر کیا کہ حنا میں لکھنے کا ارادہ ہوا۔۔ اور یہ تعاون جاری رہا تو ان شاء اللہ مزید لکھتی رہوں گی۔۔

بہت شکریہ فوزیہ جی آپ جیسے لوگ فی زمانہ نایاب ہیں۔

تجویز بس یہی ہے کہ حنا کو تھوڑا کھلا پلا کر تگڑا کیا جائے۔ یعنی صفحات میں اضافہ۔

باقی تو کوئی کمی نہیں۔۔ اللہ رب العزت اس کے پیچھے محنت کرنے والوں کو ہمت بخشے اور اسے مزید کامیاب کرے۔ آمین یارب العالمین۔